Presented by: https://jafrilibrary.com

اہل بیت علیہم السلام کی زندگی

مقاصد کی ہم آہنگی ــــ اور ــــ زمانہ کی نیرنگی

سید محمد باقر الصدر

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

ACC No. 1440 Date 28/11/97
Section .... Status ....
D.D. Class ....
NAJAFI BOOK LIBRARY

سیکشن
چہاردہ معصومین

Due date

یہ کتاب آپ کے پاس امانت ہے۔ اسے پڑھیں، اس کی حفاظت کریں اور
بروقت (اوپر درج آخری تاریخ تک) واپس کریں۔ تاخیر کی صورت میں جرمانہ ادا
کرنا ہوگا۔
نجفی بک لائبریری
سولجر بازار کراچی فون: 7211795

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrililibrary.com

Presented by: https://jafrililibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

اہل بیتؑ کی زندگی

مقاصد کی ہم آہنگی اور زمانہ کی نیرنگی

تالیف

شہید رابع مفکر اسلام حضرت آیت اللہ العظمیٰ

سید محمد باقر الصدر

ترجمہ

حجۃ الاسلام علامہ سید رضی جعفر نقوی

ناشر

موسسہ اہلبیتؑ پاکستان

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

(جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں)

نام کتاب ـــــــــــ اہلِ بیتؑ کی زندگی مقاصد کی ہم آہنگی اور زمانہ کی نیرنگی

اثر ـــــــــــ السید محمد باقر الصدر الشہید

ترجمہ ـــــــــــ سید رضی جعفر نقوی

کتابت ـــــــــــ سید جعفر صادق

ناشر ـــــــــــ مؤسسۂ اہل بیتؑ

طبع اوّل ـــــــــــ شعبان المعظم ۱۴۰۸ھ اپریل ۱۹۸۸ء

طبع دوّم ـــــــــــ شوال المکرم ۱۴۱۲ھ - اپریل ۱۹۹۲ء

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

فہرست

- عرض ناشر ۵
- شب ضربت امیرالمومنین علیہ السلام ۱۹ رمضان المبارک ۱۱
- شب شہادت امیرالمومنین علیہ السلام ۲۰ رمضان المبارک ۳۵
- یوم بعثت یا یوم تجدید رسالت ۲۷ رجب ۱۴۸۸ھ ۵۵
- آنحضرت کی وفات حسرت آیات اور ہماری محرومیاں ۲۸ صفر ۷۳
  - وحی ۷۶
- آنحضرت کے بعد ائمہ کرام کا عہد زندگی ۹۱
  - ۱. مثبت مداخلت ۱۰۴
  - ۲. احتجاج و تہدید ۱۰۶

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrililibrary.com

○ وفاتِ پیغمبرؐ کے بعد آغازِ انحراف اور جناب امیرؑ کو پیش آنے والی مشکلات ۱۱۵

◁ شعور و ادراک ۱۴۳

◁ جوشش وجذبہ ۱۴۴

○ ائمۂ اطہارؑ کی اوّلین سیاسی سرگرمیاں ۱۶۷

○ امیرالمومنینؑ مسندِ اقتدار پر ۱۷۵

◁ وہ فوارق جو تاریخ کا نتیجہ تھے۔ ۱۷۸

○ امام حسنؑ، امام حسینؑ اور امام زین العابدینؑ کا زمانہ ۱۹۷

◁ پہلا نظریہ ۲۰۲

◁ دوسرا نظریہ ۲۰۶

◁ اسلام کی آمد کا مقصد ۲۰۷

◁ کامل تربیت کا اسلوب ۲۰۹

○ انحراف واختلاف کی ابتدا اور اس کے نتائج ۲۱۹

○ حضرات ائمہ طاہرینؑ کا طریقۂ کار (اور فداکاریاں) ۲۲۵

○ حضرات ائمہ طاہرینؑ کا عہد ۲۲۵

◁ ائمہ کرامؑ کا مشترکہ عہد ۲۲۸

Presented by: https://jafrililibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

عرضِ ناشر

حضرت آیت اللہ العظمیٰ شہید سید محمد باقر الصدر افکار کی ندرت اور اسلوب بیان کی جدت میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ آپ نے جس موضوع پر قلم اٹھایا ہے اس کا حق ادا کر دیا ہے اور موضوع کی مناسبت سے تحقیقِ دقیق کے بعد ایسے ایسے جوہر متعارف کروائے ہیں کہ جن پر پہلے کسی کی نظر نہیں گئی تھی۔

کتاب ہذا بھی شہید صدر کے خزانۂ علمی سے ایک گوہر گرانبہا ہے۔

یہ کتاب مختلف مواقع پر سیرت ائمہ کے حوالے سے کی گئی شہید صدر کی تقاریر و دروس کا مجموعہ ہے۔ ان مقالات میں شہید نے خصوصیت کے ساتھ اہلبیتؑ کی سیاسی جدوجہد پر اظہار خیال کیا ہے اور ہمعصر حکمرانوں کے ساتھ ائمہ کے کردار و رفتار پہ بحث فرمائی ہے۔

اس کتاب کے مطالعہ سے قبل مندرجہ ذیل نکات پر توجہ ضروری ہے

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

تاکہ کتاب میں بیان کیے گئے مفاہیم بہتر طور پر سمجھ میں آسکیں۔ اور قارئین کے ذہن میں کسی قسم کی خاش پیدا نہ ہوسکے۔

اوّلین نکتہ جو اس سلسلہ میں توجہ طلب ہے وہ یہ کہ شہید صدرؒ شیعہ مکتبِ فکر کے عالم و فقیہ ہیں جو امّتِ مسلمہ کی قیادت و رہبری کا تعین نصِ خدا و رسولؐ سے ہونے پر عقیدہ رکھتا ہے۔ اور شیعہ حضرات امام کے تعین کے لیے اس کے علاوہ کسی اور قاعدے و طریقے کو انحراف سے تعبیر کرتے ہیں۔ (اس مسئلہ پر شہید صدر نے اپنی ایک اور تصنیف "تشیع اور رہبری" میں سیر حاصل بحث فرمائی ہے)

دوسرا نکتہ جو قابل توجہ ہے وہ یہ کہ شہید صدر کی نظر میں دین کی حقیقی روح کے ساتھ ترویج اور ارکان دین کا قیام قیادت و رہبری پر موقوف ہے۔ اگر اسلامی معاشرے کی باگ ڈور اس کے حقیقی وارثوں کے ہاتھوں میں نہ ہو تو معاشرے میں اسلام اور اسلامی اقدار باقی نہیں رہ سکتے اور اس بنا پر اسلامی معاشرہ رفتہ رفتہ گمراہی اور کج روی کی جانب گامزن ہوجائے گا۔ جیسے کہ اس سے متعلق معصومؑ کی ایک حدیث بھی ہے:

> احکامِ دین میں سب سے پہلے امامت معطل ہوگی اور سب سے آخر میں نماز۔

زمامِ اقتدار کو درست و حقیقی ہاتھوں میں دینے اور ان رہنماؤں کی پشت پناہی کے سلسلے میں شہید صدر عوام کو ذمہ دار قرار دیتے ہیں اور اس سلسلہ میں آپ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ اگر عوام دین کی سمجھ اور اپنے دینی فرائض اور معاشرے میں اپنی ذمہ داری سے کما حقہٗ آگاہ ہوں تو اسلامی معاشرہ فساد و گمراہی کی راہ پر نہیں لگ سکتا۔ اور اگر عوام دین کے حقیقی فلسفے سے آگاہ ہوں اور ایک اسلامی قائد کو پہچان کر ہر موقع پر اس کا ساتھ دیں اور اس کے احکامات کی بلا چون وچرا تعمیل کریں تو کوئی وجہ نہیں کہ

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

اسلامی معاشرہ زوال و پستی اور کج روی سے دوچار ہو۔

تیسرا نکتہ جو پیش نظر ہے اور جس کا سمجھنا موجودہ دور میں نہایت ضروری ہے وہ یہ کہ شہید صدر امامت کی اہم ترین اور اولین ذمہ داری شریعت اسلامی کو انحراف سے بچا کر رکھنا قرار دیتے ہیں۔ اور اس سلسلے میں شہید، شریعت میں انحراف سے تحفظ اور امت مسلمہ کو لاحق بیرونی خطرات سے مقابلہ کے لیے حضرت علیؑ کے سلوک و روش کو دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ کہ کس طرح آپؑ نے مشکل وقت میں جبکہ اسلام اور امتِ مسلمہ کو خطرات درپیش تھے اپنی حق تلفی کو نظرانداز کرتے ہوئے خلفاء ثلاثہ کے ساتھ تعاون و کشادہ دلی کا مظاہرہ کیا اور اپنے حق کی پامالی کے انتہائی تکلیف دہ مسئلے کو پس پشت ڈال کر فکری، سیاسی اور عسکری میدانوں کی مشکلات سے ان کو نکالا۔

اہل بیتؑ کی اس روش اور طرز فکر کو ملحوظ رکھتے ہوئے شہید صدر، امت مسلمہ کو دعوتِ وحدت دیتے ہیں

اور اس روشنی میں اتحاد بین المسلمین کے قائل ہیں۔ کہ اپنے مکتب فکر اور اصولی موقف پر قائم رہتے ہوئے مثبت انداز میں اس کی تبلیغ جاری رکھی جائے اور اسی کے ساتھ ساتھ ملتِ مسلمہ کے مشترکہ مفادات کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کا تحفظ کیا جائے اور ملت پر جارحیت کی مرتکب ہونے والی قوتوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا جائے۔

شہید کسی ایسے اتحاد کے قائل نہیں کہ جس میں اپنے اصولی موقف سے دستبردار ہونا شرط ہو اور متضاد اور مختلف موقفوں اور طرز فکر کو مخلوط کر دیا جائے۔ اور نہ ہی ایسے اتحاد کے قائل ہیں کہ جس کا تصور سیکولرازم میں ہے کہ اپنے مکتب فکر کو پس پشت ڈال کر وقتی طور پر یکجہتی کا اظہار کیا جائے۔

آپ کے اس موقف کی ترجمانی وہ آخری پیغامات کرتے ہیں جو آپ نے عراق کے مسلم عوام کے نام بعثی حکومت کی مخالفت میں جاری کیے۔ اور جن میں شیعہ اور سنی

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

ہر دو اسلامی فرقوں سے تعلق رکھنے والے افراد کو مخاطب کیا گیا ہے اور انھیں متحد ہو کر اسلام دشمن طاقتوں کے مقابلے پر آمادہ کیا ہے۔

شہید صدر فرماتے ہیں:

"اے ابوبکر و عمر کے فرزندو! اے علی و حسین کے فرزندو!
میں چاہتا ہوں کہ تم پہ واضح کر دوں کہ یہ شیعہ اور سنی کی لڑائی نہیں ہے۔ سنی حکومت وہ ہوتی ہے جو خلفاء راشدین کی حکومت کے نقش قدم پہ چلے اور جو اسلام اور عدل کی بنیادوں پر قائم ہو۔ اہل ردّہ کی جنگوں میں خلیفۂ اوّل کے جھنڈے (اسلام کے جھنڈے) تلے ہم سب مل کر اس کے تحفظ کے لیے لڑ رہے تھے۔

سنی حکومت وہ ہے جو اسلام کے پرچم کو بلند کرے، اس کی بقا کے لیے جہاد کرنے کے لیے نصف صدی پہلے علماء شیعہ نے فتویٰ دیا تھا۔ ہزاروں شیعہ اس فتوے پر اٹھ کھڑے ہوئے۔ اسلام کی خاطر اپنا خون بہایا اور اس سنّی حکومت (دولتِ عثمانیہ) کی خاطر خون بہایا جو اس وقت تھی اور جس نے اسلام کا پرچم بلند کیا ہوا تھا۔ مگر آج کی حکومت سنّی حکومت نہیں۔ اگرچہ یہ گروہ جو مسلّط ہے "تاریخی اعتبار سے" اہل سنت سے منسوب ہے۔ مگر واضح رہے کہ حکومت سنّی سے مراد کسی ایک فرد جو سنّی باپ سے پیدا ہوا ہے اس کی حکومت نہیں۔ بلکہ سنّی حکومت سے مراد ایسی حکومت ہے جو ابوبکر و عمر کے احکام کو چلائے ——— مگر آج کے ان

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

سرکش حکمرانوں نے ان کے احکام کو قدموں تلے روند کر
مسلمانوں کو چیلنج کیا ہے۔"

امید ہے قارئین کرام کتاب کے مطالعہ سے قبل مندرجہ بالا فکر کو پیش نظر رکھیں گے تاکہ کتاب میں بیان کیے گئے مضمون سے بہتر استفادہ کر سکیں اور کسی قسم کی ذہنی الجھن سے دوچار نہ ہوں۔

نہایت ناانصافی اور احسان فراموشی ہوگی اگر یہاں حجۃ الاسلام مولانا سید رضی جعفر نقوی کا شکریہ نہ ادا کیا جائے کہ جنھوں نے اپنا قیمتی وقت صرف کر کے اس کتاب کو عربی سے اردو کے قالب میں ڈھالا۔ اس سلسلہ میں موسسۂ اہلبیت مولانا کا نہایت شکرگزار ہے اور آپ کی توفیقات میں اضافے کے لیے دعاگو ہے۔

(ناشر)

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

شبِ ضربت
امیر المومنین علیہ السلام

(۱۹ ماہِ رمضان المبارک)

اُس شب کی یاد.......

جو حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد سب سے زیادہ اندوہناک رات تھی۔

کیونکہ جس دن حضرت رسولِ خدا نے رحلت فرمائی (وہ کائناتِ انسانی کا سب سے اندوہناک دن تھا جب وجہ تخلیقِ کائنات دنیا سے رخصت ہوگیا) اسلام کی کشتی لرز رہی تھی اور پھر آپ کے رحلت فرماتے ہی سازشوں کا حملہ ہوگیا۔

لیکن جس دن حضرت امیر المومنین علیہ السلام شہید ہوگئے اس دن وہ آخری امید بھی ختم ہوگئی کہ اب اسلام اپنی اصلی حیثیت پر پھر کبھی واپس آسکے گا۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

حضرت علی علیہ السلام جیسے عظیم المرتبت انسان کی زندگی میں جنہوں نے اسلامی تحریک کے حرفِ آغاز سے مسلسل زحمتیں برداشت کی تھیں اس کی سختیوں کو جھیلا تھا۔ اس عمارت کی ایک ایک اینٹ رکھنے میں شریک تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب اس عمارت کو بلند کر رہے تھے تو آپ ہی اس کے لیے ایک ایک پتھر اٹھا کر دے رہے تھے۔

اسلامی تحریک کا ہر مرحلہ آپ کی شخصیت میں اس طرح سمویا ہوا تھا کہ اس کے تمام مصائب و آلام اور رنج و محن کے نہ صرف آپ شاہد تھے بلکہ حصہ دار و آئینہ دار بھی تھے۔

لہٰذا باشعور مسلمانوں کو آپ کی زندگی میں بجا طور سے یہ امید تھی کہ اسلامی تحریک جو اپنے صحیح رخ سے ہٹ چکی ہے آپ ہی اسے صحیح سمت پر چلا سکیں گے اور اس کی کجی کو دور کر سکیں گے۔

کیونکہ تحریکِ اسلامی میں انحراف اتنا وسیع اور پیچ در پیچ ہو چکا تھا کہ سوائے آپ کی منفرد اور عظیم المرتبت شخصیت کے کسی اور کے بس کی بات نہیں تھی کہ وہ اس انحراف کو دور کر سکے۔

اس لیے جب آج ہی جیسی شب میں (شب ۱۹ ماہِ رمضان کو) آپ کے سرِ اقدس پر ضربت لگی اور آپ زخمی ہو کر محرابِ عبادت میں گرے تو آپ کے گرنے سے اس امید کی آخری کرن بھی ختم ہو گئی کہ روئے زمین پر کبھی صحیح اسلامی معاشرہ قائم ہو سکے گا۔!

آپ کے سرِ اقدس پہ یہ ہولناک ضربت اس وقت لگی جب ابھی آپ کو اسلامی ریاست کی زمامِ اقتدار کو سنبھالے ہوئے صرف ۴ - ۵ برس کی مختصر مدت گزری تھی ______ اور آپ نے جس وقت زمامِ اقتدار اپنے

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

ہاتھ میں لی تھی اسی وقت سے اس بات کے لیے کوشاں تھے کہ اسلامی تحریک کی کجی کو دُور کریں اور اس میں حقیقی تبدیلی لائیں جو اسے اس رُخ پر چلائے جو پیغمبرؐ کے پیشِ نظر تھا۔ چنانچہ آپ شب و روز اس کی اصلاح کے لیے کوشاں رہے اور جس وقت آپ کی یہ جد و جہد نقطۂ ارتقا پر تھی، یا یوں کہا جائے کہ جس وقت آپ اس کی کجی کو دُور کرنے کی آخری کوششوں میں مصروف تھے، اور اسلامی معاشرے میں پیدا ہو جانے والے بڑے ناسور کا آپریشن کرنے والے تھے عین اسی وقت آپ کو محرابِ عبادت میں شہید کر دیا گیا۔

❁ ❁

وہ ۴ - ۵ برس کی مدّت، جس میں اسلامی ریاست کی زمامِ اقتدار آپ کے ہاتھ میں تھی، اس میں جو بات سب سے زیادہ عیاں تھی وہ یہ کہ آپ نے پہلے دن سے لے کر اپنی شہادت کے وقت تک، کسی بھی وقت، کسی بھی مرحلہ پر، اور کسی بھی انداز میں اس انحراف کے سلسلے میں باطل سے کوئی مصالحت پسند نہ کی اور "معاملت و مجاملت" کے کسی بھی ایسے انداز کو پسند نہیں کیا جو اس امت کی کرامت و شرافت کے خلاف ہو، اور کل کوئی یہ کہہ سکے کہ قوم کو معمولی قیمت پر فروخت کر دیا گیا۔

"عدمِ مصالحت" کی مذکورہ پالیسی پر ہمیں دو پہلوؤں سے توجہ کرنے کی ضرورت ہے:

① ——— سیاسی اور دنیاوی پہلو

اور

② ——— فقہی اور شرعی پہلو۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

جہاں تک سیاسی پہلو کا تعلق ہے تو کچھ لوگ جو حضرت علی علیہ السلام کے زمانہ میں تھے یا جن لوگوں نے بعد میں اس کا تجزیہ کیا اور امیر المومنینؑ کی حیاتِ طیبہ کے پہلوؤں کو سمجھنا چاہا۔ ان میں سے بعض نے اسے اس لحاظ سے سوچنا شروع کیا:
امیر المومنین علیہ السلام کی اس عدم مصالحت کی پالیسی نے ان کے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کر دیں، ان کے مصائب میں اضافہ کیا، مشکلات کی راہ کھول دی اور بالآخر انھیں اس آخری نتیجے تک نہیں پہنچنے دیا جو صحیح اسلامی معاشرے کی تشکیل کے سلسلے میں ان کے پیش نظر تھا۔
چنانچہ مغیرہ بن شعبہ جس نے شروع میں آکر حضرت علی علیہ السلام کو مشورہ دیا تھا کہ:
"آپ معاویہ کو کچھ دنوں تک شام کا گورنر باقی رہنے دیں۔"
اس کی دلیل یہ تھی کہ:
"اگر آپ اسے کچھ دنوں تک گورنر رہنے دیں گے تو ہو سکتا ہے کہ وہ آپ کی اطاعت قبول کر لے اور بعد میں جب آپ کے قدم جم جائیں اور پورے اسلامی ممالک میں آپ کی حکومت مستحکم ہو جائے، آپ اسے ہٹا کر کسی اور شخص کو اس صوبہ کا گورنر بنا سکیں گے۔ لہٰذا اس جیسے گورنروں کو آپ فی الحال خرید لیجیے اور اگرچہ یہ اسلامی خزانے کے چور ہیں لیکن کچھ دنوں تک چوری کا مال ان ہی کی جیب میں پڑا رہنے دیجیے۔ بعد میں کسی مناسب وقت پر ان تمام بدکار گورنروں کو ہٹا دیجیے گا اور جتنا

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

مال انھوں نے چوری کیا ہو سب ان سے واپس لے لیجیے گا"
لیکن امام علیہ السلام نے اس کی منطق تسلیم کرنے سے صاف انکار کر دیا اور اس قسم کی کسی مصالحت یا معاملت کو قبول کرنا آپ نے اپنی روش کے بالکل خلاف سمجھا۔ جس کی وجہ سے آپ کے بعض معاصرین اور بعد میں آنے والے بعض ایسے تجزیہ نگاروں نے جو معاملات کو صرف ڈپلومیسی کی نگاہ سے دیکھنا جانتے ہیں یہاں تک کہا کہ:

"اگر حضرت علی علیہ السلام باطل سے یک گونہ مصالحت کی راہ اپنا لیتے اور ڈپلومیسی سے کام لیتے تو سیاسی میدان میں ان کو سب سے زیادہ کامیابی نصیب ہو سکتی تھی، اور وہ اپنے زمانہ کے سب سے زیادہ عظیم الشان اور صاحب جبروت حکمران ثابت ہو سکتے تھے"

❋

اسی طرح ایک فقہی نکتہ بھی سامنے لایا گیا جو فقہی کتابوں کے باب تزاحم سے ماخوذ ہے۔ اور وہ یہ کہ اگر کوئی اہم فریضہ کسی حرام کام پر موقوف ہو جائے۔ اور وہ فریضہ ذاتی طور پر اتنا اہم ہو جس کے مقابلے میں اس حرام کی حیثیت کم ہو تو اس حرام کام کا ارتکاب کرنے میں کوئی حرج نہیں تاکہ وہ اہم فریضہ پامال نہ ہونے پائے۔

مثلاً

اگر کوئی شخص ڈوب رہا ہو اور اس کی جان بچانے کے لیے ہمیں، غصبی زمین سے گزرنا پڑے جس کا مالک ہمارے گزرنے پر راضی نہ ہو تو چونکہ اس شخص کی جان بچانا زیادہ ضروری ہے۔ اس لیے مالک زمین کی

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

ناراضگی کے باوجود اس کی زمین پر سے گزرجانا چاہیے اور اس کی ناراضگی کا خیال نہیں کرنا چاہیے۔

جیسا کہ اس کی ایک مثال حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زندگی میں بھی نظر آتی ہے کہ:

اسلامی لشکر مجبور تھا کہ مدینے سے ایک خاص راستے سے نکلے۔ اتفاقاً اس راستہ میں ایک صحابی کی کھیتی تھی۔ اور یہ بات بھی واضح تھی کہ جب پورا لشکر گزرے گا تو بہت ساری کھیتی برباد ہوجائے گی اور اس کے مالک کو یقینی طور پر نقصان پہنچے گا۔ وہ صحابی جس کی کھیتی تھی اس نقصان کو برداشت کرنے پر آمادہ نہیں تھا۔ اس لیے اس نے فریاد کی اور حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر شکایت کرنے لگا کہ میری کھیتی خراب ہو رہی ہے، میرا مال برباد ہو رہا ہے۔ (آپ لشکر کو منع کریں تاکہ اس راستہ سے نہ گزرے) لیکن آنحضرتؐ نے اس شخص کی فریاد پر کوئی توجہ نہیں دی اور لشکر کو روانگی کا حکم دیا جس کے نتیجہ میں لشکر اسی راستے سے گزرا اور اس شخص کی کھیتی کو نقصان بھی پہنچا جس کا اندیشہ پہلے سے تھا۔

لیکن چونکہ ایک اہم مقصد پیش نظر تھا اس لیے اس مختصر نقصان پر توجہ نہیں دی گئی۔ کیونکہ لشکر پوری انسانی آبادی کی اصلاح کے لیے جارہا تھا۔ اب اگر اس راہ میں کسی کی کھیتی کو نقصان پہنچے یا کسی

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

شخص کی چھوٹی سی ملکیت اصلاح خلق کی راہ میں ضائع ہو جائے تو کوئی حرج نہیں ہے اور فقہی اعتبار سے اسے جائز قرار دیا جائے گا کیونکہ فقہ کے قوانین میں یہ بات تسلیم کی جاتی ہے کہ اگر کسی واجب کی ادائیگی کسی حرام کے ارتکاب پر موقوف ہو اور وہ واجب فریضہ اس حرام کے مقابلے میں بہت اہم ہو۔ تو اس کی خاطر اس حرام کا ارتکاب کرنے میں کوئی حرج نہیں جس کے اثرات مختصر ہوں۔

تو اب یہی بات حضرت امیرالمومنینؑ کے اقدام کے سلسلہ میں سوال بن کر سامنے آتی ہے کہ:

انھوں نے بہت سی ایسی باتوں کو کیوں برداشت نہیں کر لیا جو ذاتی طور پر تو غلط تھیں لیکن ایک بڑے مقصد کی تمہید بن سکتی تھیں —— پوری قوم نے متفقہ طور سے انھیں حاکم مانا تھا۔ انھوں نے اسلامی ریاست کی زمام اقتدار سنبھالی تھی جس سے بہت سے اہم اسلامی امور وابستہ تھے۔ یہی اقتدار عامۃ المسلمین کے لیے فلاح وبہبود کا راستہ کھول سکتا تھا اور اللہ کی حکومت اس کی سرزمین پر قائم ہو سکتی تھی۔

تو اتنے عظیم مقصد کے حصول کے لیے انھوں نے معاویہ بن ابی سفیان کی ناجائز حکومت کو باقی رکھا ہوتا اور وہ حرام مال جو سابقہ حکومت کے دور میں بنی امیہ کے قبضے میں چلا گیا تھا اسے انہی لوگوں کے پاس باقی رہنے دیتے (اور ان لوگوں کی ناانصافیوں پر سکوت اختیار کرتے) تو آپ کی خاموشی کیوں غلط ہوتی اور ان عمال کو کچھ دنوں کے لیے برداشت کرنا آپ کے لیے کیوں ناجائز ہوتا؟

(یہ وہ کمزور سی دلیل ہے جسے بعض بزعم خویش ماہرین سیاست،

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

فقہی انداز میں پیش کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں) لیکن حقیقت یہ ہے کہ امیرالمومنین علیہ السلام نے باطل سے مصالحت نہ کرنے کی جس پالیسی کو اختیار کیا، وہ اُن کے لیے نہایت ضروری تھی اور اسلام و شریعت کے پاسبان ہونے کی حیثیت سے وہ اس قسم کی کسی ڈپلومیسی کو قبول ہی نہیں کر سکتے تھے اور فقہ کے جس قانون کا سہارا لینے کی ناکام کوشش کی گئی ہے وہ ان حالات پر قطعی منطبق ہی نہیں ہوتے جن پر انھیں منطبق کرنے کے لیے تاویلوں کا سہارا لیا جا رہا ہے۔ اس لیے اسے سہارا بنانا ہی غلط ہے۔!!

رہا یہ سوال کہ وہ فقہی قانون آپ کے زمانہ کے حالات پر کیوں منطبق نہیں؟ تو اس کے لیے مندرجہ ذیل باتوں کو پیش نظر رکھنا نہایت ضروری ہے:۔

(۱)

سب سے پہلے یہ بات پیش نظر رکھنی چاہیے کہ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام عالم اسلام کے ایک نئے علاقہ (عراق کی سرزمین) پر اسلامی سلطنت کی نئے سرے سے بنیاد رکھ رہے تھے اور عراق وہ سرزمین ہے جہاں کے لوگ ایمانی جذبات و احساسات کے اعتبار سے تو یقیناً آپ کے ساتھ تھے لیکن ابھی ان کا شعور پختگی کی منزل پر نہیں تھا اور نہ وہ لوگ صحیح طور سے آپؑ کے موقف سے باخبر تھے۔

اس لیے یہ بات نہایت ضروری تھی کہ امام علیہ السلام اس نئی تربیت پانے والی قوم اور راسخ العقیدہ لشکر کی اس طرح تربیت کریں کہ یہ آپ کے پیغام کے محافظ بھی بنیں، مقاصد کے ہمنوا بھی ہوں، معاون و مددگار بھی اور اس پیغام کو تمام بلاد اسلامی میں پھیلانے کے لیے یہ لوگ ہراول دستہ

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

کا کام کریں۔

اور ظاہر ہے کہ اگر امام علیہ السلام شروع ہی سے "باطل کے ساتھ مصالحت" کی پالیسی کو اپنا لیتے تو اس قوم کی صحیح تربیت کیونکر ممکن تھی حتیٰ کہ اگر وہ پالیسی ذاتی طور پر جائز بھی ہوتی تو یہاں اسے اپنانا مناسب نہ ہوتا۔ کیونکہ جہاں اس قسم کی پالیسی مزاج بن جائے وہاں ابوذر و عمار یاسر جیسی شخصیت پروان نہیں چڑھ سکتی۔ اور نہ یہ جذبہ بیدار ہو سکتا ہے کہ ہماری جدوجہد کسی خاص شخصیت کے لیے نہیں ہے بلکہ دین و شریعت کے لیے ہے ـــــ کیونکہ یہ جذبہ مذکورہ بالا پالیسی کے ماحول میں بیدار نہیں ہو سکتا اور نہ جناب امیرؑ اپنے چاہنے والوں، نام لینے والوں اور عقیدت مندوں کو اس پالیسی کا خوگر بنا سکتے ہیں!

اگر وہ پالیسی فقہی اعتبار سے جائز ہوتی تو بھی اس جگہ اسے اپنانے کا ہرگز محل نہیں تھا۔ کیونکہ اسے اپنانا، حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کے مقصد کے بالکل برعکس ثابت ہوتا۔

کیونکہ آپ کے پیش نظر اہم ترین مقصد، اسلامی ریاست کو ایسے اعلیٰ و ارفع اصول و قوانین پر استوار کرنا تھا جہاں شریعت کا پیغام ہی دور رس اہمیت کا حامل ہو۔ اور ظاہر ہے کہ آپ نے جس وقت زمام اقتدار سنبھالی ہے اس وقت کی صورت حال اس کے بالکل برخلاف تھی۔ اس لیے درحقیقت آپ ہی کو صحیح نظام کی ازسرنو بنیاد رکھنی تھی۔ جبکہ مذکورہ بالا پالیسی کو جو لوگ صحیح سمجھتے ہیں وہ بھی اسے ایک وقتی اور عارضی حیثیت سے بوقت ضرورت اپناتے ہیں ـــــ!

لیکن چونکہ حضرت علی علیہ السلام ایک فکر و نظر کی بنیاد رکھ رہے تھے۔ اس لیے آپ کا فرض تھا کہ اس کے لیے نیک سے نیک اور پاکیزہ سے پاکیزہ

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

اشخاص کو اپنائیں اور مالک اشتر جیسے کامل الایمان مخلص حضرات کو تقویت دیں اور ظاہر ہے کہ ایسے افراد مذکورہ بالا پالیسی کے ماحول میں روحانی، فکری ایمانی، عقائدی اور حقیقی تربیت نہیں حاصل کر سکتے۔ کیونکہ وہ پالیسی تو اس کے برخلاف تربیت کرے گی اور قوت ایمان کے بجائے قوتِ نفاق جلا پائے گی اور اگر امامؑ کے ان مخلص وفاداروں کی صحیح تربیت نہ ہو سکی تو درحقیقت امام اس طاقت سے محروم ہو جائیں گے جو ایک بہتر نظام کی تشکیل میں سہارا بن سکتی ہے۔

کیونکہ ہر فکری نظام کی استواری کے لیے ایک ایسے تربیت یافتہ ہراول دستہ کا وجود ناگزیر ہے جس کی نشو ونما اس انداز سے ہوئی ہو کہ اس فکری نظام کی بنیادیں اس دستہ کے ہر فرد کے دل میں بالکل راسخ ہوں۔ تاکہ وہ اس کے مقاصد اہداف، اہمیت اور تاریخی ضرورت کو صحیح طور سے محسوس کر سکے۔

لہٰذا ایک فکری گروہ پیدا کرنے اور جناب مالک اشتر جیسے ہزاروں مخلص اور کامل الایمان افراد کی تربیت کے لیے یہ بات ناگزیر تھی کہ ان کا قائد ایک ایسا شخص ہو جو کسی دباؤ کے آگے جھکنے والا نہ ہو اور کسی بھی اعلیٰ یا ادنیٰ مفاد کے لیے باطل سے مصالحت کرنے پر کسی بھی صورت میں آمادہ نہ ہو۔ تاکہ یہ لوگ اس عظیم الشان قائد کو صحیح اسلامی شعور اور الٰہی فکر کی مثال اور نمونہ پاکر آگے بڑھنے کی ہمت پیدا کریں۔

اس لیے ایک مربی اور نمونۂ کامل کے لحاظ سے بھی حضرت علی علیہ السلام کا فرض یہ تھا کہ وہ مذکورہ بالا پالیسی سے ہٹ کر چلیں تاکہ ایمانی، فکری اور روحانی طور سے وہ ماحول پیدا ہو سکے جو ایک فکری نظام کی بنیادوں کے لیے بھی ضروری ہے اور اس کی گہرائی و گیرائی کے لیے بھی۔ تاکہ ایک ایسی نسل جو آگے چل کر اس کے

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

مقاصد کو اپنانے والی ہے اور آپ کی زندگی میں یا آپ کے دنیا سے رخصت ہونے کے بعد اس پیغام کے لیے قربانی دینے والی ہے اس کے سامنے عظمتِ کردار کا نمونۂ کامل موجود ہو۔

۲

اسی کے ساتھ یہ بات بھی پیشِ نظر رہنی چاہیے کہ حضرت علی علیہ السلام نے پُرامن ماحول میں حکومت نہیں سنبھالی تھی بلکہ درحقیقت ایک ایسے وقت میں زمام اقتدار سنبھالی تھی جب پوری قوم اس ہیجانی کیفیت سے گزر رہی تھی جو کسی انقلاب کے وقت ہوتی ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلامی احساسات ایک نقطہ پر مرتکز ہو کر دباؤ ڈالنے میں کامیاب ہوئے تھے۔ ارتکاز کے بعد انفجار ناگزیر تھا اور روحانی قائد کا یہ فرض ہوتا ہے کہ ایسی حالت میں قوم کو صالح طریقہ سے فطری حالت پر واپس لانے میں کامیابی حاصل کرے اور اس کے جوش و خروش کو صحیح طریقہ سے کام میں لائے — ظاہر ہے کہ اس وقت پوری قوم جس کیفیت سے دوچار تھی وہ عام معمول کے مطابق پُرسکون صورت حال نہ تھی بلکہ ایسی پُرشور انقلابی کیفیت تھی جس میں حاکم وقت قتل کیا جا چکا تھا۔ (اور قتل کرنے والوں نے یہ کہہ کر قتل کیا تھا کہ):

"یہ حاکم قرآن و سنت کے راستہ سے منحرف ہو چکا ہے۔"

ایسی حالت میں قوم کی قیادت کوئی آسان کام نہیں ہے اور نئے حاکم کا یہ فرض ہوتا ہے کہ وہ حالات کی گہرائی پر نظر رکھے۔ ماحول کو وسیع نگاہ سے دیکھے اور انقلابی اقدامات کو صحیح رُخ پر ڈال کر قوم کے جوش و خروش کے مثبت نتائج

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

حاصل کرنے کی کوشش کرے۔

ایسی صورت میں اگر امیر المومنینؑ باطل سے مصالحت کی ڈپلومیسی کو اپناتے پرانے حکامِ جور کو برداشت کرتے یا معاویہ اور ان جیسے گورنروں کو باقی رہنے دیتے تو قومی سطح پر اس کے ایسے منفی اثرات مرتب ہوتے کہ بعد میں کسی بھی صالح تبدیلی کی گنجائش باقی نہ رہتی اور امامؑ کے لیے ایسا کوئی اقدام کرنا ممکن نہ رہتا۔

۳

اس بات کو بھی ہرگز نظرانداز نہیں کرنا چاہئیے کہ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام پوری شدّت سے یہ بات چاہتے تھے کہ معاویہ سے ان کی مخالفت کو دو اشخاص، دو خاندانوں، دو قبیلوں یا دو حکام کی باہمی رنجش نہ سمجھا جائے بلکہ اسے حق و باطل کی معرکہ آرائی کے نقطۂ نظر سے دیکھا جائے۔

آپؑ یہ بات اچھی طرح لوگوں کے ذہن نشین کرانا چاہتے تھے کہ بدر و احد کے واقعات میں پیغمبر اسلامؐ اور کفر و جاہلیت کے درمیان جو معرکہ آرائی تھی وہ بعینہٖ آج بھی قائم ہے ــــــ اب اگر ایسی صورت میں آپؑ اُن گورنروں کو ان کے منصب پر تھوڑے دنوں کے لیے بھی باقی رہنے دیتے جن کا طرزِ عمل اسلامی تعلیمات کے یکسر خلاف تھا تو عامۃ المسلمین کے اذہان میں یہ شبہ راسخ ہو جاتا کہ اختلافات کی نوعیت دینی و مذہبی نہیں بلکہ دنیاوی اور سیاسی ہے۔ اور پھر کوئی مجوز بھی نہ نظر آتا سوائے ذاتیات کے .... یہ شک مزید تقویت پاتا اور ذہنوں میں اس طرح بیٹھتا کہ جدا نہ ہوتا۔

اگرچہ بعض کج فہم لوگ آپ کے تمام احتیاطی اقدامات کے باوجود شک و شبہ میں مبتلا رہے اور آپ کے شہید ہونے تک وہ اپنے شک و شبہ کے جال سے باہر

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

نہ نکل سکے۔ اور اسی شک و شبہ کی حالت میں جکڑے ہوئے وہ لوگ حضرت امام حسنؑ کے حلقہ بگوش ہوئے۔ حالانکہ ان کے شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ لیکن اگر آپؑ اس ڈپلومیسی کو اپناتے تو باقی لوگ بھی اس شک و شبہ سے خالی نہ رہتے اور ان کے لیے ہر قسم کے شک و شبہ کی واضح گنجائش پیدا ہو جاتی۔

وہ مسلمان اور وہ مخلص لوگ جو امیر المومنینؑ کو ایک مثالی شخصیت اور اسلام کی مجسم تصویر سمجھتے تھے اگر وہ یہ دیکھتے کہ آپ باطل کے ساتھ، وقتی طور پر ہی سہی نرم روش اختیار کر رہے ہیں تو ان کے دل کی کیا کیفیت ہوتی؟

یہ درحقیقت پوری قوم کا سودا قرار پاتا اور لوگ یہ سوچ کر خاموش یا مطمئن نہیں ہو سکتے تھے کہ یہ وقتی سودا ہے، کیونکہ سودا سودا ہوتا ہے اور جناب امیرؑ اپنی قوم کے ساتھ یہ سلوک کبھی بھی نہیں کر سکتے تھے۔

یہ وہی قوم تھی جس کے ایک غیرت مند شخص نے دوسرے خلیفہ جیسے درشت مزاج آدمی سے یہ کہہ دیا تھا کہ:

"اگر تم نے شریعت سے مسلسل انحراف کی پالیسی اپنائے رکھی تو ہم اپنی تلوار سے تمھیں سیدھا کر دیں گے۔"

اور یہ بات پوری شجاعت کے ساتھ کہی تھی۔

اگرچہ یہ قوم بعد کے حالات کی بنا پر اپنی اس شجاعت کی منزل پر تو باقی نہیں تھی تاہم حضرت امیر المومنینؑ اپنا یہ فرض سمجھتے تھے کہ ان کے احساسات کی پاسداری کریں۔ ان کے احساسات کو زخم نہ لگنے دیں اور معاویہ جیسے لوگوں کو قبول کر کے لوگوں کے دینی جذبات کو مجروح نہ کریں۔ کیوں کہ یہی وہ شخص ہے جس نے اسلام میں کسریٰ اور قیصر کے شاہانہ تزک و احتشام کو اپنایا۔ جو درحقیقت اسلام کی روح

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

مزاج کے خلاف ہے۔ جو شخص پیغامِ الٰہی کا امانت دار ہو وہ شہنشاہیت اور بادشاہت کا مزاج کیسے اپنا سکتا ہے۔

کسرویت اور قیصریت کا مزاج اسلام کے خلاف درحقیقت ایک سازش تھی جو بدقسمتی سے کامیاب ہوئی جس کے اندوہناک نتائج سے اُس وقت کے تمام مسلمانوں کو دوچار ہونا پڑا اور آج بھی اس کے بُرے اثرات محسوس کیے جاتے ہیں کہ پوری قوم اپنی اصل حیثیت سے نیچے گر گئی، درحقیقت اس قوم کو دھوکا دیا گیا۔ اس پر جبر کا نظام مسلط کیا گیا اور اسے پابند سلاسل کر کے کمزوریوں اور برائیوں کا خوگر بنایا گیا۔

❋

امیرالمومنین کا ہاتھ قوم کی نبض پر تھا اور وہ قوم کی اس انداز سے تربیت کرنا چاہتے تھے کہ ہر شخص کے دل میں یہ بات راسخ ہو جائے کہ قوم قابل خرید و فروخت چیز نہیں ہے اور نہ کسی کو اس کی قسمت کا سودا کرنا چاہیے۔

اور آپؑ اگر خود ہی باطل سے معاملت کی پالیسی اپنا کر ابوسفیان کے بیٹے کی گورنری قبول کر لیتے تو قوم کے اندر اس شعور کو کیونکر ایجاد کرنے میں کامیاب ہوتے کہ ہمیں باطل کے آگے نہیں جھکنا چاہیے اور بادشاہوں اور حاکموں کی رضا کے بجائے پروردگار عالم کی خوشنودی کے لیے کام کرنا چاہیے جو خلافت الٰہیہ کا اصل مقصد ہے۔

معاویہ کو اپنی طرف سے گورنر مقرر کرنے کا واضح مطلب یہ ہوتا کہ وہ سازش جو اسلامی ریاست کو اس کے اصل مزاج سے محروم کرنا چاہتی تھی آپؑ اس کے ہمنوا بن جاتے ـــــــ؟ اور امیرالمومنینؑ خود اپنے اصول کو توڑ دیتے ـــــــ؟ پھر وہ اس سازش کے خلاف کوئی واضح اقدام کیسے

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

کر سکتے ــــــ!

۴

حضرت امیر المومنینؑ کے اقدامات محض اس مختصر مدت کے لیے نہیں تھے جس میں آپؑ سریر حکومت پر متمکن تھے بلکہ وہ بلند تر مقاصد کے لیے قدم اٹھاتے تھے۔ وہ یہ محسوس کر رہے تھے کہ جس بیماری کے علاج کے لیے وہ اٹھے ہیں اس کا مرض آخری منزل پر ہے اور اس وقت صرف معمولی علاج کارگر نہیں ہو سکتا بلکہ کچھ دور رس اقدامات کی ضرورت ہے۔

آپؑ صرف اسی دور کے بارے میں نہیں سوچتے تھے جس میں زندگی گزار رہے تھے بلکہ اس کے آگے تک نظر رکھتے تھے اور اس ضرورت کو شدت سے محسوس کر رہے تھے کہ اسلام کو موجودہ انحرافات سے محفوظ رکھنے کے لیے ایک ایسا نمونہ پیش کرنا نہایت ضروری ہے جو ہر لحاظ سے پاک صاف ہو، ہر شک شبہ سے بالاتر ہو، اس میں کوئی پیچیدگی اور الجھن درکار نہ ہو اور نہ باطل کے ساتھ معاملت، دورخی یا ڈپلومیسی کی کوئی جھلک نظر آئے۔

کیونکہ جس دن سے سقیفہ کی کارروائی مکمل ہوئی تھی اسلامی دستور و قانون پر انحرافات کے تیشے لگ رہے تھے جس کے نتیجے میں اس دین کا چہرہ بہت تبدیل ہو چکا تھا اور اب اس کی ایسی حالت ہو گئی تھی کہ یہ لوگوں کی روحانیت کی پاسبانی نہیں کر سکتا تھا چہ جائیکہ یہ پیغام الٰہی کی حفاظت کی ذمہ داری نبھائے اور آسمان و زمین کے افضل ترین نظام کی حیثیت سے اپنی عظمت منوائے کیونکہ وہ اسلام جس کی حکمرانی ہارون رشید، معاویہ ابن ابی سفیان یا عبدالملک بن مروان جیسے لوگوں کے ہاتھ میں ہو وہ روحانی تقدس کو کیسے بچا سکتا ہے۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

اسلام اور مسلمانوں کے درمیان روحانی تقدس کے جس رشتے کی ضرورت تھی اس کے لیے ایک واضح نمونۂ عمل پیش کرنا لازمی تھا جس کا نقطۂ آغاز حضرت امیرالمومنینؑ کی ذات ہے اور جسے بعد میں اہل بیت طاہرینؑ نے ذہنوں میں راسخ کیا۔

حضرت علی علیہ السلام جو اسلام کی اساسی تعلیمات کے تحفظ کی تاکید فرماتے تھے اور اسلامی احکام کی بنیادوں کو معاشرے میں بالکل صاف ستھرے انداز میں رکھنا چاہتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ اسلام کے مزاج کو اتنا واضح کر دیں کہ جس فکری انحراف سے یہ ایک طویل مدت تک دوچار رہا ہے اب اس کی گرد بھی نہ پڑنے پائے اور اس مقصد کا حصول اسی صورت میں ممکن تھا کہ آپ باطل سے مصالحت و معاملت کی کسی ڈپلومیسی کا شائبہ بھی نہ پیدا ہونے دیں۔

چنانچہ آپؑ نے ایسا ہی کیا، اپنے موقف پر سختی سے جمے رہے اور ان تمام سازشوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا جس کے تانے بانے بنتے ہیں قوم کے افراد بھی اپنی جہالت و نادانی کی بنا پر شریک کار تھے اور انھیں احساس ہی نہ تھا کہ امیرالمومنینؑ قوم کے تشخص، وجود اور عزت و وقار کی حفاظت کے لیے کتنی زحمتیں اٹھا رہے ہیں۔ یہاں تک کہ مسلسل زحمتیں اٹھاتے اٹھاتے آپ (۱۹ ماہ رمضان المبارک کی شب) اسی قوم کے ایک شقی و بدبخت انسان کے ہاتھوں محراب عبادت میں اس طرح زخمی ہوئے کہ جانبر نہ ہو سکے۔ لیکن اس وقت بھی آپؑ کی زبان پر یہ جملہ تھا کہ:

"فزت و رب الکعبۃ"

غور کیجیے، اپنی شہادت کے موقع پر جناب امیرؑ فرماتے ہیں:

"فزت و رب الکعبۃ"

"خدا کی قسم میں کامیاب ہو گیا۔"

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

یہ کون سی کامیابی تھی (جس کا آپؑ اعلان کر رہے تھے) تاکہ دنیا والے سمجھ سکیں کہ علیؑ کامیاب رہے یا ناکام ؟

ظاہر ہے کہ اگر دنیاداری ، دنیا پرستی ، جاہ وحشم اور دنیاوی ساز و سامان کے نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو آپ کو کامیاب کہنا ممکن نہ ہوگا کیونکہ جس دین کی آپؑ نے اپنے خون سے آبیاری کی تھی جب پیغمبر اکرمؐ کے بعد اس کی قیادت سنبھالنے کا وقت آیا تو آپ کو محروم کر دیا گیا اور ۲۵ سال کی محرومی کے بعد جب زمام اقتدار آپؑ کے ہاتھ میں دی گئی تو ہر طرف شورشوں کا ایسا جال بچھا دیا گیا کہ آپ کے لیے سکون کا کوئی لمحہ میسر نہ آنے پائے ۔

اس بات میں کون شک کر سکتا ہے کہ دین اسلام جس کا پرچم آج مشرق سے مغرب تک لہرا رہا ہے اسے پروان چڑھانے میں جناب امیرؑ کی فداکاریاں، قربانیاں اور ایثار و اخلاص ہی نہیں ، خونِ جگر شامل ہے۔ اس کی عمارت کو بلند کرنے میں آپ نے ہر قسم کی مصیبت جھیلی اور ان گنت رنج و غم برداشت کیے حتیٰ کہ تاریخ اسلام کا کوئی ایسا پہلو نہیں پیش کیا جا سکتا جس میں آپؑ کی عظیم الشان جاں نثاری شامل حال نہ ہو ۔ اور آپؑ ہی وہ واحد شخصیت ہیں جو پیغمبر اسلام کے اعلان رسالت سے لے کر انؐ کی رحلت تک اسلام کے تمام مصائب و آلام ، شدائد و مشکلات اور جانفشانیوں میں پیغمبر اکرمؐ کے دوش بدوش رہے ۔

لہٰذا آپؑ ہی وہ واحد شخصیت ہیں جن سے اسلام نے جو قربانی طلب کی انھوں نے پیش کی ۔ آپؑ ہی اسلامی تاریخ کی ہر جنگ اور پیغمبر اسلامؐ کے ہر غزوہ میں اپنی جان ہتھیلی پر لیے ہوئے پیش پیش نظر آئے (اس لیے اگر یہ کہا جائے تو ہرگز مبالغہ نہ ہوگا کہ) آج پورے عالم اسلام میں جتنی مسجدوں

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

کے مینار نظر آرہے ہیں اور جہاں جہاں تک بلاد اسلامی کی وسعت نظر آرہی ہے سب امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کی فداکاریوں کی مرہونِ منت ہے.......!

لیکن دنیاوی نقطہ نگاہ سے آپ نے ان تمام فداکاریوں کے عوض کیا حاصل کیا، اور دنیا نے آپؑ کے احسانات کا کیا بدلہ دیا۔ سوائے رنج وغم اور مصائب و آلام کے ——؟

حتیٰ کہ خدا و رسولؐ کے صریح اعلانات کے باوجود آپؑ کو آپؑ کا حق نہیں ملنے دیا گیا اور پیغمبر اکرمؐ کی رحلت کے بعد آپ کو سریر حکومت پر نہیں بیٹھنے دیا گیا جب کہ وہ آپ کا خالص حق تھا۔ آپؑ کو آپؑ کے تمام حقوق سے محروم کر دیا گیا اور آپؑ کے تمام امتیازات کو مٹانے کی کوشش کی گئی۔

چنانچہ امیر شام نے جناب محمد بن ابی بکر سے واضح الفاظ میں یہ بات کہی اور کھل کر اعتراف کیا ہے کہ:

"حضرت رسول اکرمؐ کی زندگی میں حضرت علیؑ ایک درخشندہ ستارے کی مانند تھے۔ لیکن وفات پیغمبرؐ کے بعد سب سے پہلے تمہارے باپ اور ان کے رفیق خاص نے حضرت علیؑ کا حق پامال کیا۔ پھر ہم (بنی امیہ) نے یہ سوچا کہ ہم بھی اس میدان میں اتر سکتے ہیں۔ اور ان سے برابری کا دعویٰ کر سکتے ہیں ......"

پھر امیر شام نے اپنی پوری کیفیت اور پیغمبر اکرمؐ کے زمانہ کی حالت بھی بیان کی اور اپنی ان چالاکیوں کا بھی ذکر کیا جن کے ذریعے وہ جناب امیرؑ کے

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

خلاف سازشوں کا جال پھیلانے والا تھا، تاکہ اس کا نام جنابِ امیر کے مقابلے پر لیا جانے لگے۔

❋ ❋

تو یہ بات بالکل واضح ہے کہ یہ وہ ذات ہے جس کے حقوق کو سب سے زیادہ تلف کیا گیا۔ اور ابن ملجم کی تلوار سے زخمی ہونے کے وقت تک، قوم آپؑ کو مسلسل ذہنی اور جسمانی اذیت پہنچاتی رہی۔

حتیٰ کہ جن لوگوں نے اسلام کی کوئی خدمت نہیں کی تھی انھیں اسلام کا مہرو ماہ بنا دیا گیا تھا۔ اور جنابِ امیر جنھوں نے اس کی آبیاری میں اپنا خونِ جگر صرف کیا تھا، انھیں ان کے بنیادی اور ذاتی حقوق سے بھی محروم کر دیا گیا۔

جن لوگوں نے کبھی کوئی قربانی نہیں دی تھی انھوں نے سب کچھ اپنے قبضے میں کر لیا ——————— اور جو ہر آن قربانی پیش کرتا رہا تھا اسے یکسر بے اختیار کر دیا گیا ———— !

دنیا والوں کو غور کرنا چاہیے کہ علی علیہ السلام کی وہ ذات ہے جنھوں نے اسلام کے لیے کسی قربانی سے کبھی دریغ نہیں کیا اور یہ وہ عظیم الشان امام ہیں جنھوں نے ابتدا سے آخری لمحات تک اپنے قول و عمل کو دین کے لیے مختص کر رکھا تھا ان کو دنیا والوں نے ہر حق سے اس طرح محروم کرنے کی سازش کی جس کے تصور سے کلیجہ پھٹ جائے ——————— !

یہ تو حضرت علیؑ کی اپنی زندگی کی داستان ہے۔

اور پھر آپؑ کو اپنے بعد کے جو حالات نظر آ رہے تھے ——— اور آپ کو دکھائی دے رہا تھا کہ آپؑ کا بدترین دشمن آپؑ کے منبر پر بیٹھ کر اسلام کی حرمت

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

کو پامال کرنے والا ہے اور ان تمام حرمتوں کو ضائع کرنے والا ہے جن کے لیے آپؑ نے پیغمبرؐ کے ساتھ مل کر عظیم قربانیاں دی تھیں ــــ!

اور پیغمبر اسلامؐ کا وہ منبر جس کے تقدس کے لیے جناب امیرؑ نے اپنا خونِ جگر صرف کیا تھا اس پر اب وہ شخص بیٹھنے والا تھا جو اسے لعن طعن اور سب وشتم کے لیے استعمال کرے گا۔

چنانچہ آپؑ نے اپنے بعض وفادار دوستوں کو تاکید فرمائی کہ:

" دیکھو! میرے بعد تم سے کہا جائے گا کہ علیؑ کو
گالی دو ، ان سے برأت کرو ، ــــ
تو مجھے گالی دے دینا ، مگر برأت نہ کرنا (مجھ سے
لاتعلق مت بننا) "

اور آپ کی نگاہیں یہ بھی دیکھ رہی تھیں کہ آنے والی نسلوں کے سامنے مجھے سب وشتم کرنے والے تو آئیں گے لیکن کوئی ایسا نہیں آئے گا جو میری طرف سے دفاع کرے اور دین کے لیے میری خدمات یاد دلائے۔

تو ایک طرف زندگی میں جو مصائب و آلام برداشت کیے ان کی روداد، دوسری طرف مستقبل میں ہزاروں منبروں سے جو سب وشتم کی جانے والی ہے اس کا علم و مشاہدہ ۔ جو ہر صاحب ایمان کو خون کے آنسو رلانے کے لیے کافی ہے لیکن زمانہ کی تمام چیرہ دستیوں کے باوجود آپ اپنی شہادت کے وقت فرماتے ہیں کہ:

" فزت ورب الکعبۃ "

" کعبہ کے رب کی قسم میں کامیاب ہو گیا "

آخر اس کا راز کیا ہے ؟

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

❁ ❁ ❁

آپؑ نے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں جب آزمائش و ابتلا کی انتہا تھی اور آپؑ کا جہادِ زندگی تمام ہو رہا تھا۔ نماز اور عبادت کی حالت میں زبانِ مبارک سے یہ جملہ ادا کیا کہ:

"کعبہ کے پروردگار کی قسم میں کامیاب ہوا۔"

کیونکہ آپؑ کوئی اس دنیا کی ہستی نہ تھے، اگر اس دنیا سے آپ کا تعلق ہوتا تو (شاید خود کو) ایک ناکام انسان قرار دیتے۔ زمانہ کی چیرہ دستیوں پر ان کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا اور شاید حسرت و اندوہ کے عالم میں رخصت ہوتے۔ کیونکہ جن مسلمانوں کی سربلندی اور بقا و حیات کے لیے انھوں نے ساری زندگی جہاد کیا۔ انہی لوگوں نے ان کا حق پامال کیا۔

جیسے کوئی شخص کسی بچے کو ناز و نعم کے ساتھ پالے اور ہر قسم کی زحمت و مشقت سے اس کی پرورش کرے، اور وہی بچہ جوان ہو کر اس کے قتل پر کمربستہ ہو جائے۔

❁ ❁

لیکن امیرالمومنین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:

"خدا کی قسم میں کامیاب ہوا۔"

اور حقیقت یہی ہے کہ وہ مکمل طور سے کامیاب رہے۔ ان کی زندگی میں کسی ناکامی کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ ان کی زندگی دین اور پیغامِ الٰہی کے ساتھ وابستہ تھی۔

وہ دنیاوی ساز و سامان کے ساتھ وابستہ نہ تھی، نہ انھوں نے زندگی کے کسی موڑ پر بھی اس کی طرف نگاہ کی تھی ۔۔ وہ دین ہی کی خاطر زندہ تھے

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

اسی کی خاطر شہید ہوئے۔ اور اس نقطۂ نظر سے وہ ہر زمانہ میں کامیاب رہے اور دین کی پاسداری کا وہ حق ادا کر دیا جو ان کے اللہ کی طرف سے ان پر عائد تھا۔

❁ ❁

ہمیں آپ کے اس گرانقدر جملے سے درس حاصل کرنا چاہیے اور اپنے اندر یہ شعور پیدا کرنا چاہیے کہ انسان کے کسی عمل کی کامیابی کے لیے یہ لازمی شرط نہیں ہے کہ اس کا نتیجہ بھی دنیا والوں کے حسبِ دلخواہ برآمد ہو ——————
اور ہمیں دنیاوی نتائج کے اعتبار سے اپنے عمل کا جائزہ نہیں لینا چاہیے۔
کیونکہ دنیاوی نتائج کے اعتبار سے تو امامؑ کی زندگی میں یہ پہلو بھی نظر آتا ہے کہ جس دین اسلام کی آپؑ نے زندگی بھر خدمت کی اسی کے منبروں سے (بنی امیہ کے دورِ حکومت میں تقریباً) ایک ہزار مہینے تک آپؑ کو —————— ناسزا کلمات سے یاد کیا گیا۔

❁

یاد رکھنا چاہیے کہ کسی عمل کی خوبی یہ نہیں ہے کہ اس کے نتائج ہماری مرضی کے مطابق نکلیں۔ بلکہ خوبی اور سعادت یہ ہے کہ پروردگار عالم کی خوشنودی حاصل ہو۔ عمل کا برحق ہونا کافی ہے چاہے اس کے نتائج ——————
—— حسبِ دل خواہ ہوں یا نہ ہوں —— چاہے زمانہ قدر کرے یا نہ کرے۔
اور چاہے لوگ ہمیں اچھی نگاہ سے دیکھیں یا بری نگاہ سے۔
لیکن اگر ہم نے صحیح عمل کے لیے اپنی پوری کوشش صرف کر دی تو خدا کی بارگاہ میں ہمیں اجرِ جمیل ضرور حاصل ہوگا —— اور ہمیں اس کا تقرب ضرور نصیب ہوگا۔ کیونکہ کائنات کا کوئی چھوٹا یا بڑا ذرہ بھی اس کی نگاہوں سے اوجھل

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

نہیں ہو سکتا۔

اب اگر دنیا والوں کی آنکھوں پر پردے پڑ گئے، وہ حق و باطل کے ادراک سے قاصر رہے۔ جس زمانے میں جناب امیرؑ انھیں مدد و نصرت کے لیے بلا رہے تھے انھوں نے آپؑ کی آواز پر لبیک نہ کہی اور انتہا یہ کہ آپؑ کے اور معاویہ کے درمیان موازنہ کرنے لگے ـــــ تو اس سے جناب امیرؑ کی عظمت میں کوئی کمی نہیں آ سکتی کیونکہ لوگوں کے تسلیم نہ کرنے سے نہ حق کی تابندگی میں کمی ہو سکتی ہے نہ باطل کی تاریکی مٹ سکتی ہے۔

اور پھر علی علیہ السلام تو دنیائے انسانیت کی وہ عظیم الشان شخصیت ہیں کہ پیغمبر اسلامؐ نے ان کی ایک ضربت کو جن و انس کی تمام عبادتوں سے افضل قرار دیا ہے جو ان کی حقانیت اور دین و دنیا کی سعادت کی عظیم الشان اور منفرد دلیل ہے۔

خداوند عالم ہم سب کو ان کے اسوۂ حسنہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور آخرت میں ان کی شفاعت سے سرفراز فرمائے۔

❁ ❁ ❁

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

۲

شبِ شہادتِ امیر المومنینؑ

(۲۰ ماہ رمضان المبارک)

(گزشتہ باب میں) ہماری گفتگو ان امتیازی مراحل کے بارے میں تھی جو جناب امیرؑ نے اسلامی مملکت کے سربراہ کی حیثیت سے طے کیے۔

اور ————

یہ بات نمایاں طور سے معلوم ہوئی کہ امام علیہ السلام کی بھرپور کوشش یہ تھی کہ لوگوں میں صحیح دینی شعور بیدار ہو جائے اور وہ اپنے حقیقی فرائض کا ادراک کرنے لگیں۔ چنانچہ آپ نے حالات و ماحول سے مصالحت کی راہ نہیں اپنائی جسے استثنائی کیفیت کہا جاتا ہے۔ (کیونکہ وہ کچھ مخصوص حالات ہی میں جائز و مناسب ہے)۔

اور ہم نے اس کے بارے میں فقہی اور سیاسی دونوں ہی پہلوؤں پہ گفتگو کی اور اس بات پہ روشنی ڈالی کہ:

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

- آپؑ نے ڈپلومیسی کی راہ کیوں نہیں اختیار کی ؟
- آپؑ نے خاموشی کیوں نہیں اختیار کی ؟
- سابقہ حکومت کے کارندوں کو، تھوڑے دنوں کے لیے بھی اُن کے عہدوں پر باقی رکھنا کیوں گوارا نہیں کیا ؟
- اور آپؑ نے تطہیر واحتساب کے عمل میں اتنی تاخیر کیوں نہیں کی کہ حالات پوری طرح آپ کے قبضہ میں آجاتے ؟

مذکورہ بالا مسائل کے بارے میں ہم نے عرض کیا تھا کہ مندرجہ ذیل نکات کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے :

(۱) —— امام علیہ السلام عراق کی سرزمین پر اپنی جدید ریاست کے لیے ایک نیا فکری لشکر ترتیب دے رہے تھے اور اس فکری اور عقائدی لشکر کی خالص دینی تربیت آپؑ کا بنیادی فرض تھا جس کے لیے ہر قسم کی ڈپلومیسی اور شک وشبہ کی پالیسی سے پاک ماحول فراہم کرنا نہایت ضروری تھا۔ اس لیے باطل سے وقتی مصالحت کی پالیسی اگر فقہی لحاظ سے بعض اوقات جائز بھی ہے تو یہاں اس کا ہرگز موقع ومحل نہیں تھا۔

(۲) —— امام علیہ السلام نے اس وقت زمام اقتدار سنبھالی ہے جب پوری قوم ایک انقلابی کیفیت سے گزر رہی تھی اور ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں قوم کے جذبات واحساسات یکسر مختلف ہوتے ہیں۔ لہٰذا اسلام کے وسیع تر مفاد کا تقاضہ یہ تھا کہ اس وقت جو بھی قدم اٹھایا جائے وہ اسلامی تعلیمات

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

کے بالکل مطابق ہو اس میں کسی ڈپلومیسی کا شائبہ نہ ہو۔

③ —— جیسا کہ ہم نے سابقہ گفتگو میں اس کی وضاحت کی۔ اگر امامؑ کے کسی اقدام میں باطل سے مصالحت اور دنیاوی ڈپلومیسی کا شائبہ بھی پیدا ہو جاتا تو وہ اسلام کے تمام اعلیٰ و ارفع مقاصد اور مستقبل کی تمام امیدوں پہ پانی پھیر دیتا۔ کیونکہ جن عناصر نے آپؑ کے واضح طرزِ عمل کے باوجود اس قسم کے شکوک و شبہات پھیلا کر ذہنوں کو مسموم بنانے کی کوشش کی۔ اگر آپؑ کی طرف سے انھیں کوئی موقع فراہم کر دیا جاتا تو وہ لوگ ایک ایسا طوفان کھڑا کر دیتے جو اسلام کی پوری عمارت کو زمین بوس کر دینے کا سبب بن جاتا۔

④ —— ہم نے یہ واضح کیا تھا کہ اس وقت کوئی بھی ڈپلومیسی، سازشی اذہان کی تقویت کا سبب بنتی، اور اگر آپ وقتی مصالحت سے کام لیتے تو اس ذہنیت کو فروغ حاصل ہوتا۔ کیونکہ حالات نے ایسا رُخ اختیار کر لیا تھا کہ اب صرف آپ کی زعامت و قیادت کے خلاف سازش نہیں ہو رہی تھی بلکہ اسلامی اقدار و تعلیمات کو مٹانے کی بھرپور سازش تیار کی جا رہی تھی۔ اور آپ کو اس منصب سے ہٹا کر ایسے شخص کو لانے کی بھرپور کوشش کی جا رہی تھی جو دینِ اسلام کی تعلیمات کو مٹا کر قیصر و کسریٰ کے انداز پر حکومت کرے۔ لہٰذا اگر آپؑ کسی دنیاوی ڈپلومیسی سے کام لیتے تو اس کا واضح مطلب یہ ہوتا کہ آپ بھی بالواسطہ قیصر و کسریٰ کے نظام کی تائید کر رہے ہیں؛ کیونکہ معاویہ

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

شام کے علاقہ میں بالکل قیصر و کسریٰ کے انداز پر چل رہا تھا) پھر یہ کیونکر ممکن تھا کہ حضرت علیؑ اسے برداشت کرتے ـــــ!

❁ ❁

اور اسلام میں قیصر و کسریٰ کا کردار رکھنے والوں کو جو عہدۂ مقام ملا اس کی بنیاد سقیفہ کی کارروائی نے ڈالی۔ اور ایسے کردار کے حامل شخص کو اگر حضرت علی علیہ السلام اپنے گورنر کی حیثیت سے قبول کرتے تو اس کا واضح مطلب یہ ہوتا کہ آپؑ اسلام میں قیصریت و کسرویت کی تائید فرما رہے ہیں جو آپؑ کے لیے کسی طرح بھی ممکن نہ تھا۔

بلکہ وقت کا تقاضہ یہی تھا کہ آپ اس فتنہ کو کچلنے کے لیے سخت موقف اختیار کریں اور اپنی طرف سے قیصریت و کسرویت کی کوئی تائید نہ ہونے دیں۔ تاکہ اسلام کے درخشندہ چہرہ کا اصل نکھار برقرار رہے۔

❁

۵

قارئین کرام کی توجہ مندرجہ بالا اہم نکات کے ساتھ ساتھ ایک اور نکتہ کی طرف مبذول کرانا بھی ضروری ہے اور وہ یہ کہ اگر حضرت علی علیہ السلام وقتی طور سے امیر شام کو گورنری کے عہدہ پر باقی رہنے دیتے تو پھر کسی بھی وقت اسے معزول کرنا آپ کے لیے ممکن نہ ہوتا ـــــ اور اس نکتہ کی گہرائی و گیرائی

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

تک پہنچنے کے لیے اس پورے موقف کو سامنے رکھنا ہوگا جو امیر المومنینؑ نے اپنی حیاتِ طیبہ میں اختیار کیا ______

یا جسے کوئی بھی الٰہی نمائندہ اس جیسے حالات میں اپنا سکتا تھا۔

کیونکہ یہ بات بالکل واضح ہے کہ ______

جو الٰہی نمائندہ بھی حالات کی اصلاح اور بُرائیوں کا استیصال چاہتا ہے وہ ان فاسد عناصر کو کبھی شریکِ کار نہیں بنا سکتا جن کا قلع قمع کیے بغیر اصلاح ممکن ہی نہ ہو۔

کیونکہ معاشرہ کی اصلاح کے لیے جن عناصر کا قلع قمع ضروری ہے ــــ

اگر ان ہی کو معاون اور شریکِ کار بنا لیا جائے ______

(تو حالات کی اصلاح کیسے ہوگی۔؟)

اور اگرچہ وقتی طور ہی پر انھیں شریکِ کار قرار دیا گیا ہو (لیکن جب تک وہ باقی رہیں گے، ان کی ذات سے وابستہ بُرائیاں بھی نہ صرف برقرار رہیں گی بلکہ پروان چڑھیں گی) اور اگر بعد میں ان عناصر کو دُور ہٹانے کی کوشش بھی کی جائے تو وہ ہرگز جُدا نہیں ہوں گے بلکہ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھیں گے کہ ______

اگر ہم بُرے تھے تو آپ نے ہمیں اپنا شریکِ کار کیوں بنایا ؟

اور اگر کل ہم آپ کے شریکِ کار بن سکتے تھے تو آج کیوں نہیں بن سکتے؟

اور پھر جب سربراہ مملکت نے شروع سے ان ہی عناصر کو اپنا معاون و مددگار بنایا ہو تو سارے معاشرے پر ان ہی کا تسلط ہوگا ______

پھر وہ کون سی طاقت ہوگی جس کا سہارا لے کر ان لوگوں کو ان کے منصب سے ہٹانا ممکن ہوگا۔

کیا آسمان سے اُترے گی ______ ؟

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

اور اس کی کیا منطق ہو گی ــــــــــ ؟

کسی بھی معاشرے میں سربراہ مملکت کو لشکر یا اعوان وانصار کی شکل میں جو قوت و طاقت حاصل ہوتی ہے اس کا براہ راست تعلق اسی قوم کے افراد سے ہوتا ہے ــــــــ

اور ان ہی کے درمیان سے ایسے افراد کا انتخاب کیا جاتا ہے جو قوتِ تنفیذیہ کی حیثیت رکھتے ہوں ،

(جنھیں ہماری اصطلاح میں قانون نافذ کرنے والی طاقت کہا جاتا ہے)

اب اگر یہی طاقت بُرے عناصر پر مشتمل ہو گی تو اس سے بُرائی کے خاتمہ کا کام کیسے لیا جائے گا ــــــــــــ

اور کسی مصلح کے لیے ممکن نہیں ہے کہ وہ یہ موقف اختیار کرے کہ

" میں شروع میں ان ہی شر پسند عناصر کے ہاتھ میں زمام اقتدار دوں گا پھر جب مضبوط ہو جاؤں گا تو انھیں بدل دوں گا"۔

کیونکہ اگر زمامِ اقتدار بُرے عناصر کے ہاتھ میں آگئی تو ان کے قدم جم جائیں گے نہ کہ مصلح مضبوط ہو گا ــــــــــ

اور حقیقی صورت حال یہ ہو گی کہ ــــــــــــ

معاشرہ کی اصلاح کے لیے جن عناصر کا خاتمہ ضروری تھا وہی معاشرے پر غالب آجائیں گے اور جیسے جیسے ان عناصر کو قدم جمانے کا موقع ملتا جائے گا اصلاح حال کے امکانات ختم ہوتے جائیں گے۔

اب اگر کوئی مصلح حسنِ ظن کے ساتھ بھی ان عناصر کو قدم جمانے کا موقع فراہم کر دے تو وہ اصلاح حال پر کبھی قادر نہیں ہو سکے گا۔ کیونکہ حالات کی اصلاح صرف زبان کی جنبش یا قلم کی حرکت سے نہیں ہوتی بلکہ اس کے لیے ایسے وسائل کی ضرورت ہوتی ہے جنھیں استعمال کر کے اصلاح حال کے ان جامع منصوبوں پر مستقل مزاجی سے کام کرنا

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

ممکن ہو سکے جو اُس مصلح یا سربراہ کے ذہن میں ہوں۔

اور چونکہ اصلاحِ حال کا مزاج اور اس کی خصوصیت ہی یہ ہے کہ بُرے عناصر سے اسے بالکل پاک رکھا جائے ــــــــــ

تو پھر ــــــــــ جنابِ امیرؑ جو معاشرے کی کامل اصلاح کے امین و پاسباں تھے ان کے لیے یہ کیونکر ممکن تھا کہ بُرے عناصر کو اپنا شریکِ کار بنائیں ؟

❋

۶

اسی کے ساتھ اس بات کو بھی پیشِ نظر رکھنا چاہیے کہ :

جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ اگر حضرت علی علیہ السلام، معاویہ کو شام کی گورنری پر باقی رہنے دیتے تو آپ کی حکومت مضبوط ہو جاتی ــــــــــ !

ان لوگوں کو یہ بھی سوچنا چاہیے کہ ــــــــــ

اس طرح گورنر شام کو بھی تو مزید طاقت مل جاتی (ایک اس کی اپنی ۲۵ برس کی حکومت کی طاقت اس پر مستزاد امیر المومنین کی تائید و حمایت)

اور چونکہ اس وقت حضرت علی بن ابی طالبؑ کی ذاتِ والا صفات اسلام کی تمام تعلیمات و اقدار کے لیے نمونۂ کامل کی حیثیت رکھتی تھی ــــــــــ ؛

اس لیے آپؑ کی طرف سے معاویہ کی وقتی حمایت بھی اس کے ماضی کے تمام اقدامات کو جائز بنا دیتی۔ جس کے نتیجے میں اسے ایسی ٹھوس دلیل مل جاتی، جسے کوئی شخص چیلنج نہیں کر سکتا تھا۔

لہٰذا جو لوگ اس کی فوری معزولی پر تنقید کرتے ہیں انھیں اس پہلو کو بھی پیشِ نظر رکھنا چاہیے۔ خاص طور سے ان واقعات کو سامنے رکھتے ہوئے جو اس وقت

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

درپیش تھے اور جس میں حکومت کی تبدیلی غیر معمولی حالت میں ہوئی تھی!!

امیر شام کے طرزِ عمل سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ اس کی گورنری کو باقی رکھنے کا نتیجہ یہ ہرگز نہ ہوتا کہ وہ جناب امیرؑ کی صدق دل سے بیعت کر کے شام کے علاقے میں بھی مرکزی حکومت کو مضبوط کرنے کی کوشش کرتا اور وہاں سے آپ کو مدد پہنچاتا۔ بلکہ آپ کی تائید کے بعد وہ اپنی ذاتی پوزیشن کو مزید مضبوط کرتا، اور گزشتہ ۲۵ برس سے اسے اس علاقہ میں جو اثر و رسوخ حاصل تھا، جس کی ایک خاص تاریخی حیثیت تھی، جس کی پہلی خلافت میں بنیاد رکھی گئی ———

دوسری خلافت میں اسے مزید تقویت دی گئی ———

اور تیسری خلافت میں اسے ایسی مطلق العنانیت حاصل ہوگئی کہ شام پر مدینہ کے اختیارات ہی ختم ہو گئے ———

اور صوبائی گورنر ہر قسم کے سیاہ و سفید کا مالک بن گیا ———

اور اگرچہ یہ صوبہ دستوری لحاظ سے مدینہ کی مرکزی حکومت کے تابع ہی رہا — مگر اپنے تمام فیصلوں میں وہ اپنی مرضی کا مالک بن گیا۔

ایسی صورت میں اگر جناب امیرؑ وہاں کے گورنر کو کچھ دنوں تک اس کے عہدے پر باقی رکھ کر پھر معزول کرنے کی کوشش کرتے تو زیادہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا اور وہ سارے اسلامی علاقوں میں جا کر یہ شور مچاتا کہ ———

"اب مجھ سے کون سا ایسا قصور سرزد ہوا ہے کہ معزول کیا جا رہا ہوں۔ اگر میں برا تھا تو پہلے میری تائید کیوں کی اور اب میرے اندر کیا خرابی پیدا ہو گئی؟ جب حضرت علیؑ نے اقتدار سنبھالنے کے بعد مجھے گورنر بنایا تو اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ انھوں نے مجھے ایک انصاف پسند اور صالح حکمران تسلیم کیا

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

لہذا اب میرے معزول کرنے کی کیا وجہ ہے ــــــ؟ "

یہ ایسی بات تھی جو پورے عالمِ اسلام کی رائے عامہ کو اس کا ہمنوا بنا دیتی اور جناب امیر کے لیے ہر ایک کو مطمئن کرنا نہایت مشکل ہوتا۔

لیکن جب آپ نے سریرِ حکومت پر بیٹھتے ہی اسے معزول کیا تو اس کا واضح مطلب یہ تھا ــــ کہ آپ اسے کسی بھی لحاظ سے اس قابل ہی نہیں سمجھتے تھے کہ زمامِ اقتدار اس کے ہاتھ میں ہو اور اس نے اب تک جتنے بھی اقدامات کیے ہیں کسی کی ذمہ داری آپ پر عائد نہیں ہو سکتی ــــــــــ

کیونکہ آپؑ نے آنِ واحد کے لیے بھی اس کی تائید نہیں کی۔

۷

اس سلسلہ کا یہ آخری نکتہ بھی ذہن نشین رہنا چاہیے کہ :

جو لوگ اس کی فوری معزولی پر تنقید کرتے ہیں ان کا خیال یہ ہے کہ اگر اسے گورنر رہنے دیا جاتا تو وہ بیعت کر لیتا جس سے جنابِ امیرؑ کا اقتدار مضبوط ہوتا۔

لیکن تاریخی قرائن اس بات کی ہرگز تائید نہیں کرتے کہ اگر اسے معزول نہ کیا جاتا تو وہ بیعت کر لیتا ــــــــــ

کیونکہ بنی امیہ روزِ اوّل سے اسلام کے دشمن تھے اور وہ پوری قوت صرف کر کے اسے مٹا دینا چاہتے تھے ــــــــــــــــــ

چنانچہ ابوسفیان (جو ساری زندگی حضرت رسولِ اکرمؐ سے لڑتا رہا) جب اسلامی حکومت اس کے خاندان میں پہنچی اور خلیفہ ثالث مسندِ اقتدار

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

پر بیٹھے تو ابوسفیان) جناب حمزہؓ کی قبر کے پاس آیا اور اُسے اپنے پیروں سے روند کر کہنے لگا کہ:

"دیکھو! جس دین کی خاطر تم لوگوں نے ہم سے جنگ کی، اس
کی راہ میں جان قربان کی اور مسلسل فداکاریاں کرتے رہے
اٹھ کر دیکھو، آج ایک گیند کی مانند ہمارے ہاتھ میں ہے جس
سے ہمارے لڑکے دل کھول کر کھیل رہے ہیں۔"

اور ایک اسی پر کیا منحصر، بنی امیہ کا پورا خاندان سر توڑ کوشش میں لگا ہوا تھا کہ اسلام کی دھجیاں اڑانے کے لیے، پورے عالم اسلام پر غلبہ و تسلط حاصل کر لیا جائے۔

چنانچہ اسی سازش کی پہلی کڑی کے طور پر وفات پیغمبرؐ کے فوراً ہی بعد شام کی حکومت حاصل کر لی گئی ——————

پہلے یزید ابن ابی سفیان گورنر بنا ——— ؛

جو جلد ہی دنیا سے چل بسا تو اس کا بھائی معاویہ گورنر بنا دیا گیا ——— اور

اس طرح ۲۵ برس کے عرصہ میں بنی امیہ نے اس سرزمین پر اپنے قدم پوری طرح جما لیے جس کے بعد معاویہ کوئی ایسا موقع ڈھونڈنے لگا کہ تمام اسلامی ممالک پر ہلہ بول دے۔

اور خلیفۂ ثالث کے قتل نے اس کے لیے یہ سنہرا موقع بھی فراہم کر دیا کہ وہ ان کے قصاص کے نام پر کھل کر میدان میں آ گیا۔

حالانکہ جس وقت خلیفۂ ثالث کے خلاف شورش پھیلی ہوئی تھی وہ بار بار معاویہ کو خط لکھ کر اس سے مدد طلب کر رہے تھے مگر ان کی زندگی میں ان کی کسی قسم کی مدد نہیں کی جبکہ ان کے لیے ایک ایسا لشکر جرار بھیج سکتا تھا جو ان کی طرف سے دفاع کرے۔

لیکن معاویہ کی تو دل سے خواہش ہی یہ تھی کہ ——————

خلیفۂ ثالث قتل کر دیے جائیں ——— اور ان کے خون کا بدلہ

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

لینے کے لیے میدان میں اترنے کا بہانہ ہاتھ آجائے۔

امیرِ شام اب صرف گورنری کو کافی نہیں سمجھ رہا تھا۔ کیونکہ وہ تو ابتدائی مرحلہ تھا۔ اب ۲۵ برس کے بعد اسے اتنی قوت حاصل ہو چکی تھی کہ وہ جلد از جلد پورے اسلامی ممالک پر جابرانہ تسلط چاہتا تھا ——

لہٰذا اگر وقتی طور پر اسے گورنری کے عہدے پر باقی رہنے دیا جاتا تو اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا اور نہ وہ اس پر قناعت کرنے والا تھا۔

تو پھر باطل سے مصالحت کا فائدہ اور اس کا جواز ہی کیا تھا؟

وہ فقہی قاعدہ جس کا شروع میں حوالہ دیا گیا، اس صورتِ حال کے لیے ہے جب کسی اہم واجب کی بقا کسی معمولی درجہ کے حرام کے ارتکاب پر موقوف ہو اور یہ یقین ہو کہ اس حرام کا ارتکاب کر کے اس اہم ترین فریضۂ واجب کو بچایا جا سکتا ہے۔

لیکن ظاہر ہے کہ جنابِ امیرؑ کے سامنے جو صورتِ حال تھی وہ ایسی نہ تھی کون یہ یقین دہانی کرا سکتا تھا کہ ——

آج گورنرِ شام کو آپؑ برداشت کر لیجیے ——،

کل وہ آپؑ کا مطیع و فرماں بردار بن جائے گا ——؟

جبکہ یہ وہی شخص ہے کہ پیغمبرِ اسلام نے جس دن سے اعلانِ رسالتؐ فرمایا یہ اور اس کے آباؤ اجداد اور تمام اہلِ خاندان جانی دشمن بنے رہے۔

(مکہ چھوڑنے پر مجبور کیا اور جب رسولِ مقبولؐ نے مدینہ میں پناہ لی تو مسلسل ان کے خلاف جنگ کے شعلے بھڑکاتے رہے اور یہ شخص خود بہت سی جنگوں میں حضرت رسولِ خداؐ سے لڑنے کے لیے آیا —— اور جب کھلم کھلا مقابلے کی ہمت باقی نہ رہی تو ظاہری طور پر کلمہ پڑھ کر دین کو تہ و بالا کرنے کے لیے سازشیں کی جانے لگیں اور ۲۵ برس تک ایک مسلم علاقہ کی گورنری سے

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

ایسی طاقت پیدا کر لی کہ پورے اسلامی ممالک کو ہڑپ کر جانے
کی نیت سے میدان میں آنے کی ہمت پیدا ہو گئی)

حضرت علیؑ کی حکومت کے خلاف جو سازش کی جارہی تھی اس کی کڑیاں بہت دُور تک ملتی ہیں اور درحقیقت یہ اس دینِ مقدس کی بربادی کی سازش تھی جسے پروان چڑھانے کے لیے رسول مقبولؐ نے شب و روز محنت کی تھی اور اپنے چاہنے والوں کو زمانے کے سرد و گرم کو برداشت کرنے کا عادی بنایا تھا۔

افسوس اس دینِ مقدس کو اب حکومت و سلطنت حاصل کرنے اور لوگوں کی گردنوں پر مسلط ہونے کا وسیلہ بنایا جارہا تھا ——————!

اور درحقیقت اس کی ابتدا بھی ہمیں سقیفہ کی کارروائی میں ہی نظر آتی ہے جہاں یہ اعلان کیا جارہا تھا کہ :

"حضرت محمدؐ کی سلطنت کے بارے میں کون ہم سے لڑے گا۔"

اس جملہ کا واضح مطلب یہ ہے کہ آنحضرتؐ کی نبوت و رسالت کو بھی سلطنت و بادشاہت سمجھا گیا جس کے تخت کو حاصل کرنے کے لیے گروہ بندی عمل میں لائی گئی اور — "منا امیر و منکم امیر" کی آواز بھی بلند ہوئی — اور یہ وہ طرزِ عمل تھا جس نے پوری اسلامی تحریک کا رخ بدل دیا۔

چنانچہ خلیفۂ ثانی جب گشت پر نکلتے تھے تو اکثر لوگوں کو آپس میں یہ چہ میگوئیاں کرتے ہوئے سنتے تھے کہ:

" ان کے بعد حکومت کس کو ملے گی ——————؟"

جو اس بات کی واضح علامت ہے کہ اب لوگوں کا اندازِ فکر کیا بن گیا تھا اور وہ سریرِ خلافت کی طرف ہدایت و رہبری کے عنوان سے نہیں بلکہ حکومت و سلطنت کے انداز سے دیکھتے تھے۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

(کیونکہ انھیں معلوم تھا کہ ہدایت کا فریضہ تو حضرت علیؑ انجام دے ہی رہے ہیں، انجام دیتے رہیں گے)

چنانچہ یہ جملہ سُن کر جناب خلیفہ بہت پریشان ہوتے تھے، کیونکہ یہ جملہ ایک طرف حضرت علیؑ کی عظیم الشان دینی شخصیت کی عظمت و وقار کا احساس دلاتا تھا اور پیغمبر اسلامؐ کی رحلت کے بعد حصولِ اقتدار کا جو طریقہ اختیار کیا گیا اس کی کمزوری کی طرف توجہ بھی دلاتا تھا ——— !

چنانچہ جب موصوف نے متعدد بار یہ جملہ سُنا تو منبر پر جا کر اس بات کا اعلان فرمایا کہ:

"لوگ آج کل یہ بات کرتے رہتے ہیں کہ اب کون حاکم بنے گا۔ (یعنی کیا میرے بعد بھی لوگ خود ہی کسی کو منتخب کر لیں گے جس طرح جناب خلیفۂ اوّل کو منتخب کر لیا تھا؟) تو یاد رکھو کہ ان کی بیعت تو بس اچانک ہو گئی تھی جس کے مفاسد سے ہم لوگ بچ گئے"۔

آپ کے اس جملہ کا واضح مقصد یہ تھا کہ مسلمان آئندہ کسی کو اس طرح خلیفہ و حاکم منتخب کرنے کی جرأت نہ کریں جس طرح وفاتِ رسولؐ کے بعد کیا گیا تھا بلکہ اب حاکم اعلیٰ کی طرف سے اس کو خود ہی واضح کر دیا جائے گا ——— ؛

(لیکن یہ بات اس وقت آپ نے کسی وجہ سے نہیں کہی)

آپ چاہتے تھے کہ یہ بات لوگوں کے ذہن نشین ہو جائے کہ اب ان کے لیے حاکم کا انتخاب آپ ہی کریں گے۔ انھیں فکر نہیں کرنی ہوگی۔

اب یہ کہ وہ شخص کون ہوگا ——— ؟

تو آپ نے اس کا اعلان نہیں کیا۔ البتہ ذہن میں خاکہ موجود تھا جسے آپ نے

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

اپنے مرض الموت میں آشکار کر دیا۔

جب لوگوں نے آپ کے جانشین کے بارے میں سوال کیا تو انھوں نے ۶ آدمیوں کی اس کمیٹی کا اعلان کر دیا جو اس مسئلہ کو طے کرے گی۔

(اور اس کمیٹی کی نوک پلک اس طرح سنواری گئی کہ وہ مطلوبہ نتیجہ سے کسی طرح ہٹ ہی نہ سکے)

گویا اکیلے منتخب کرنے کے بجائے مسئلہ ۶ اشخاص کے درمیان اس طرح رکھا گیا کہ اپنا مقصد حاصل ہو جائے اور کسی کو یہ بھی کہنے کا موقع نہ ملے کہ خود ہی منتخب کر دیا۔

چنانچہ اس کمیٹی میں عبدالرحمٰن بن عوف کو مرکزی حیثیت عطا کی گئی۔

(اور یہ طے کیا گیا کہ اگر ان ۶ آدمیوں کے درمیان خلافت کے سلسلے میں دو رائیں ہو جائیں۔ تین آدمی ایک کو خلیفہ بنانا چاہیں تین کسی دوسرے کو، تو جس طرف عبدالرحمٰن بن عوف ہوں اسی کو خلیفہ تسلیم کیا جائے)

چنانچہ عبدالرحمٰن بن عوف (جو خلیفہ ثالث کے قریبی رشتہ دار تھے انھوں نے رشتہ داری کا حق ادا کیا اور حضرت علیؑ کو خلیفہ نہ بننے دیا چنانچہ وہ) کہتے ہیں کہ:

"میں نے جس اعرابی سے بھی منصب خلافت کے بارے میں سوال کیا اس نے حضرت علیؑ کا نام لیا لیکن جب میں نے قریش سے پوچھا تو انھوں نے عثمان کا نام لیا۔"

سوچیے! موصوف خود اقرار کرتے ہیں کہ تمام مسلمانوں میں صرف ایک قبیلہ (قریش) نے عثمان کی موافقت کی باقی تمام مسلمانوں نے خلافت کے لیے عثمان کے بجائے حضرت علیؑ کا نام لیا جو اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ منصب حکومت سے تیرہ برس تک محروم رہنے کے باوجود دلوں پر حکومت حضرت علی ہی کی تھی۔ (لیکن اس کے باوجود عبدالرحمٰن بن عوف

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

نے ایسی چال چلی کہ حضرت علیؑ کو حکومت نہ ملنے پائے۔ اور ان کی ڈپلومیسی سے) جناب عثمان مسلمانوں کے تیسرے خلیفہ بن گئے۔ جن کے زمانہ میں بنی امیہ کو خوب کھل کھیلنے کا موقع نصیب ہوا اور اس خاندان کے افراد نے حکومت میں اثر و رسوخ حاصل کر کے کھلم کھلا یہ کہنا شروع کر دیا کہ ——

بیت المال کا خزانہ ہماری اپنی ملکیت ہے!

خراج میں آنے والا مال بھی ہمارا ہے ——!

عالم اسلام کی ساری زمین ہماری ذاتی ملکیت کی حیثیت رکھتی ہے

ہم جسے جو چاہیں دیں جسے چاہیں محروم رکھیں!

جب کہ اسلامی تعلیم یہ تھی کہ ——

سب مال اللہ کا ہے —— لوگ سب برابر کے حقوق رکھتے ہیں،

سب اللہ کے بندے ہیں —— قریشی و غیر قریشی، عربی و عجمی وغیرہ کی کوئی تفریق نہیں ہے ——!

لیکن بنی امیہ کے کارندے سب کچھ اپنی ذاتی ملکیت سمجھتے تھے۔ حتیٰ کہ مسلمانوں کو بھی اپنا غلام سمجھنے لگے تھے۔ جسے چاہیں نوازیں جسے چاہیں محروم رکھیں۔ مگر ظاہر ہے کہ ان کی یہ خلافِ دین و دیانت منطق کوئی غیرت مند مسلمان قبول نہیں کر سکتا تھا۔ بلکہ وہ تمام زمین اور اس کے محاصل پر جملہ مسلمانوں کا مساوی حق سمجھتے تھے اور بنی امیہ کے کارندوں کی لن ترانیاں سننے پر آمادہ نہیں تھے کیونکہ ابھی —— کسی حد تک سہی —— اسلامی شعور زندہ تھا۔ اور دین کے خلاف ہونے والی سازش ابھی پوری طرح کامیاب نہیں ہوئی تھی۔

کیونکہ قوم کے باشعور افراد موجود تھے؛

چنانچہ یہ باشعور افراد خلیفۂ وقت کے پاس ان کارندوں کی شکایت

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

لے کر آتے تھے اور کہتے تھے کہ :

"چونکہ یہ کارندہ شریعت کے قوانین سے ہٹ چکا ہے اس
لیے ہمارے لیے قابلِ قبول نہیں ہے۔"

اور چونکہ ابھی قوم کے اندر باشعور افراد موجود تھے، اس لیے دربارِ خلافت سے ان شکایت کنندگان کو یہ جواب نہیں ملتا تھا کہ :

"میں حاکمِ مطلق ہوں اور یہ لوگ میرے کارندے ہیں،
جو چاہیں کریں۔"

بلکہ شکایتوں کو سُنا جاتا تھا، معذرت کی جاتی تھی اور اکثر اوقات ان کارندوں کو تبدیل بھی کر دیا جاتا تھا۔

اور جب (مروان بن حکم کی پالیسی کے تحت) شکایتوں کا ازالہ ترک کیا تو لوگوں کے درمیان غیظ و غضب کی ایسی آگ بھڑک اٹھی جس نے پورے عالمِ اسلام میں ہیجان برپا کر دیا۔

اور بالآخر خلیفۂ وقت کو قتل کر دیا گیا ــــــــــــــــ!

جس کے بعد پوری قوم نے حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام سے پر زور اصرار کیا کہ آپ زمامِ اقتدار سنبھالیں، معاشرے کو اسلامی عدل و انصاف کی تابانیوں سے منور کریں اور اسلامی تعلیمات کے خلاف جو بھی اقدام کرے اسے کیفرِ کردار تک پہنچائیں۔

❋❋

اس اصرار کا واضح مطلب یہ ہے کہ قوم و ملت کا اسلامی تعلیمات سے انحراف ابھی اس حد تک نہیں پہنچا تھا کہ اس کے علاج کی طرف سے ناامیدی ہو جائے اور امید کی اسی کرن کے تحت حضرت علی علیہ السلام ۴۔۵ سال تک

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

اسلامی معاشرے کی زمامِ اقتدار سنبھال کر اسے صلاح و فلاح کے راستہ پر چلاتے رہے اور اگر درمیان میں اسلام کے بدترین دشمنوں کی طرف سے پھیلایا جانے والا سازشوں کا جال نہ ہوتا تو آپ کے دور میں عظیم اسلامی تحریک کو بے مثال کامیابی نصیب ہوتی۔

افسوس تحکیم کے مسئلہ میں، سازش کا ایسا گہرا جال پھینکا گیا تھا جس نے خود امام علیہ السلام کے لشکر کے اندر ایک گروہ کی آنکھوں پر غفلت کا سیاہ پردہ ڈال کر جنگ کا پانسہ پلٹ دیا ورنہ امیرِ شام اور اس کے ساتھیوں کے خاتمے میں صرف چند لمحات باقی رہ گئے تھے۔ (اگر لوگ امامؑ کے ارشاد کو قبول کر لیتے اور تحکیم کے جال میں نہ پھنستے تو آج تاریخ اسلام کا نقشہ کچھ اور ہوتا)

❁

اور مندرجہ بالا حقائق و شواہد کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ امیر المومنینؑ کے لیے باطل سے مصالحت کی ڈپلومیسی بالکل ضروری نہیں تھی۔

اور اگر آپ کو وقت ملتا ______

اور جس نہج پر آپ قوم کو چلانا چاہتے تھے اس پر چلانے دیا جاتا تو حالات کی اصلاح کی بھرپور توقع موجود تھی۔

لیکن یہ توقع اس وقت یکسر ختم ہو گئی، جب نامراد ابنِ ملجم نے زہر میں بجھی ہوئی تلوار کے بھرپور وار سے آپؑ کو زخمی کر دیا اور مسجدِ کوفہ کی زمین آپؑ کے خون سے رنگین ہو گئی۔

آپؑ کو خون میں نہایا ہوا دیکھ کر امام حسن علیہ السّلام نے گریہ و بکا شروع کیا تو آپؑ نے اپنے فرزند کو تسلی دینے کے ساتھ اس امر کی طرف بھی توجہ دلائی کہ حق و باطل کے درمیان معرکہ آرائی برقرار رہے گی۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

"اے میرے نورِ نظر!

تم لوگوں کو تمہارے منصب سے ہٹایا جائے گا ——————

قتل بھی کیا جائے گا —————— جلاوطن بھی کیا جائے گا

لیکن تم ثابت قدم رہنا ، یہاں تک کہ تمھیں زہر دے دیا جائے گا،

پھر تمہارے بھائی حسینؑ مقابلہ کریں گے ——————

یہاں تک کہ وہ بھی شہید کر دیے جائیں گے ——————

لیکن پھر بھی حق و باطل کی معرکہ آرائی جاری رہے گی ——————

یہاں تک کہ جس وقت قوم تقریباً مردنی کی کیفیت سے دوچار ہو گی، اس وقت بھی یہ رزم آرائی برقرار رہے گی —————— کیونکہ ایک نہ ایک ہستی ایسی بہرحال موجود رہے گی جو دین کو تباہ نہیں ہونے دے گی ——————

کیونکہ اگر پاسبان ختم ہو گیا اور دین کی پاسداری کا جذبہ باقی نہ رہا تو کوئی نہ کوئی فرعونِ وقت اسے بیخ و بُن سے اکھاڑ پھینکے گا۔ اس کا نام بھی ختم کر دے گا۔

لیکن اگر پاسبان موجود رہے ——————

اور ایسے افراد باقی رہے جو علیؑ ، اولادِ علیؑ اور وفادارانِ علیؑ کے راستہ پر چلتے رہے تو جذبہ بھی زندہ رہے گا اور یہ امید بھی باقی رہے گی کہ قوم کی حالت کسی نہ کسی وقت اصلاح پذیر ہو جائے۔

اور کم از کم اتنا تو ہو گا کہ کسی زمانہ کا کوئی حاکم اس دین کا نام و نشان نہ مٹا سکے گا۔"

اور حق تو یہ ہے کہ ——————

جناب امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے اپنے نورِ نظر حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کو جن امور کے بارے میں نشان دہی فرمائی تھی

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

وہ حرف بہ حرف پورے ہوئے۔

آیئے!

بارگاہِ معبود میں دعا کریں کہ ——————

خداوند عالم ہم لوگوں کو بھی حق و باطل کی معرکہ آرائی میں اسی راستہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین —————— !

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

(۳)

یومِ بعثت
یا
یومِ تجدیدِ رسالت

(۲۷ رجب ۱۳۸۸ھ)

تاریخِ انسانی کے سب سے عظیم الشان اور تابندہ و درخشندہ دن کی یاد،
چاہے ہم کسی دن کو اس کے واقعات و حادثات کے اعتبار سے اہمیت
دیں، یا اس سے حاصل ہونے والے نتائج کے اعتبار سے،
بعثتِ پیغمبرؐ کا دن،
ہر لحاظ سے تاریخِ انسانیت کا افضل ترین دن ہے۔
کیونکہ اسی دن انسانیت اپنے کمالات کے نقطۂ ارتقاء تک پہنچی اور
وہ پیغامِ الٰہی جسے بنی نوعِ انسان تک پہنچانے کے لیے ایک لاکھ سے زیادہ پیغمبر آتے رہے
تھے، قابَ قوسین کی بلندیوں تک پہنچا اور صاحبِ معراج نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
نے اپنی نبوت و رسالت کا اعلان فرمایا۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

پھر یہ کہ اگر عبادتوں ـــــ مذہبی اطاعتوں ـــــ اور ـــــ اعمال و وظائف پر نظر ڈالی جائے تو ظاہر ہے کہ سب کا طریقہ حضرت نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی بعثت کے بعد ہی رائج ہوا۔ اس لحاظ سے آج کا دن اُن سب کا بھی سرچشمہ ہے۔

اسی کے ساتھ یہ بھی غور کیجیے کہ ـــــ

باطل کے جتنے شیش محل، اعلانِ رسالتؐ کے بعد زمیں بوس ہوئے اور ظلم و ستم کے جتنے دستور کالعدم قرار دیئے گئے اور چیرہ دستیوں کی جتنی داستانوں کو اسلام نے ختم کیا ان کا خاتمہ اسی دن کا مرہونِ منت ہے۔

نیز کفر و شرک کی جتنی قدآور شخصیتیں پامال کی گئیں اور اسلامی عدل سے روشناس کرانے کے لیے جتنے ظالموں کو کیفرِ کردار تک پہنچایا گیا۔ ان کی تباہی کے لیے آج کا دن نقطۂ آغاز ثابت ہوا۔

لہٰذا آج کا دن تاریخِ انسانیت کے لیے ہر پہلو سے منفرد اور ممتاز دن ہے، کیونکہ آج خاتم الانبیاء نے اعلانِ رسالت فرمایا۔

اور اسی مناسبت سے میں آج آپ حضرات کے سامنے نبوت و رسالت کے ارتقائی مراحل کے بارے میں کچھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں تاکہ یہ واضح ہو سکے کہ انسانی تاریخ کے مختلف ادوار میں اس نے کس طرح ان مراحل کو طے کیا یہاں تک کہ ختمِ نبوت کی منزل آئی۔

❋ ❋

اس میں کوئی شک نہیں کہ پیغامِ الٰہی کے لیے ارتقائی مراحل طے کرنے کے متعدد منطقی اسباب ہیں۔ جن میں سے کوئی بھی سبب، یا کوئی بھی چند اسباب، اس ارتقاء و تجدد کی بنیاد ہو سکتے ہیں۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

مثلاً :

① پچھلی شریعت کے اغراض ومقاصد اپنی انتہا کو پہنچ گئے ، جس کے بعد اس کی ضرورت باقی نہیں رہی ۔ جس کے بعد ایک اور شریعت کی ضرورت پیش آئی جس کے کچھ منفرد اہداف ہوں اور وہ انسانیت کی خدمت کرتے ہوئے اسے ارتقائی منازل کی طرف لے چلے ۔ کیونکہ شریعت تو درحقیقت انسانی معاشرے کے امراض کا حقیقی اور بنیادی علاج ہے اور ظاہر ہے کہ انسانی معاشرے کو ماضی میں مختلف ادوار میں مختلف امراض لاحق ہوتے رہے جو اس کے فکر و نظر ، اخلاق اور روحانی کیفیت پر اثرانداز ہوتے رہے ۔ چنانچہ ان تمام امراض کے علاج کے لیے مناسب حال شریعتیں خداوند عالم کی طرف سے بھیجی جاتی رہیں ۔

اور یہ واضح بات ہے کہ جو طریقۂ علاج کسی ایک زمانہ میں کارگر ثابت ہوا ہو ، یہ ضروری نہیں ہے کہ دوسرے زمانہ میں بھی وہی طریقۂ علاج کارگر ثابت ہو ۔

جس طرح زخم کی نوعیت کے اعتبار سے پٹی بدلی جاتی رہتی ہے اسی طرح انسانی معاشرے کے زخموں کو مندمل کرنے کے لیے انبیائے کرام گویا پٹیاں تبدیل کرتے رہے ۔

لیکن یہ بھی ظاہری بات ہے کہ ہم لوگ اپنے زخموں کے علاج کے لیے متعدد قسم کی پٹیاں تو استعمال کرتے رہتے ہیں ، لیکن یہ پٹیاں ہر انسان کے لیے ہر زمانہ میں نہ مفید ثابت ہوتی ہیں ، نہ انھیں ہر مرض کی دوا قرار دیا جا سکتا ہے اور نہ ان کو وہ حیثیت

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

نصیب ہو سکتی ہے جو جسم انسانی میں غذا کو حاصل ہے۔ لہٰذا جو شریعتیں انسانی معاشرہ کے کسی خاص مرض کے علاج کے لیے پروردگار عالم کی طرف سے بھیجی گئی ہوں ان کا کام یہی ہوگا کہ اس مرض کے جتنے جراثیم موجود ہیں سب کا استیصال کر کے انسانی معاشرے کو اس مرض سے نجات دلا دے۔ جس کے بعد اس شریعت کے بھیجے جانے کا مقصد پورا ہو جائے گا۔ اور جب اس کا مقصد پورا ہو جائے گا تو اسے باقی رکھنے کی ضرورت بھی ختم ہو جائے گی۔

مثال کے طور پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر جس وقت شریعت نازل کی گئی اس وقت بنی اسرائیل کے تمام افراد اور ہر گروہ کے اندر دنیا پرستی اپنی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی۔ وہ لوگ سرتاپا دنیا کی محبت میں ڈوبے ہوئے تھے اور ایک ایسی نفسانی حالت ہو گئی تھی کہ قوم یہود نے درہم و دینار کو اپنا خدا بنا رکھا تھا اور پیسے کی محبت میں اندھے ہو رہے تھے۔

چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر جو شریعت نازل کی گئی اس میں روحانی پہلوؤں پر بہت زور دیا گیا اور دنیا کی مادی ضروریات سے رُخ موڑ کر اسے روحانیت کی طرف مائل کرنے کی بے حد کوشش کی گئی۔ یہاں تک کہ انسان کی سب سے بڑی خوبی یہ قرار دی گئی کہ وہ دنیا کے تمام بندھنوں سے بالکل آزاد ہو چنانچہ اسی طرز فکر نے رہبانیت کو ایجاد کیا، جو حد سے بڑھی ہوئی روحانیت کی تعلیم کا نتیجہ ہے۔ جس کی غرض یہ تھی کہ مادی ہوا و ہوس

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

کو کم کیا جائے۔

لیکن ظاہر ہے کہ اسے جس شدت کے ساتھ پیش کیا گیا وہ ایک عارضی اور وقتی علاج تو کہا جا سکتا ہے۔ انسانی معاشرے کے مسائل کا دائمی حل نہیں ہے۔

چنانچہ جب اس عارضی علاج کی ضرورت ختم ہوگئی تو اس شریعت کے منسوخ ہونے کا وقت آگیا۔

(۲) —— اسی طرح اگر کوئی شریعت نازل ہوئی اور سینکڑوں برس گزرنے کے بعد (لوگوں کی غفلت اور بے عملی کے سبب) اس کے اصول و قوانین کے ساتھ اس کی بنیادی تعلیمات بھی ضائع ہوگئیں تو ظاہر ہے کہ اب کسی نئی شریعت کا بھیجنا ناگزیر ہوگیا۔

اسے یوں فرض کیا جا سکتا ہے کہ :

بنی نوع انسان کی ہدایت و اصلاح اور انھیں اپنے پروردگار سے نزدیک کرنے کے لیے ایک شریعت نازل ہوئی، جس نے معاشرے سے برائیوں کو دور کیا۔ لیکن جیسے ہی وہ نبیؑ دنیا سے رخصت ہوا جس کے ذریعے وہ شریعت بھیجی گئی تھی ویسے ہی قوم نے اس کی تمام تعلیمات کو اس طرح مٹا دیا کہ سوائے تاریخی ریکارڈ کے اس کی کوئی حیثیت باقی نہ رہی، بلکہ وہ ایک قصۂ پارینہ بن گئی جس میں انسانی معاشرے کی اصلاح کی کوئی صلاحیت باقی نہ ہو۔

تو ظاہر ہے کہ ایک قصۂ پارینہ بن جانے کے بعد وہ شریعت ایک پیغام ربانی کی حیثیت سے معاشرے پر اثر انداز نہیں ہو سکتی

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

کیونکہ معاشرہ کی اصلاح کے لیے تو ایک روشن کتاب اور اس کی تاریکیوں کو دُور کرنے کے لیے ایک روشن چراغ کی ضرورت ہے اور ظاہر ہے کہ وہ روشن کتاب کچھ بنیادی اصول و قوانین پر مشتمل ہوگی۔ اب اگر وہ قوانین یکسر مٹا دیے جائیں تو ظاہر ہے کہ شریعت محض ایک قصّۂ پارینہ بن جائے گی جس کا معاشرے کی زندگی و موت سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔

ایسی صورت میں انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے ایک نئی شریعت کا آنا ضروری ہو جائے گا تاکہ انسانوں کا اپنے پروردگار سے تعلق استوار ہو، زمین پر پرچم توحید پھر لہرانے لگے اور عدل و انصاف کی میزان پھر قائم ہو جائے۔

چنانچہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی شریعت کے سلسلہ میں یہ پہلو بھی بالکل نمایاں نظر آتا ہے کہ جیسے ہی حضرت عیسٰی علیہ السلام ظاہری طور سے رخصت ہوئے، قوم نے پوری بساط لپیٹ دی، اور ان کی لائی ہوئی شریعت تاراج ہو گئی، حتیٰ کہ وہ انجیل بھی جو آپؑ پر نازل ہوئی تھی یکسر غائب ہو گئی۔

البتہ آپؑ کے بعض شاگردوں کی لکھی ہوئی انجیل باقی رہ گئی۔ لیکن ظاہر ہے کہ یہ انسانوں کی بنائی ہوئی انجیل ہے اور جو حضرت عیسٰی علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی وہ پروردگار عالم کی بھیجی ہوئی کتاب مقدس تھی۔ جس کے غائب ہو جانے سے اس شریعت کی تمام تعلیمات رخصت ہو گئیں اور آپؑ کے حواریوں کے پاس صرف شاگردوں کی بنائی ہوئی کتاب باقی رہ گئی جس

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سوانح حیات اور ان کے معجزات کرامات کے علاوہ کوئی خاص چیز نظر نہیں آتی اور ان کے کارہائے نبوت کے کچھ ایسے درخشاں اصول و قوانین ہی نظر آتے ہیں جن پر کوئی مستحکم عمارت قائم نہ ہو سکے ۔

تاریخ کی ورق گردانی سے صرف اتنا واضح ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک عظیم المرتبت نبیؑ تھے۔ جو تشریف لائے اور قوم کے لیے زندگی گزارنے کا ایک جامع دستور العمل بھی پیش کیا، مگر وہ دستور العمل کیا ہے ——— ؟

وہ کیسے ختم ہو گیا ——————— ؟

جناب عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے (دورِ حکومت کے) بعد کے لئے کیا پیغام چھوڑا ہے ——— ؟

ان کی شریعت کا آئین کیا ہے ——— ؟

یہ سب کچھ ایک راز سربستہ ہو کر رہ گیا اور ایک خلا پیدا ہو گیا۔ جسے پُر کرنے کی ناکام کوشش کے طور پر بعد کے عیسائی لیڈروں نے کچھ کام کیا۔ خاص طور سے جب سے رومن سلطنت اس کی حاشیہ نشین ہوئی اور عیسائیوں نے اسے اپنا حصہ قرار دیا !!

تو جب ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ نبیؑ کی لائی ہوئی کوئی چیز ہی باقی نہ رہے تو نئی شریعت کا آنا ضروری ہو جاتا ہے۔

❁ ❁

(۳) ——— اسی طرح اگر کوئی شریعت، خداوند عالم کی طرف سے صرف محدود زمانہ ہی کے لیے بھیجی گئی ہو ——— جیسا کہ احادیث

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

میں ہے کہ بعض انبیائے کرام تو تمام بنی نوع انسان کے لیے بھیجے گئے تھے لیکن بعض ایسے بھی تھے جو کسی خاص قبیلے یا خاندان کے لوگوں کی ہدایت کے لیے مبعوث کیے گئے تھے۔

اس بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ انبیائے کرام کا دائرۂ عمل ایک جیسا نہیں تھا بلکہ ہر ایک کی ذمہ داریاں اس کے ماحول اور حالات کے لحاظ سے جدا جدا تھیں اور ان ہی ذمہ داریوں کے مطابق اسے صلاحیتیں بھی ودیعت کی گئی تھیں۔ کیونکہ کرۂ ارض پر قدم رکھنے والا ہر انسان ایک جیسا نہیں ہے اور نہ ہر دور کے تقاضے یکساں ہوتے ہیں۔ اس لیے انبیائے کرام کی ذمہ داریاں بھی مختلف رہیں۔

پھر یہ کہ انبیائے کرام کے درجات بھی مختلف تھے اور ان تک پہنچنے والی وحی کا انداز بھی الگ الگ تھا اور ان کے درجات ہی کے اعتبار سے ان کا دائرۂ کار بھی الگ الگ رہا ہے۔ چنانچہ وہ انبیاء جو صرف ایک دور، ایک شہر یا ایک خاندان کی اصلاح کر سکتے تھے اور ایک محدود حد تک مصائب و آلام برداشت کر سکتے تھے، انھیں اتنا ہی حکم دیا گیا۔ اور جو نبیؐ تمام دنیائے انسانیت کی اصلاح کر سکتا تھا اور اس راہ میں پیش آنے والے تمام مصائب و آلام برداشت کر سکتا تھا اسے ذمہ داری بھی اتنی ہی بڑی دی گئی۔

(۴) — اسی کے ساتھ یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ چونکہ خود قافلۂ انسانیت متعدد مراحل سے گزرا ہے۔ اس نے تدریجی طور سے ارتقائی منازل کو طے کیا ہے اور متعدد شریعتوں کے زیر سایہ پروان

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

چڑھ کر وہ اس درجۂ کمال تک پہنچا ہے کہ اب ایک جامع اور
ابدی قانون کا ادراک کرنے کی اس میں صلاحیت پیدا ہوئی ہے
اور اسے ایک ہمہ گیر دستور العمل کا امین بنایا جاسکتا ہے اور
جب قافلۂ انسانیت اس منزل تک پہنچ گیا تو اس کے لیے
اسلام کی شکل میں ایک دائمی قانون نافذ کر دیا گیا۔

اس ارتقا ر تطور کے خدوخال واضح کرنے کے لیے کچھ مزید تفصیلی گفتگو
مناسب معلوم ہوتی ہے:

اس سلسلے میں ارتقائی مراحل کو مختصر الفاظ میں سمیٹنے کے لیے اس کی
تین سمتیں مقرر کر سکتے ہیں۔ لیکن ان تین سمتوں میں سے بھی نبوت کے ارتقائی مراحل کا
براہ راست تعلق صرف دو سمتوں سے ہے۔ مجموعی طور سے وہ تین جہتیں یہ ہیں:

- توحید کا شعور،
- بارِ نبوت کی اخلاقی و سماجی ذمہ داریاں،
- فطرت اور کائنات پر اقتدار۔

۱

ظاہر ہے کہ مندرجہ بالا تین جہتوں میں سے صرف دو ہی جہتیں ایسی ہیں جن
کا "قافلۂ انسانیت اور ارتقائے رسالت" کے موضوع سے براہ راست تعلق ہے۔
کہ قوم کے اندر توحید کا شعور کتنا بلند ہے اور بارِ نبوت کی ذمہ داریاں
اٹھانے کی صلاحیت کتنی زیادہ ہے۔ جہاں تک فطرت اور کائنات پر اقتدار ملکوتی کا
تعلق ہے وہ اس سے الگ ہے۔

کیونکہ نبیؐ کا کام یہ ہے کہ انسان کے نفس کی اصلاح کرے ـــــ

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

تاکہ نفسِ انسانی کی ایسی اعلیٰ تربیت کر دی جائے کہ معاشرے سے بُرائی کا خاتمہ ہو جائے اور اس کے لیے توحید کا شعور اور پروردگارِ عالم کے وجود کا لوگوں کے دلوں میں زیادہ سے زیادہ احساس بیدار کرنا ضروری ہے تاکہ انسان ہر کام میں اس کی رضا ملحوظ رکھے۔

چنانچہ جب سے انسان اس کرۂ ارض پر زندگی گزار رہا ہے ــ تمام انبیائے کرام کی تعلیمات کی اساس و بنیاد اسی بات پر نظر آتی ہے کہ لوگوں کے اندر زیادہ سے زیادہ خدا کا احساس پیدا کیا جائے۔ لیکن دین اور وحدانیت کا شعور ہر دور میں ایک جیسا نہیں رہا ہے۔

بلکہ اذہان میں اُس کے راسخ ہونے اور گہرائی تک اثر انداز ہونے کے اعتبار سے اس میں بھی مدارج کا فرق نظر آتا ہے۔

چنانچہ وہ مادی انسان جو سر سے پیر تک دنیا کے عارضی اور وقتی فوائد کے حصول میں لگا ہوا ہے اُسے تدریج اس منزل کی طرف لانے کی سعی ضروری ہے۔

اس لیے ایسے شخص کو عالمِ بالا کی باتیں رفتہ رفتہ اور تھوڑی تھوڑی کر کے ذہن نشین کرائی جائیں گی۔

چنانچہ توریت، انجیل اور پھر قرآن مجید میں نظریہ توحید پر جس انداز سے گفتگو کی گئی ہے وہ ہمارے اس خیال کی بھرپور تائید کرتا ہے۔

لیکن ظاہر ہے کہ ہم اسی توریت و انجیل کے بارے میں رائے دے سکتے ہیں جو اس وقت ہمارے درمیان موجود ہے۔

ان دونوں کتابوں میں "پروردگار" یا "معبود" کا جو تصور پیش کیا گیا ہے وہ تقریباً علاقائی بندھنوں میں جکڑا ہوا نظر آتا ہے۔ حضرت موسیٰؑ کے زمانہ میں اُن کی قوم کے حوالے سے ـــــــ اور ـــــــ حضرت عیسیٰؑ کے زمانہ میں ان کی اپنی قوم کے حوالے سے۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس طرح سے بھی توریت وانجیل نے قوم کو بت پرستی سے بچانے کی کوشش کی ہے لیکن اندازِ خطاب ایسا نہیں ہے جو تمام دنیائے انسانیت کے لیے ہمہ گیر ہو۔

مثال کے طور پر توریت میں جب قوم کے سامنے معبود کا تصور پیش کیا جاتا ہے تو اس انداز سے نہیں کہ وہ کائنات کا پروردگار ہے ___

بلکہ اس انداز سے کہ ___

وہ قوم بنی اسرائیل کا خالق ہے۔

اور جس قوم میں نبی مبعوث ہوا ہے اسی قوم کے حوالہ سے خدا کو بھی یاد دلایا گیا ہے۔

چنانچہ معاشرے میں جو بت پرستی پھیلی ہوئی تھی اس کے خلاف جب توریت میں آواز بلند کی گئی تو لوگوں سے یہ نہیں کہا گیا کہ : ___

"ان مادی بتوں کو چھوڑ کر اس پروردگار کی عبادت کرو جو پوری کائنات کا پیدا کرنے والا ہے۔"

بلکہ یہ کہا گیا کہ : ___

"اس خدا کی عبادت کرو جو اس قوم کا خالق ہے۔"

یہ اندازِ خطاب بتا رہا ہے کہ ابھی قوم وملت کا شعور اتنا بلند نہیں ہوا ہے کہ انھیں بتوں سے روگرداں کرنے کے لیے پوری کائنات پر غور وفکر کی دعوت دی جائے ابھی وہ لوگ جو کچھ سمجھ سکتے ہیں وہ ان کے سطح ذہن کے مطابق ہی ہونا چاہیے۔

قومیت ___ خاندانی روابط ___ اور ___ قبائل کی باتوں کو وہ بہتر طور سے سمجھ سکتے تھے، اس لیے انھیں اسی لہجہ میں سمجھایا گیا۔ جو اس وقت کے لحاظ سے توضیح ہو سکتا ہے لیکن بعد میں اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان لوگوں نے گویا خدا کو "قومیانے" کی کوشش کر دی۔ اور ان کے ذہنوں میں یہ بات راسخ ہوتی چلی گئی کہ باقی

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

لوگوں کے لیے تو یہ سب اصنام ہیں، ہمارے لیے ہمارا اپنا معبود ہے۔

چنانچہ قرآن کریم کی آیات میں ان لوگوں کے اس محدود تصورِ توحید کی طرف اشارے موجود ہیں۔

توریت کے بعد انجیل کا دور شروع ہوا۔

اس کتاب نے خدا کے تصور کو کسی قبیلے یا خاندان کے ساتھ تو مخصوص نہیں کیا، بلکہ اسے پوری دنیا کا خالق تسلیم کیا گیا جس میں کسی علاقے یا قبیلے کا کوئی فرق نہیں ملحوظ رکھا گیا۔

البتہ ابھی چونکہ انسانی ذہن پوری طرح مادی رشتوں سے ماورا ہو کر سوچنے کے قابل نہیں ہوا تھا اس لیے تمام انسانوں کے خالق کو باپ کے طور پر پیش کیا گیا۔ کہ جس طرح ایک باپ کے بہت سے بیٹے ہوتے ہیں، خدا دنیا بھر کے تمام انسانوں کے لیے باپ کے مانند ہے اور ہر انسان اس کا فرزند ہے ——————،

اس لیے تمام انسانوں کے درمیان اخوت اور بھائی چارگی کا رشتہ ہونا چاہیے۔

انجیل نے صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ہی خدا کا بیٹا نہیں قرار دیا بلکہ متعدد انجیلوں کو سامنے رکھ کر مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ تمام انسانوں کو خدا کا بیٹا قرار دیا گیا ہے جو دنیا کے مختلف علاقوں میں رہتے ہیں، متعدد زبانیں بولتے ہیں اور مختلف سماجی اور دینی اقدار کو اپنائے ہوئے ہیں۔

لیکن اس کے بعد جب ہم قرآن کریم کی آیات پر نظر ڈالتے ہیں تو وہاں اندازِ خطاب یکسر بدلا ہوا نظر آتا ہے۔

اب نہ قومیت کا حوالہ ہے نہ خاندانی رشتوں کا ——————

—————— بلکہ ایک ایسی ذات کا تصور پیش کیا گیا ہے جو سب کی خالق ——————

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

سب کی رازق ـــــ سب کی پروردگار ـــــ سب پر قادرِ مطلق ہے لیکن
نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ خود کسی کی اولاد ہے نہ کوئی اس کا ہمسر ہے۔
لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ۔
حتّٰی کہ خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جن کو اشرفِ موجودات
بھی قرار دیا گیا ہے اور باعثِ تخلیق کائنات بھی، وہ بھی خدا کے بندے ہی ہیں ـــــ
اور ان پر بھی احکامِ خداوندی کی کامل اطاعت فرض ہے۔
اور اس طرح خدا کی ذات کو ہر قسم کے دنیاوی علائق سے منزّہ
قرار دیا گیا ہے۔
اور یہ وہ اندازِ فکر ہے جو سابقہ شریعتوں سے یکسر مختلف نظر آتا ہے۔ جبکہ
یہی وہ توحید خالص ہے جس کے تمام انبیائے کرام نگراں و پاسباں تھے ـــــ
(لیکن جب تک فکرِ انسانی میں اس کی قبولیت کا رشد پیدا نہیں ہوا تھا
اس وقت تک اندازِ خطاب میں وہ ہمہ گیری بھی پیدا نہیں ہوئی۔
اور جیسے جیسے شعور میں پختگی آتی گئی، اندازِ خطاب میں بھی وسعت و
گہرائی پیدا ہوگئی، یہاں تک کہ قرآن نے اسے نقطۂ کمال تک
پہنچا دیا)

❁

۲

جیسا کہ ہم نے چند صفحات قبل عرض کیا ہے۔ نظریۂ توحید کے بعد دوسرا پہلو
"بارِ نبوت کی اخلاقی وسماجی ذمہ داریوں" کا ہے ـــــ کہ انسان کے اندر اتنی
صلاحیت ہو کہ وہ اس کا پورا حق ادا کر سکے۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

اور ظاہر ہے کہ اس کے بھی درجات ہیں اور اچانک یہ کام کسی کے سپرد نہیں کیا جاسکتا تھا کہ وہ ایک عالمی پیغام کی نشر و اشاعت شروع کر دے جس کے لیے پہلے سے کوئی بنیادی کام نہ کیا گیا ہو۔

(چنانچہ آنحضرتؐ کو مبعوث برسالت کرنے سے پہلے اتنی کثیر تعداد میں انبیاء بھیجے گئے کہ سب کی مجموعی تعداد (بشمول پیغمبر اکرمؐ) ایک لاکھ چوبیس ہزار تک پہنچی)

تو دینِ مبین کا یہ کام اچانک نہیں شروع کر دیا گیا جس کی تاریخ میں کوئی مثال ہی نہ رہی ہو، نہیں ——— ! بلکہ شریعت متعدد ارتقائی مراحل کو طے کرتی ہوئی نقطۂ کمال تک پہنچی ہے۔

قافلۂ انسانیت ہزاروں برس کے وعظ و تبلیغ اور رشد و ہدایت کے بعد اس قابل ہوا کہ اس کے سامنے ایک ایسا دستورِ حیات پیش کیا جائے جو زمان و مکان کی وسعتوں کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہو۔

ظاہر ہے کہ سابقہ اقوام کو گزشتہ انبیاء کی طرف سے جو ذمہ داریاں سونپی گئیں وہ رشد و ہدایت ہی سے متعلق تھیں ——— اور ہم جب حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے زمانے کی باتوں کا حضرت خاتم الانبیاءؐ پر نازل ہونے والی وحی سے مقابلہ کرتے ہیں تو زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ افکارِ بشریت میں ارتقاء کے بہت سے نمونے نظر آتے ہیں۔

کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قوم کی ہدایت کے لیے شب و روز جد و جہد کی ——— بڑی بڑی قربانیاں دیں ——— اور جو کچھ ان کے امکان میں تھا سب کچھ کیا ——— ؟

لیکن جس وقت آپ کا انتقال ہوا ہے، قوم بنی اسرائیل وادیٔ تیہ میں تھی

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی ہی میں ان کے احکام سے اتنی برگشتہ، اور ان کی اس حد تک نافرمان ہو چکی تھی کہ ان کی کوئی بات سننے کو تیار نہ تھی۔

حتیٰ کہ خداوند عالم نے انھیں سزا کے طور پر حضرت موسیٰؑ کے بعد چالیس برس تک اسی وادی میں سرگرداں رکھا ——— کہ بھٹکتے پھرتے تھے اور وادی سے نکلنے کا راستہ نہیں ملتا تھا۔

۳

تیسرا پہلو "کائنات پر انسان کا اقتدار" ہے۔

لیکن جیسا کہ ابتدا میں عرض کیا گیا تھا یہ بارِ نبوت سے الگ چیز ہے۔

انبیاء و معصومین کا کام بنی نوعِ انسان کو کفر و ضلالت سے نکال کر ایمان و ہدایت کی طرف لانا ہے ——— اور کائنات کے اندر چھپی ہوئی اللہ کی نعمتوں کو کرید کرید کر سامنے لانا اور ان سے فائدہ اٹھانا، قافلۂ انسانیت کا وہ کام ہے جسے لوگ اپنی ضروریات کے اعتبار سے خود ہی انجام دیتے رہے ہیں اور انجام دیتے رہیں گے۔

پھر جب زمین کی گہرائیوں سے سیر ہو جائیں گے تو ———

آسمانوں پر کمند ڈالیں گے ——— اور اس میں بھی جتنا دور جا سکے جائیں گے۔

(قرآن نے بھی بنی نوع انسان کو واضح طور سے توجہ دلائی ہے کہ سَخَّرَ لَکُمۡ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ۔ زمین و آسمان کے اندر جو کچھ ہے انسان کے لیے مسخر کر دیا گیا ہے "تابع فرمان بنا دیا گیا ہے تو اب انسان اس آسمان و زمین کے درمیان جو کامیابیاں بھی حاصل کرتا ہے

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

وہ قرآن کے اس اعلان کے تحت ہیں)

اور انبیائے کرامؑ نے بھی کسی دور میں بنی نوع انسان کو تسخیرِ کائنات سے نہیں روکا۔

بلکہ انبیا کا کام تو یہ بتانا ہے کہ تم جس قسم کے بھی وسائل حیات پر قدرت رکھتے ہو ——— ——— اچھے انسان اور خدا کے فرماں بردار بن کر رہو۔ کیونکہ آسمان و زمین کے درمیان اللہ کی جو نعمتیں بکھری ہوئی ہیں وہ تو انسانی زندگی کے وسائل ہی کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ایک دور وہ تھا جب انسان سفر کے لیے چوپایوں کو وسیلہ بناتا تھا۔ پھر گاڑیوں اور ہوائی جہازوں کو وسیلہ بنایا پھر راکٹ وغیرہ بھی عام استعمال میں آجائے گا۔

لیکن ان تمام مراحل میں پیغام الٰہی ایک ہی رہا:

"اے اللہ کے بندو! اللہ کے بندے بن کر رہو۔"

اور انبیائے کرام بندوں تک خدا کے پیغام کو پہنچاتے رہے ——— !

اور چونکہ تسخیرِ کائنات کا عمل انبیائے کرامؑ کے مشن سے کسی طرح بھی متصادم نہیں ہے بلکہ دین کی تعلیمات انسانی قافلہ کے ان تمام ارتقائی مراحل پر محیط ہے اس لیے اب یہ عمل چاہے کسی منزل تک پہنچ جائے ———،

کسی نئے نبی کی ضرورت پیش نہیں آسکتی ———؛

کیونکہ اسلام نے ان تمام مراحل کو طے کرلیا ہے اور اس کی تعلیمات کے اندر ہر مرحلہ کے بارے میں واضح ہدایات موجود ہیں۔

کیونکہ دین اسلام اس کامل ترین دستورِ زندگی کا نام ہے جو قافلۂ انسانیت کو بندگی کے نقطۂ کمال تک پہنچانے کی بھرپور صلاحیت ہر دور اور ہر زمانہ کے مطابق لے کر آیا ہے۔

تاکہ انسان ہر دور میں اپنی ذمہ داریوں کو سمجھ سکے۔

اور اب جبکہ اسلامی شریعت کو دنیا میں آئے ہوئے ۱۴سو برس گزر

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

چکے ہیں یہ بات نکھر کر سامنے آرہی ہے کہ ——————

توحید کا جو تصور قرآن کریم نے پیش کیا ——————

اور پیغامِ الٰہی کی جو ذمہ داریاں حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

کے ذریعہ امت تک پہنچیں —————— وہ انسانی ہدایت کا اوج کمال اور نقطۂ

معراج ہے جس میں کسی تغیّر و تبدّل کا کوئی امکان نہیں ۔

پروردگارِ عالم ہم سب کو اس دستورِ حیات کے مطابق زندگی گزارنے

کی توفیق عطا فرمائے ۔ آمین

والحمد للہ رب العٰلمین ۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

(۴)

آنحضرتؐ کی وفاتِ حسرت آیات
اور
ہماری محرومیاں

(۲۸ صفر)

آج ہم ایک ایسے موقع پر جمع ہوئے ہیں جس دن دنیائے انسانیت سب سے بڑی محرومی سے دوچار ہوئی ـــــــــ اور اس محرومی کے بھی دو پہلو نظر آتے ہیں۔

ایک طرف ـــــــــ

دنیا نزولِ وحی سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو گئی، اور ظاہر ہے کہ انسانیت کی پوری تاریخ میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی اور نہ اپنے تقدس و جلال کے اعتبار سے کوئی چیز نزولِ وحی کا مقابلہ کر سکتی ہے۔

اور دوسری طرف ـــــــــ

وفاتِ رسولِ مقبولؐ کے ساتھ ہی، ایک منظم سازش کے تحت مسلمانوں کو اس راستے سے ہٹانے کی کوشش کی گئی جس پر آنحضرتؐ انھیں چلانا چاہتے تھے۔ چنانچہ اس سازش کی بنا پر امتِ مسلمہ ایسے انحراف کا شکار ہوئی کہ ہمیشہ داخلی انتشار اور باہمی

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

خلفشار کا شکار رہی اور خدا و رسولؐ کے مقرر کردہ راستہ سے ہٹ گئی۔

نزول وحی کا وہ مقدس و مبارک عرصہ جو بعض روایات کے مطابق، ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیائے کرام کی حیاتِ طیبہ پر محیط نظر آتا ہے وہ آج ہی جیسے المناک دن میں (۱۱ سنہ ہجری میں) ختم ہو گیا اور پھر آنحضرتؐ کی آنکھ بند ہوتے ہی ایسے مصائب و آلام، رنج و محن اور حادثات و ابتلاءات کا آغاز ہو گیا جو تاریخ اسلامی کی ایک خونچکاں داستان ہے۔ چنانچہ پیغمبرؐ کی وفات کے فوراً بعد (قوم نے پیغمبر اکرمؐ کے بعد سقیفہ میں جو کارروائی کی اس کے بارے میں زیارت جامعہ کے یہ الفاظ قابلِ غور ہیں):

"بیعتهم التی عمت سؤمها الاسلام، وزرعت فی قلوب الامة الاثام وعنفت سلمانها، وضربت مقدادها ونفت جندبها وفتحت بطن عمارها، واباحت الخمس للطلقاء واولاد الطلقاء وسلطت اللعناء علی المصطفین الاخیار وابرزت بنات المهجرین والانصار الی الذلة والمهانة وهدمت الکعبة واباحت المدینة وخلطت الحلال بالحرام ......) الی غیر ذلک من الاوصاف۔"

(یہ اس دن کی بیعت ہی تھی جس نے اسلام پر مصیبت ڈھائی، امت کو گناہ و معصیت کا خوگر بنایا، سلمان، مقداد، جندب، عمار اور ان جیسے مخلص باوفا حضرات) پر عرصۂ حیات تنگ کیا۔ خمس (جو آل محمدؐ کا مخصوص حق تھا) اسے طلقاء اور اولادِ طلقاء (ابوسفیان اور اس کی اولاد)

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

تک پہنچنے کا موقع فراہم کیا۔ اور جن لوگوں پر خدا و رسولؐ نے لعنت کی تھی انھیں اہلبیتِ رسولؐ کی گردنوں پر مسلط کرنے کی راہ ہموار کی اور یہ بات اس حد تک پہنچی کہ مہاجرین اور انصار کی بچیوں اور لڑکیوں کی عزت بھی محفوظ نہیں رہی۔ حتیٰ کہ اسی شجرۂ خبیثہ کی ایک شاخ (یزید) کے دور میں حرمتِ کعبہ بھی تباہ ہوئی، مدینہ بھی تاراج ہوا اور حرام و حلال کو اس طرح مخلوط کرنے کی بھرپور کوشش کی گئی کہ کوئی امتیاز باقی نہ رہ جائے۔۔۔ اسی طرح کے ان گنت مصائب اسی بیعت نے ایجاد کیے۔)

جیسا کہ اس کے بارے میں ہم نے کچھ گفتگو (سابقہ تقریروں میں) کی ہے اور کچھ ابھی اس کے بعد کریں گے۔ لیکن فی الحال اس مصیبتِ کبریٰ کے پہلے جز یعنی نزول وحی کا سلسلہ منقطع ہو جانے کے بارے میں کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں:

نزولِ وحی کا سلسلہ اسی وقت سے جاری تھا جب سے پہلے انسان (حضرت آدمؑ) نے زمین پر قدم رکھا تھا۔ اور یہ وہ سلسلہ تھا جو ایک بندہ کو براہ راست الٰہی خطاب کی منزل پر لانے والا تھا۔

لیکن آج کی تاریخ ——— یہ سلسلہ ہمیشہ کے لیے منقطع ہو گیا۔

چنانچہ روایات میں ہے کہ جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رحلت فرمائی۔ جبرئیلِ امین نے زمین پر حسرت بھری الوداعی نگاہ ڈالی اور خدا حافظ کہہ کر رخصت ہو گئے ———— !

اور اس طرح، آنحضرتؐ کی رحلت کے ساتھ ہی دنیائے انسانیت، وحیِ الٰہی کے ذریعہ اللہ سے ارتباط سے محروم ہو گئی۔

اس لحاظ سے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آج نزولِ وحی اور انسان کے اس الٰہی ارتباط کے بارے میں کچھ گفتگو کروں:

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

وحی

وحی درحقیقت انسان کی زمین پر جاودانی زندگی کا ایک سربستہ راز ہے اور پروردگار عالم نے جب پہلے انسان کو پیدا کیا تو اس کے اندر یہ صلاحیت بھی ودیعت کی تھی کہ خداوند عالم سے براہِ راست پیغام حاصل کرسکے اور اس کی دو لحاظ سے ضرورت تھی جس میں سے ہم فی الحال صرف ایک پہلو کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں:

انسان عقل وشعور کا مالک بھی ہے اور احساسات کا بھی۔ لیکن احساسات کا پہلو عام طور سے غالب نظر آتا ہے۔ کیونکہ عقل وشعور کے اعتبار سے وہ جن چیزوں کا ادراک کرتا ہے ان پر اگرچہ یقین کامل رکھتا ہو مگر پھر بھی وہ ادراک اسے صرف ایک حد تک جھنجھوڑنے اور کارگاہ عمل میں آنے پر آمادہ کرتا ہے۔

اس کے برخلاف اگر اس کے احساسات پر ضرب پڑے تو اشتعال جیسی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے جس کا اثر اس کے افکار وخیالات اور وجدان وتاثرات سب پر پڑتا ہے۔

اور یہ محض اتفاق نہیں ہے کہ تاریخ بشریت میں جتنے انقلابات آئے۔ ان میں عقل وشعور کے ادراکات نے ویسا فعال کردار نہیں ادا کیا جیسا احساسات کی ولولہ انگیزی نے اپنا کرشمہ دکھایا۔

اور انسان کی اس فطرت کو خالق دوجہاں نے اپنی شریعتوں کے نزول کے موقع پر بھی ملحوظ رکھا ہے۔ چنانچہ یہ بات بھی محض اتفاقی طور پر پیش نہیں آئی کہ ہر نبی نے اپنی نبوت کو ثابت کرنے کے لیے معجزہ بھی دکھایا۔ چونکہ انسان عقلی دلائل کے بجائے معجزہ سے زیادہ متاثر ہوتا ہے، اس لیے انبیاء کو معجزات بھی عطا کیے گئے۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

اور یہ بات واضح ہے کہ انسان فکر و نظر اور معرفت کی منزل میں عقل سے زیادہ احساسات سے متاثر ہوتا ہے۔ اس بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ ــــــــــ

انسانی معاشرے کی تربیت کے لحاظ سے عقلی اور منطقی دلائل کا اثر بہت کم اور احساسات کو جھنجوڑنے والی چیزوں کا اثر بہت زیادہ ہے۔

گویا حسیات، عقلیات پر غالب ہیں۔

اس لیے محض انسان کی عقل پر بھروسہ کر کے اسے چھوڑ دینا صحیح نہیں تھا۔ بلکہ ہر دور میں ایسے افراد کا موجود ہونا ضروری تھا جو اپنے قول و عمل کے اعتبار سے انسانی افکار کے ساتھ اس کے احساسات کو بھی بیدار کر دیں۔

اور وہ تربیت بھی ایسی ہو جو افکار ربانی کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ہو۔ چنانچہ تاریخ انسانیت کی ابتدا سے آج کی نہایت ترقی یافتہ دنیا تک کوئی انسان اس حسی تربیت سے بے نیاز نہیں رہا ہے۔

اسی بنا پر عالم انسانیت میں جو بھی ترقی ہوئی اور حالِ حاضر میں یورپی تمدن کی مقبولیت کی ایک بڑی اور بنیادی وجہ ان کے تمدن کا حسی پہلو ہی ہے۔ گو کہ درحقیقت ان کا نظام ظلم و ناانصافی کا منبع ہے لیکن کیونکہ اس نظام میں لوگوں کے حسی پہلو کو متاثر کرنے کی صلاحیت ہے اس لیے آج یورپی تمدن لوگوں پر زیادہ اثر فرما ہے گو کہ وہ آسمانی تعلیم سے جدا ہے ــــــــــ

اور اسی لیے ہم نے یہ بات عرض کی کہ ــــــــــ

آدمی کی زندگی میں حسی پہلو بھی نمایاں ہونا چاہیے تاکہ عدل و انصاف کی اچھائی، ظلم کی برائی اور معاشرے کے مظلوم طبقہ کی محرومیوں کا اتنا شدید احساس ہو کہ وہ ان کا بہترین حل پیش کر سکے۔

نبیؐ کو خدا سے کامل ارتباط کے ساتھ ساتھ حسیات کا اتنا گہرا شعور اس لیے عطا

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

کیا جاتا ہے کہ وہ معاشرے کی تمام ناسامانیوں کا اس طرح مشاہدہ کرے جس طرح لوگ کرتے ہیں اور اس طرح محسوس کرے جس طرح محروم طبقات اپنی محرومیوں کو محسوس کرتے ہیں۔

یہ احساس ہر انسان کے اندر کسی نہ کسی حد تک تو موجود ہی رہتا ہے، لیکن امکان سے عملی اقدام تک کی منزل میں بڑا فاصلہ ہوتا ہے، جس کے لیے خاص حالات کی ضرورت ہے جس کی بنا پر ایک شخص میں یہ احساس کم ہوتا ہے دوسرے میں زیادہ۔

جس طرح سے کہ چیزوں کے حصول کی خواہش انسان کی فطرت میں داخل ہے لیکن انسان پیدا ہوتے ہی ہر چیز کی تمنا نہیں کرنے لگتا۔ بلکہ جب کارگاہِ حیات میں قدم رکھتا ہے تو متعدد مراحل میں، مختلف چیزوں کے حصول کی تمنا بیدار ہوتی ہے۔

بعینہٖ اسی طرح معاشرتی اقدار کا احساس بھی انسان کے اندر یکلخت نہیں پیدا ہو گیا۔ ہو سکتا ہے کہ ہزاروں برس تک دنیا کے لاکھوں افراد اس طرح گزرے ہوں کہ ان کے اجتماعی احساس کو مہمیز کرنے والے حالات ہی پیش نہ آئے ہوں۔

کیونکہ یہ احساس، جسمِ انسانی میں ایک "خام مال" کی حیثیت رکھتا ہے، جس کی صحیح تربیت کرنے اور درست اسلوب سے اس کی نشوونما کرنے کی ضرورت ہے۔ جس کے تفصیلی بیان کا یہاں محل نہیں ہے۔

اس عظیم انسانی تربیت اور احساسات کی صحیح نشوونما کے لیے خداوند عالم نے اپنے لطف و کرم اور خصوصی عنایت سے انبیاء و مرسلین کو منتخب کیا اور ان کے نفوس میں وہ بلندی عطا کی کہ تمام معقولات گویا ان کے لیے بدیہی شکل میں نگاہوں کے سامنے موجود ہوں۔ اور جن باتوں کے بارے میں عام انسانوں کو غور و فکر کی ضرورت ہوتی ہے وہ ان کے سامنے بالکل عیاں اور آشکار ہوں۔

جہاں تک ذہن انسانی کا تعلق ہے تو بہت سے اچھے افکار اس پر وارد ہوتے رہتے ہیں لیکن وہ حتمی طور سے اس کے سرچشمہ کو نہیں جانتا۔ (بندۂ مومن) یہ تو سمجھتا ہے

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

اور یقین رکھتا ہے کہ ذہن میں پیدا ہونے والے ان افکارِ حمیدہ کا موجد بھی ذاتِ کردگار ہے

لیکن یہ ایمان محض عقلی ہوتا ہے حسّی نہیں ہوتا۔

بس یہ یقین ہوتا ہے کہ چونکہ علم و معرفت اور صفات حمیدہ کا سرچشمہ ذاتِ کردگار ہے اس لیے یہ نیک خیال بھی اسی نے ایجاد کیا ہے۔

لیکن ظاہر ہے کہ کسی بات کو صرف فکر و خیال کی حد تک درک کر لینا اور ہے اس کا مشاہدہ بن جانا اور ہے۔

مثلاً اگر ہم اوپر کی طرف سے پتھر آتا ہوا دیکھیں تو ہم ضرور یہ محسوس کریں گے کہ اسے کسی نے پھینکا ہے۔ اسی طرح اگر بلندی سے کوئی قطرۂ بارش ٹپکتا ہوا نظر آئے تو لازمی طور پر یہ احساس ہوگا کہ اللہ کی رحمت نازل ہو رہی ہے ——————

اور بعض اوقات کسی چیز کا ادراک اتنا قوی نہیں ہوتا کہ اسے وجدانی کہا جائے

انسان یہ تو محسوس کرتا ہے کہ ایک روشنی فکر و خیال کے اندر موجود ہے ——————

لیکن یہ ادراک نہیں کر پاتا کہ اس روشنی کا اصل سرچشمہ کیا ہے۔

بندۂ مومن شعوری طور پر یہ محسوس کرتا ہے کہ یہ افکار جو اس کے ذہن میں پیدا ہوتے رہتے ہیں خداوندِ عالم کی طرف سے اس پر القا کیے جا رہے ہیں جو تمام نیکیوں اور ہدایات کا سرچشمہ ہے۔

بعض اوقات انسان کے ذہن میں پیدا ہونے والے یہ الٰہی احساسات اتنے قوی ہوتے ہیں کہ انسان ہر پہلو اور ہر زاویے سے ان کا ادراک اس شدت سے کرتا ہے کہ گویا یہ خیال نہ ہو اس کی سماعت و بصارت کے سامنے ایک جیتا جاگتا واقعہ ہو۔

جیسا کہ بعض روایات میں یہ ذکر بھی پایا جاتا ہے کہ عالی مرتبت انبیاء کرامؑ فرشتۂ وحی کو دیکھتے بھی تھے اور اس کی آواز کو سنتے بھی تھے۔

اس قوی احساس کے ساتھ یہ بھی ممکن ہے کہ اس عظیم المرتبت انسان کو جسے

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

نبی بنایا جا رہا ہے، حقیقت حال کے ہر پہلو سے اس طریقے سے باخبر کر دیا گیا ہو کہ وہ اپنی تمام توانائیوں اور قوتوں کے ساتھ ذاتِ الٰہی سے حقیقی ارتباط کا ادراک کر رہا ہو۔

❋ ❋

بعض انبیاء کے یہاں فرشتۂ وحی کے ادراک کی نوعیت اس سے قدرے مختلف نظر آتی ہے۔ جیسے یہ بات کہ ———

انھوں نے فرشتے کی آواز تو سنی مگر اس کو نہیں دیکھا!

یہ بھی ایک ملکوتی ادراک ہے مگر اس درجہ کا نہیں ہے جس میں خود فرشتہ کا پیکر بھی نظر آئے۔

اور بعض انبیاء کے یہاں تو وحی کا اس سے بھی کمتر درجہ نظر آتا ہے۔ جس میں نہ تو فرشتہ کا پیکر نظر آیا اور نہ شعوری طور پر اس کی آواز سنی بلکہ خواب کے عالم میں وحیِ الٰہی نازل ہوئی اور نبی تک خدا کا پیغام پہنچا دیا گیا۔

لہٰذا یہ بات بلا تامل کہی جا سکتی ہے کہ انبیاء پر وحی نازل ہونے کی کیفیتوں میں مختلف مراحل نظر آتے ہیں۔ مثلاً:

ادراکِ محض ——— خواب کے ذریعے وحی ——— عالمِ بیداری میں فرشتے کی آواز سننا ——— کمال توجہ جس میں آواز بھی سنی جا رہی ہو اور فرشتے کو دیکھا بھی جا رہا ہو۔

ان درجات کے درمیان بھی کچھ اور حدود فرض کی جا سکتی ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں اس بات کی طرف ان لفظوں میں توجہ دلائی گئی کہ ———

ہم نے بعض انبیاء کو بعض پر فضیلت دی ہے۔

اور درجات کے اسی فرق کو پیش نظر رکھتے ہوئے رسول، نبی، محدّث، اولوالعزم وغیرہ کی اصطلاحات قائم کی گئیں۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

سب سے کامل وحی وہ تھی جو حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر نازل ہوئی جس میں جبرئیل امین آنحضرتؐ کے پاس اپنے پورے وجودی پیکر کے ساتھ آتے تھے ــــــــ اور جس طرح ہم اپنے دوست یا ساتھی کے ساتھ باتیں کریں اس سے بھی زیادہ قربت اور یگانگت کے ساتھ جبرئیل ان سے باتیں کرتے تھے۔

وحی کامل کی اسی قربت کی بنا پر آنحضرتؐ کا اپنے پروردگار سے جو ارتباط ہے وہ اعلیٰ ترین نمونہ قرار دیا جا سکتا ہے اور خدا سے اسی کامل قربت کی بنا پر آنحضرتؐ کو اللہ نے اپنا نقشِ اول ــــــــ

اور اپنے عظیم مقاصد کے لیے مرکزی رہنما قرار دیا ــــ اور ــــ ہادی اوّل کی حیثیت عطا کی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے دور میں وحی کی یہ منزل انتہائی اعلیٰ مرتبے اور عظیم منزلت کی حامل نظر آتی ہے ــــــــ،

جو ایک احساسِ مستور سے نکل کر حقیقتِ مشہود بنی۔

آنحضرتؐ پر وحی اس طریقے سے نازل ہوئی اور ان کے وجود، شخصیت اور جسم و روح کے ساتھ ہم آہنگ ہوگئی کہ روز و شب میں فرستادہ فرشتہ سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا ــــــــ فرشتۂ وحی کو آنحضرتؐ اسی طرح اپنے سامنے محسوس کرتے تھے جیسے ہم کسی قریب بیٹھے ہوئے آدمی کو دیکھتے اور محسوس کرتے ہیں۔

یہ وحی جس نے نبیؐ کو اللہ سے قریب کیا ــــــــ؛

یہی اس بات کا وسیلہ بنی کہ بنی نوع انسان کے وہ دوسرے افراد جن کے اندر اتنی اعلیٰ صلاحیتیں نہیں تھیں وہ بھی نبیؐ کے واسطہ سے عنایاتِ الٰہیہ سے قریب ہو سکیں ــــــــ!

تو اب مختصر لفظوں میں اسے یوں کہا جا سکتا ہے کہ:

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

الٰہی شعور کامل وجدان کی شکل میں نبیؐ کے قلب پر اترا اور پھر اس کی روشنی میں فرزندانِ آدمؑ کو اس طرح منور کیا گیا ________

جیسے کسی صاف و شفاف آئینہ پر کوئی تیز روشنی پڑے اور اس سے منعکس ہو کر در و دیوار کو روشن کر دے۔

ظاہر ہے کہ آئینہ کے لیے تو یہ روشنی براہ راست ہوگی۔ مگر در و دیوار کے لیے بالواسطہ ________ چونکہ اللہ کی وحیٔ کامل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے سے ہم تک پہنچی اس لیے ان کی عظیم المرتبت ہستی جمال و جلال الٰہی کا وہ آئینہ ہے جو پورے عالمِ بشریت کے لیے اعلیٰ ترین مقاصد اور عظمتوں کا اصل سرچشمہ ہے۔ جس کے سامنے دنیا کی تمام بلندیاں اور مراتب ہیچ نظر آتے ہیں ________

یہ وہ انسانِ کامل ہیں جو ادراک کی اس منزل پر تھے کہ ہمیشہ انوار الٰہیہ کی روشنی میں منازل طے فرماتے ________

ارسطو اور افلاطون جیسے دنیا کے بڑے فلاسفر نے جس لامتناہی امکان کو عقلی دلیلوں سے ثابت کرنے کے لیے سینکڑوں کتابیں لکھ ڈالیں وہ اس ذات گرامی کی ہستی میں ایک امرِ محسوس اور روشن حقیقت کی طرح نمایاں ہے اور عظمت کی اس منزل پر فائز ہیں جنھیں ارسطو اور افلاطون کی کتابوں کے اوراق درک نہیں کر سکتے۔ اور نہ کسی اور انسان کا اس قدر عظیم اور لامتناہی ربط اللہ سے قائم ہو سکا ہے۔

اس نقطۂ نگاہ سے بھی آپؐ ہی کی ذاتِ والا صفات پوری عالمِ بشریت کے لیے بہترین مربی بھی ہو سکتی ہے اور کامل نمونہ بھی۔

وحیٔ الٰہی نے ہی درحقیقت انسان کی سب سے پہلے تربیت کی۔ اس کے بغیر عالمِ بشریت کی تربیت ممکن ہی نہ تھی کیونکہ آغازِ عمل کے لحاظ سے وحی سے حاصل ہونے والے علوم و معارف کے علاوہ انسان کے پاس جو کچھ تھا وہ مادہ یا مادیات تھے، اور

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

کوئی ایسا عقل اور اک نہ تھا کہ انسان کو الٰہی تشیلات اور حقائق و اقدار پر ایمان لانے کی طرف دعوت دیتا۔ صرف وجود خالق کا عقلی یقین تو تھا لیکن یہ اتنا قوی نہ تھا جو روحِ عمل کو بیدار کر سکتا اور اس کے تمام جذبات واحساسات کو متحرک کر سکتا۔

چونکہ تمام انسانوں میں اتنی عقلی صلاحیت نہیں ہوتی کہ وہ اپنے احساسات و ادراک ہی سے اعلیٰ مراتب تک پہنچ جائے۔ اس لیے خداوند عالم نے کچھ ایسے لوگوں کا انتخاب کیا جن میں بنی نوع انسان کی قیادت و رہبری کی بھرپور صلاحیت تھی۔ چنانچہ ان لوگوں کو اس نے اپنی خصوصی نگرانی میں بھرپور تربیت دی اور پھر پیکر انسانی میں انھیں دنیا کے اندر بھیج دیا تاکہ وہ معاشرے کی تربیت اور ہدایت بشر کا فریضہ انجام دے سکیں۔

مختصر یہ ہے کہ تمام رسوم و اقدار اور جملہ مقاصد و اعتبارات اگر عقلِ محض ہوں (اور معاشرے کی زندگی سے ان کا کوئی براہ راست تعلق نہ ہو) تو نہ ہر شخص انھیں سمجھ سکے گا اور نہ اپنے اندر جذب کر سکے گا اور اگر وہی اقدار حسیات کی شکل میں ہوں تو ان کو اپنانا زیادہ آسان ہوگا۔

جب یہ صورتِ حال ہے تو ہم پر فرض ہے کہ دیگر بنی نوع انسان کے ساتھ اپنے روابط کو مربوط رکھتے ہوئے لائحہ عمل طے کریں

یعنی عقلی افکار پر اس طرح ایمان نہ لائیں کہ بس انھیں اپنے عقل و شعور کے ایک گوشے میں ڈال دیں جیسا کہ فلسفی حضرات اپنے فلسفیانہ خیالات کے ساتھ کرتے ہیں بلکہ ہمارا فرض تو یہ ہے کہ ہم ان عقلی افکار کو اپنے ذہن سے اتنا نزدیک لائیں اور ان پر اتنا غور کریں کہ وہ محسوسات کی طرح ہمارے لیے روشن اور نمایاں ہو جائیں۔

ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد کسی کے نبی بننے کا تو امکان ہی نہیں ہے لیکن یہ بھی واضح ہے کہ انسانی علم و معرفت کے لاکھوں درجات ہیں اور نبوت ان میں اعلیٰ ترین درجہ ہے۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

اور جو انسان درجۂ نبوت پر فائز نہیں ہے وہ ان باقی درجات میں اعلیٰ ترین درجہ تک پہنچ سکتا ہے۔

وہ نبوت کا درجہ تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام آنِ واحد میں کلیم اللہ بن کر خدا سے ہم کلام ہونے لگے ــــــ یا ــــــ اچانک غارِ حرا میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سب سے افضل اور اعلیٰ آسمانی کتاب (قرآن مجید) کا نزول شروع ہو گیا۔

لیکن یہ ایک مخصوص درجہ ہے۔ جو اللہ تعالیٰ اپنے منتخب بندوں کو عطا کرتا ہے لیکن اس درجے کے نیچے لاکھوں دروازے ہیں جو ہمارے لیے کھلے ہوئے ہیں۔

ہمیں ارتقائے فکر کے مرحلے میں کسی جگہ ٹھہرنا نہیں چاہیے اور نہ کسی منزل کو پا لینے کے بعد اسی پر اکتفا کرنی چاہیے۔ بلکہ مسلسل اپنی قوتِ فکر کو استعمال کرتے رہنا چاہیے اور اتنا غور کرتے رہنا چاہیے کہ عقلی ادراکات ہی ہمارے لیے حسی مشاہدات بنتے چلے جائیں۔

جس کا طریقہ یہ ہو گا کہ ــــــــــــ

جب آپ مسلسل اپنے نفس سے خطاب کریں گے اور اسے بار بار یہ سمجھائیں گے کہ ــــــــــــ

"اے میرے نفس! تو بندہ ہے اور اللہ تیرا مالک ہے اور وہ ایسا مالک حقیقی ہے جو تیری زندگی، تیری رفتار و گفتار اور تیری ہستی کا بھی مالک ہے۔ اسی نے تجھے پیدا کیا اور وہی تیرے حاضر و مستقبل کی راہیں ہموار کرنے والا ہے وہی دنیا و آخرت میں تیرا پاسبان ہے۔"

جب آپ اپنے نفس سے مسلسل یہ گفتگو کریں گے، اسے احساسِ بندگی دلائیں گے اور اس کے اندر یہ بات راسخ کریں گے کہ:

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

"ہمارا رب وہ عظیم المرتبت مولا اور آقا ہے جس کی ہر حال میں
اطاعت کرنی ہے۔"

اسی کے پیغام کو ماننا چاہیے، اسی کے پرچم کو بلند رکھنا چاہیے۔ اسی کی ہدایات کی پابندی کرنی چاہیے اور ہر حال میں اپنی زندگی اسی کے احکام کے جلووں میں گزارنا چاہیے۔

جب انسان مسلسل اسی طرز پر سوچے گا اور خدا سے قربت روحانی اور معنوی کو راسخ کرتا چلا جائے گا تو اطاعتِ الٰہی کا جو عقلی ادراک پہلے سے موجود تھا وہ نفس کی اس ریاضت سے حسّی مشاہدات میں تبدیل ہو جائے گا۔

کیا اولیاء، علما، صدیقین و صالحین کی زندگی میں اس کے شواہد نہیں ملتے کہ جب انھوں نے بھرپور غور و فکر سے کام لیا اور ریاضتِ نفس کی منزل سے گزرے تو ادراکات ان کے لیے گویا مشاہدات بن گئے۔ اور اس مادی دنیا میں رہتے ہوئے بھی وہ اس طرح زندگی گزارتے تھے گویا سینکڑوں حسّی باتوں کا مشاہدہ کرتے ہوں۔

اس لیے ضروری ہے کہ انسان اپنے نفس کی مسلسل ریاضت کرتا رہے اور اپنے افکار کو بلند سے بلند کرتا رہے۔

یہ بات واضح ہے کہ ہر شخص ——— بلکہ کوئی بھی شخص ——— صد فی صد حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسی زندگی نہیں گزار سکتا۔ ورنہ سبھی لوگ آنحضرتؐ کے حقیقی شاگرد بن جاتے۔ البتہ ہر انسان اپنی کوشش کے مطابق اور اپنی صلاحیت کے مطابق آنحضرتؐ کے پیغام اور فرمان کے مطابق زندگی گزار سکتا ہے

تو جس وقت انسان یہ محسوس کرے کہ اس کا دل آنحضرتؐ کی طرف مائل ہے اور وہ اپنے شعور و احساسات میں آنحضرتؐ کی پھیلائی ہوئی روشنی کو محسوس کر رہا ہے تو اسے چاہیے کہ ایسے لمحات کو غنیمت قرار دے اور ایسے موقع پہ بھرپور غور و فکر سے کام لے۔ آنحضرتؐ کے پیغام پر بھرپور توجہ صرف کرے تاکہ بات اس کے دل میں

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

اچھی طرح راسخ ہو جائے اور پھر جب وہ اپنی مخصوص رُوحانی کیفیت سے نکل کر عام زندگی کی طرف رُخ کرے تو اس پیغامِ محمدیؐ کی روشنی اس کے دل میں جلوہ کر چکی ہو ——
اور یہ عطیۂ خداوندی اس کے قلب و احساس میں اس طرح جاگزین ہو چکا ہو کہ وہ اسے ہر وقت ٹوکتا رہے کہ دیکھو خبردار آنحضرتؐ کے طریقے سے سرِمو انحراف نہ کرنا —— !

انسان اس روحانی کیفیت میں اپنے دل کو جتنا مضبوط کرے گا اور آنحضرتؐ کے پیغام سے انحراف نہ کرنے کا جتنا مضبوط عہد و پیمان کرے گا اُتنا ہی اس کی زندگی میں استقامت ہو گی —— اور اس مخصوص کیفیت سے نکلنے کے بعد بھی اسے اپنا عہد و پیمان یاد رہے گا ——
اور اس کا یہ عہد و پیمان محض فکر و خیال کی نوعیت کا نہ ہو گا بلکہ اس کی حیثیت ایسی ہو گی گویا وہ آنحضرتؐ کے سامنے کھڑا ہے اور ان کے دستِ مبارک پر اطاعت و فرمانبرداری کی بیعت کر رہا ہے۔

اس بات پر اچھی طرح غور کیجیے کہ ——
ہم میں سے کوئی شخص آنحضرتؐ کو اپنی آنکھوں سے دیکھے یا امامِ زمانہ علیہ السلام کے روبرو کھڑا ہو کر یہ عہد و پیمان کرے کہ ——
"میں آپ کی نافرمانی نہیں کروں گا اور نہ آپ کے پیغام سے انحراف کروں گا۔"

تو کیا ان کی نگاہوں کے سامنے سے ہٹنے کے بعد ہمارے لیے یہ آسان ہو گا کہ ان کی نافرمانی کریں یا ان سے روگردان ہو جائیں۔ جبکہ ہمارا ضمیر مسلسل ہمیں یہ احساس دلاتا رہے گا کہ ہم امامؑ کے روبرو کھڑے ہو کر ان سے وعدہ کر چکے ہیں، عہد و پیمان کر چکے ہیں۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

ہم میں سے ہر شخص اپنے قلب و وجدان کے اندر اس کیفیت کو جلوہ گر کر سکتا ہے اور امامؑ کے روبرو جائے بغیر بھی اپنے دل کے اندر ان سے ملاقات کر سکتا ہے۔

چاہے یہ ملاقات ایک دفعہ ہو، دو دفعہ ہو یا تین دفعہ اور مسلسل جدوجہد سے اس ملاقات کو دوام بھی بخش سکتا ہے کیونکہ یہ عرفانی کیفیت کوئی محال بات نہیں ہے۔ بلکہ صرف نفس کی ریاضت اور معرفت کو تقویت پہنچانے کی ضرورت ہے تاکہ ہم دنیا کی ہوا و ہوس، مادی لذتوں اور نفسانی شہوات کو دبا کر نفس کے اندر وہ روشنی پیدا کریں جو ہمیں برائیوں سے اس طرح روکے کہ ——

طہارت و پاکیزگی ہمارے نفس و قلب کے اندر انتہائی راسخ ہو جائے اور یہ نورانیت اتنی قوی ہو جائے کہ جب اسلام کسی چیز کے بارے میں کہے کہ ——

ہاں —— ! تو ہمارا دل بھی کہے کہ ہاں !

اور جب اسلام کسی چیز کو منع کرے تو ہمارا دل بھی منع کرے۔

دل میں پیدا ہونے والی اس روشنی کو بہت غنیمت سمجھنا چاہیے اور اسے اپنے پاس محفوظ رکھنا چاہیے ——

تاکہ خیال حقیقت بن جائے ——

اور حقیقت، محسوس مشاہدے میں تبدیل ہو جائے۔ تاکہ ہم روز و شب کے تمام لمحات میں انہیں مشاہدات و احساسات کی روشنی میں جہاد مسلسل کا فریضہ انجام دے سکیں، جس کی ہمیں بہت زیادہ ضرورت ہے۔

کیونکہ ہم پر لوگوں کی تبلیغ بھی فرض ہے ——،

اور شریعت کی روشنی لوگوں تک پہنچانا بھی فرض ہے۔

اور جب ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم مسلمانوں اور اقوام عالم پہ صراطِ مستقیم کی تابندگی کو روشن کریں تو ہمیں اس کی بھی انتہائی شدید ضرورت ہے کہ صراطِ مستقیم، فکر و نظر کے مفہوم

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

سے گزر کر ہمارے لیے مشاہدے کی منزل تک پہنچ جائے ——

تاکہ ہم جس حد تک ممکن ہو انبیاء کی زندگی اور ان کی سیرت سے قریب ہوسکیں۔

یہ کوئی اتفاقی یا بلا سبب بات نہیں ہے کہ تمام رہنمایانِ دین (ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء و مرسلین) انسان ہی تھے جو وحیِ الٰہی کے سائے میں زندگی گزارتے رہے ——

اور وہ احساسات و مشاہدات کے اس اعلیٰ درجے پر فائز تھے کہ جہاں انحراف، اضطراب، تردّد یا نسیان کا کوئی امکان نہیں تھا۔ تاکہ وہ بنی نوعِ انسان کے لیے صراطِ مستقیم کا بہترین نمونہ بن سکیں۔

لہٰذا ہم پر بھی فرض ہے کہ بارگاہِ معبود میں عاجزی کے ساتھ دعا کرتے رہیں کہ وہ ہماری نگاہوں سے پردوں کو ہٹا دے —— صراطِ مستقیم کو زیادہ سے زیادہ ہمارے لیے روشن کرے ——

تاکہ ہم محض عقل ہی سے اسے نہ مانیں ——،

بلکہ اس طرح اسے قبول کریں کہ گویا ہر چیز کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اور دینی اقدار ہمارے لیے مشاہدہ بن جائیں —— تمثیلات محسوسات بن جائیں —— اس راستے میں پیش آنے والی ہر مشکل سے ہم گزر سکیں، اور جو چیزیں بھی رکاوٹ بن سکتی ہیں انھیں عبور کر سکیں ——

لہٰذا ضروری ہے کہ ہم روحانی سطح پر اپنے اور اپنے ضمیر کے درمیان صراطِ مستقیم کو زیادہ سے زیادہ نمایاں اور روشن بنانے کی کوشش کریں اور اس سلسلے میں اس روش کو ہم اپنائیں۔

اس میں یہ بات بھی ضرور پیشِ نظر رہنی چاہیے کہ ——

لوگوں کی رہنمائی کے سلسلے میں ہم محض اعلیٰ خیالات، بلند نظریات، عمیق کتابوں اور فکری تقریروں کو پیش کر دینے پر ہی اکتفا نہ کریں بلکہ ضروری ہے کہ لوگوں

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

کے دلوں میں اس طرح اثر ڈالیں کہ ــــــ

اعلیٰ افکار ان کے لیے محسوسات بن جائیں اور ہمارے پاک و پاکیزہ حسیات ان تک محسوس شکل میں منتقل ہوں کیونکہ وہ بھی ہمارے جیسے انسان ہیں لہٰذا انھیں بھی محسوسات سے اتنا ہی متاثر ہونا چاہیے جتنا ہم خود ہیں۔

اس لحاظ سے یہ بات ضروری ہے کہ ہم عقلیات سے زیادہ حسیات کو وسیلہ بنائیں کیونکہ سینکڑوں فلسفیانہ کتابیں ــــــ محض کتاب کی حد تک رہ کر انبیاء کرام کی حیاتِ طیبہ کے نمونوں کو واضح نہیں کرسکتیں کہ ــــــ

ان کا ایمان کتنا قوی تھا ــــــ؟

ان کا اخلاق کتنا عظیم تھا ــــــ؟

ہمیں چاہیے کہ اپنے اخلاق کا، ان سے موازنہ کریں اور یہ غور کریں کہ جنت اور جہنم کے سلسلے میں ان کا ایمان کتنا قوی تھا ــــــ ہم ان سے کس حد تک نزدیک ہیں ــــــ؟

اور ہمیں اپنا یہ جائزہ مسلسل لیتے رہنا چاہیے تاکہ ہمارا ایمان بھی حسیات کی مانند بن کر دوسروں کو متاثر کرسکے۔

کردار کی تبدیلی کے لیے اور دلوں پر اثر کرنے کے لیے محض نظریات کی حد تک تبلیغ کافی نہیں ہے ــــــ

ہاں ــــــ! نظریات ضروری ہیں ــــــ

لیکن ہمیں اس سے ایک قدم آگے بڑھنا ہے تاکہ ہم لوگوں کے نفوس کو پاک و پاکیزہ بناسکیں ــــــ ان کی روحانیات کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی کوشش کریں ــــــ اور اپنی روش کو انبیا اور اوصیائے کرام کی روشنی سے اس حد تک نزدیک بنادیں کہ ان کی سیرت طیبہ کی روشنی ہماری زندگی میں

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

جلوہ گر ہو جائے اور دوسروں کو بھی متاثر کر سکے ــــــــ

تا کہ قبل اس کے کہ ہم دوسروں کی عقلوں کو جھنجھوڑیں ، وہ خود ہمارے کردار سے متاثر ہو جائیں ــــــــ !

پروردگارِ عالم ہم لوگوں کو انبیائے کرام کے راستے پر چلنے اور حضرت خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو اپنانے کی توفیق عطا فرمائے ۔ اور ہمیں اور آپ کو اپنی مغفرت سے نوازے ۔

❋ ❋ ❋

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

۵

آنحضرتؐ کے بعد ائمہ کرامؑ کا عہدِ زندگی

الصلاۃ والسلام علی محمد والہ الطیبین الطاہرین

جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا سے رخصت ہوئے تو ایک قوم، ایک معاشرہ اور ایک حکومت چھوڑ کر گئے۔

لفظ قوم کا مقصد یہ ہے کہ ــــــ

مسلمانوں کا ایک ایسا گروہ چھوڑ کر گئے جو ان کی نبوت اور رسالت پر ایمان رکھتا تھا ــــــ!

اور لفظ معاشرہ سے مراد یہ ہے کہ ــــــ

وہ افرادِ بشر جن سے ساری زندگی آپ کا واسطہ رہا اور پھر نبوت و رسالت کی بنیاد پر ان افرادِ بشر کے درمیان از سرِ نو روابط ایجاد کیے ــــــ!

اور حکومت سے مراد ــــــ آپؐ کا وہ منصب ہے جس پر آپؐ

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

فائز تھے جس کے ذریعے معاشرے کی رہنمائی بھی فرما رہے تھے ـــــ اسلام کے اعلیٰ اصولوں کے نفاذ میں بھی مصروف تھے ـــــ اور ـــــ دین کو پیش آنے والے خطرات کا دفاع بھی کر رہے تھے۔

(افسوسناک بات یہ ہے کہ آپ کے انتقال کے فوراً بعد) سقیفہ کی کارروائی نے ایک ایسا انحراف پیدا کر دیا کہ آپؐ کا منصبِ حکومت اپنی اصلی فکری روش سے ہٹ گیا اور قیادت ایسے ہاتھوں میں چلی گئی جو الٰہی طریقۂ ہدایت سے دُور تھے۔

اور چونکہ حوادث کی روش یہ ہے کہ وہ بڑھتے اور پھیلتے چلے جاتے ہیں ـــ سقیفہ کا حادثہ بھی اسلامی روش میں انحراف اور اختلاف و انتشار کا سبب بنا ـــــ

اور ظاہر ہے کہ جب قیادت انحراف کا شکار ہو تو وہ اپنے منصب کی ذمہ داریوں کو پوری طرح ادا نہیں کر سکتی بلکہ عسکری، سیاسی اور اجتماعی ہر لحاظ سے انحراف پیدا ہو جائے گا ـــــ اور یہ انحراف اسلامی معاشرے کی کمزوری اور تباہی کا سبب بنے گا ـــــ،

کیونکہ اس معاشرے میں تعلقات کی اساس دینِ اسلام تھا۔ اب اگر اس کے بنیادی اصول و قوانین کو پیشِ نظر نہ رکھا گیا تو پھر لوگوں کے روابط بھی اسلام کے ساتھ مستحکم نہیں رہ سکتے اور جب وہ کڑی کمزور ہو جائے گی جو پورے معاشرے کے درمیان ربط و ضبط کا ذریعہ تھی ـــــ تو دین کی بجائے دوسری بنیادوں پر تعلقات و روابط قائم ہونے لگیں گے، اس کا لازمی نتیجہ اسلامی معاشرہ کا زوال ہوگا۔

اور صحیح شرعی حکومت کے زوال ـــــ،

اور اسلامی معاشرے کے اضمحلال کے بعد جو قوم باقی رہے گی وہ انتشار و زوال سے محفوظ نہیں رہ سکتی بلکہ بہت جلد کسی باطل قوت کے لیے لقمہ بن جائے گی۔

کیونکہ وہ قوم جس نے اسلام کے سائے میں بہت مختصر زندگی گزاری ہو، اس

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

میں یہ صلاحیت نہیں ہوسکتی کہ وہ اپنی حفاظت خود کر سکے اور دنیا کی دوسری طاقتوں کے مقابلے میں اپنی اصلیت وشخصیت، روحانیت اور انفرادیت کو زوال و انتشار سے بچا سکے ــــــ!

چونکہ اس قوم کا تجرباتی مرحلہ بہت مختصر تھا اور آنحضرتؐ کے انتقال کے فوراً بعد ہی اسلامی اقدار میں انحراف پیدا ہوگیا۔ اس لیے کافروں سے مقابلہ اور کافرانہ ثقافت سے خود کو بچانے کی طاقت بھی کمزور ہوگئی۔

جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ تدریجی طور پر قوم کی حالت اپنے عقیدے، آداب، مقاصد اور احکام کے لحاظ سے تنزل کا شکار ہوتی گئی ــــــــ،

اور جس دین میں لوگ جوق در جوق داخل ہوئے تھے (عملاً) اس سے جوق در جوق نکل گئے جیسا کہ بعض احادیث میں اس کی طرف اشارہ بھی ہے۔

چنانچہ معصوم فرماتے ہیں کہ ــــــــــ

"دین کا وہ حکم جو سب سے پہلے پامال کیا گیا وہ اللہ کے نازل کردہ فرمان کی مخالفت ہے (وہ حق حکومت کے حوالے سے انحراف تھا) اور جس حکم کی مخالفت سب سے آخر میں ہوگی وہ نماز ہے (یعنی جس دن نماز کی مخالفت شروع ہوجائے وہ اس دین کا آخری عہد ہوگا)

اور ہم نے ابھی اوپر کی چند سطور میں اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ سب سے پہلے زعامت اور قیادت کے مسئلہ پر قوم میں انحراف پیدا ہوا جو اس بات کی علامت ہے کہ امت نے اس الٰہی فرمان کو قبول نہیں کیا (جو حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے سے پہنچایا گیا تھا)

ظاہر ہے کہ حکم خدا سے یہ انحراف بالآخر ترکِ نماز تک لے جائے گا اور

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

جیسا کہ معصوم نے فرمایا جب نماز بھی رک جائے تو امت کا انفرادی وجود بھی ختم ہو جائے گا۔
کیونکہ جس قوم کا عقیدہ تنزلی کا شکار ہو اس کے آدابِ زندگی اور رسوم مذہبی بھی لازمی طور پر کمزوری کا شکار ہوں گے ــــــــــ
خداوندِ عالم کے فرمان کے مقابلے پر اپنا حکم چلانے کا مطلب ہی یہی ہے کہ قوم نے تباہی کا راستہ اختیار کر لیا۔

(۱)

امت کی اس عمومی روش کے بعد ائمہ کرام علیہم السلام نے دو باتوں پر خصوصی توجہ دی:

(۱) ــــــ اسلامی قیادت کو اس کی اصل حالت (زمامِ حکومت اپنے ہاتھ میں لینا) پر واپس لانا۔ انحراف سے بچانا اور اسے اس کے حقیقی مرکز کی طرف واپس لانے کی بھرپور کوشش کرنا۔ تاکہ قوم، معاشرہ اور قیادت یہ تینوں عناصر اپنی صحیح روش پر گامزن رہیں۔

(۲) ــــــ ائمہ کرامؑ نے قوم کو زوال و انتشار سے بچانے کی ہر ممکن کوشش کی اور اگرچہ امت اپنی اصل روش سے ہٹ چکی تھی تاہم ائمہ کرامؑ کی یہ مسلسل کوشش رہی کہ لوگ دین سے بالکل ہی منحرف نہ ہو جائیں بلکہ ممکن حد تک دین پر ثابت قدم رہیں ان میں مجاہدانہ روح زندہ رہے اور ایمان قائم رہے۔

ہم نے جو دو باتیں پیش کیں ان کی وضاحت کے لیے امیرالمومنین علیہ السلام کی زندگی میں پیش آنے والے بعض امور سے ثبوت فراہم کرنا چاہتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

نے اسلامی قیادت کو اس کی اصل نوعیت پر برقرار رکھنے اور قوم کو فرمانِ الٰہی پر توجہ دلانے کی اتنی زیادہ کوشش کی کہ لوگ یہ کہنے لگے کہ ــــــــ

وہ حکومت وسلطنت کے حریص ہیں۔

اور معاویہ نے آپ پر یہ الزام لگایا کہ آپ جاہ وحشم چاہتے ہیں۔ اور بعض خلفاء کی طرف سے بھی یہ الزام عائد کیا گیا کہ آپؑ حکومت نہ ملنے کی بنا پر ان سے عداوت رکھتے ہیں۔

غرضیکہ اس قسم کے جو بھی الزامات ہو سکتے تھے وہ آپ پر عائد کیے گئے لیکن جناب امیر المومنین علیہ السلام اپنے موقف پر قائم رہے اور اس بات کی بھرپور کوشش کرتے رہے کہ لوگوں میں یہ احساس زندہ رہے کہ ــــــــ

اصل حکمرانی اللہ کی ہے ــــــــ۔

اور اسی کے اعلان وفرمان کے مطابق کسی کو یہ عہدہ ملنا چاہیئے۔

چنانچہ آپ نے اس فکر کو زندہ رکھنے کے لیے پہلے دن ہی سے اپنے موقف کو واضح رکھا اور لوگوں میں الٰہی حکمرانی کے نظریے کو زندہ رکھنے کی بھرپور کوشش فرمائی اور جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا وفاتِ رسولِ مقبولؐ کے بعد آپؑ نے لوگوں کو مسلسل اس شعور و احساس کی طرف مائل کیا۔

❋

البتہ لوگوں میں یہ احساس زیادہ بیدار نہ ہو سکا جس کے بہت سے اسباب ہیں۔

جس میں اولین سبب جناب امیرؑ کا اپنے موقف میں اٹل ہونا ہے۔ یعنی آپؑ نے اس مسئلہ میں ذرہ برابر بھی لچک کا مظاہرہ نہیں کیا ــــــــ

اور دوسرا سبب یہ تھا کہ لوگ شعور کی بیداری میں ابھی اس منزل تک نہیں پہنچے تھے کہ ان کو احساس ہوتا کہ ــــــــ

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

سقیفے کا دن اسلامی شریعت اور روحِ رسالتؐ کے لیے ان گنت بلاؤں کا نکتۂ آغاز ثابت ہوگا۔

ان لوگوں کو اس کے علاوہ کوئی ادراک نہیں تھا کہ کچھ ظاہرۃ الصلاح لوگوں نے مسلمانوں کی قیادت سنبھال لی اور وہی اس بیڑے کو آگے بڑھائیں گے ——— اور حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں وہ لوگ بس اتنا ہی سمجھ سکے کہ ان کا ذاتی حق پامال ہوا ہے جس کے لیے وہ مطالبہ کر رہے ہیں۔

لیکن بعد کے مرحلوں میں ایسے بہت سے امور سامنے آئے جن سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اسلامی قیادت واضح طور پر انحراف کا شکار ہو چکی ہے اور یہاں تک کہ جب امیر المومنین علیہ السلام کا زمانۂ حکومت آیا آپ کے اقدامات سے یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ آپ اس بات کی بھرپور کوشش کر رہے ہیں کہ ——— جو انحراف پیدا ہو چکا ہے اسے مٹائیں تاکہ حق بات کہی بھی جائے اور حق پر عمل بھی کیا جائے ——— اور اگرچہ آپ کو اس سلسلے میں انتہائی شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑا لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ آپ کو اپنے موقف کے سلسلے میں عظیم الشان کامیابی نصیب ہوئی۔

یہ وہ ظاہری اور باطنی مشکلات تھیں جو اس عمل میں سامنے آئیں۔

ایک عام انسان بعض اوقات یہ سوچنے لگتا ہے کہ حکمرانوں سے تصادم اور زمامِ اقتدار کو سنبھالنے کی کوشش عام طور پر اپنے ذاتی فوائد، شخصی مصلحتوں اور انفرادی اغراض کے تحت ہوتی ہیں ———

(چنانچہ حضرت علی علیہ السلام کو بھی ایسا ہی سمجھا گیا)

لیکن ظاہر ہے کہ یہ تصور صرف بادی النظر میں پیدا ہوتا ہے جیسا کہ معاویہ اور اس کے ساتھیوں نے جناب امیر المومنین اور ان کے موقف کے بارے میں اسی بات کو پھیلانے

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

کی کوشش کی۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ ـــــــــ

امیرالمومنین حضرت علی ابنِ ابی طالب علیہ السلام پیغمبرؐ کے حقیقی جانشین تھے اور ان پر رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی جانب سے یہ بنیادی ذمہ داری عائد تھی کہ ـــــــــ

اسلام کے فلسفۂ حیات کی حفاظت کریں اور اسے مضبوط رکھیں اور آنحضرتؐ کے بعد مسلمانوں میں جو طولانی انحراف پیدا ہونے والا ہے اس سے دین و شریعت کو بچانے کی کوشش کریں ـــــــ

لہٰذا حضرت علیؑ کا ہر اقدام روحِ رسالت کے ساتھ وابستہ تھا اور ان کی ہر کوشش اسی رسالت کے عظیم تر مقاصد کے لیے تھی نہ کہ ذاتی مفادات کے لیے۔

وہ کبھی یہ نہیں چاہتے تھے کہ اپنی حکومت قائم کریں بلکہ ان کی بھرپور کوشش یہ تھی کہ اسلامی معاشرے میں اور پھر روئے زمین کے تمام بنی نوع انسان کے درمیان صحیح اسلامی قیادتی رہنمائی کے فرائض انجام دیں۔

لہٰذا یہ دو مختلف اندازِ فکر ہیں اور آپ کے موقف کی وضاحت کرنے والے کبھی ایک اندازِ فکر کو اپناتے ہیں کبھی دوسرے کو۔

بعض اوقات انسان یہ سوچتا ہے کہ وہ اپنی شخصی قیادت تو نہیں چاہتے بلکہ صحیح اسلامی سلطنت چاہتے ہیں لیکن پورا شعور نہ ہونے کی بنا پر یا مستحکم قوتِ فکر و نظر نہ ہونے کی بنا پر یا تمام حالات و لمحات پیشِ نظر نہ ہونے کی بنا پر لاشعوری طور پر ہی سہی انسان اس عمل کے ظاہری پہلو کو اس کے حقیقی پہلو سے جدا نہیں کر پاتا جس کی وجہ سے تمام اعلیٰ مقاصد یا ان کا بڑا حصہ تلف ہونے کا اندیشہ پیدا ہو جاتا ہے ـــــــ

بسا اوقات وہ یہ بھی بھول جاتا ہے کہ ان کا عمل ان کے اپنے لیے نہیں ہے

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

بلکہ وہ اس پیغام کی خاطر عمل کر رہے ہیں اور ہر وہ شخص جو اتنے عظیم مقاصد رکھتا ہو وہ ذاتی طور پر بھی خطرے میں ہوتا ہے اور یہ بھی خطرہ ہوتا ہے کہ اس کی ذاتی انا اس پر غالب آجائے اور وہ درمیانِ راہ ہی میں سکوت وانحطاط کا شکار ہو جائے۔

حضرت علی علیہ السلام نے اپنے اس موقف کا مسلسل اظہار کیا کہ:

پیغمبرؐ کے بعد وہی امت کے پاسبان ہیں اور انہیں کو اقتدار سنبھالنے کا حق ہے۔

چنانچہ وہ اس پر اپنے رنج و غم کا اظہار کرتے رہتے تھے کہ آنحضرتؐ کے بعد انہیں منصب اقتدار نہ سنبھالنے دیا گیا۔ جیسا کہ ان کا یہ مشہور جملہ بھی ہے کہ:

"لقد تقمصها ابن ابی قحافه وهو یعلم ان محلی منها محل القطب من الرحیٰ"

(ابو قحافہ کے بیٹے نے خلافت کو ایک پیراہن سمجھ کر زبردستی پہن لیا جب کہ ان کو معلوم تھا کہ اس کے لیے میری حیثیت ویسی ہی مرکزی تھی جیسے چکی میں قطب کی حیثیت ہوتی ہے۔)

اس اظہارِ رنج و غم کے باوجود ہمیں یہ نہ بھولنا چاہیے کہ یہ اپنی ذات کے لیے نہیں تھا بلکہ پوری کوشش اور ساری جدوجہد دین کی خاطر تھی اور وہ اپنے ساتھیوں کی اس انداز سے تربیت کرنا چاہتے تھے کہ وہ اپنے آپ کو عظیم مقصد کا پاسبان سمجھیں اقتدار و منصب کا نہیں۔

اور آپ کو ان دونوں مرحلوں پر عظیم کامیابی حاصل ہوئی ——————

—————— آپ شخصی طور پر بھی کامیاب رہے اور یہ بات واضح کرنے میں بھی مکمل طور پر کامیاب رہے کہ آپ کا ہر کام شریعت کی مکمل پاسبانی کے لیے تھا۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

جناب امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام نے اپنی خصوصی تربیت سے اپنے اصحاب کے اندر یہ شعور پیدا کیا کہ وہ ایک مقصد کے پاسبان ہیں، شخصی مفادات کے نگران نہیں ہیں۔

آپؑ فرمایا کرتے تھے کہ انسان کو اپنی ذات سے پہلے حق و صداقت پر نظر رکھنی چاہیے۔ چنانچہ آپؑ کا مشہور فرمان ہے کہ:

"اعرف الحق تعرف اهله"

(حق کو پہچانو تو اہل حق کو بھی پہچان لوگے)

آپؑ نے اپنے اصحاب باوفا ـــــ عمار ـــــ ابوذر ـــــ مقداد وغیرہ کو تعلیم دی تھی کہ ـــــــــ حق کو پہچانو، پھر اسی نقطۂ نظر سے میری اپنی زندگی کو بھی پرکھو۔

اور ظاہر ہے کہ کسی بھی قوم کے رہنما کی طرف سے اخلاص عمل کا یہ بہترین اسلوب تھا کہ پوری قوم کو اس بات کا عادی بنایا جائے کہ ــــــ

اصل میزان حق کی ہے نہ کہ شخص کی ـــــــ،

کسوٹی حقانیت کی ہے نہ کہ شخصیت کی۔

کیا ذات پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد علی علیہ السلام سے بلند مرتبہ بھی کوئی ذات ہے ـــــــــ؟

اور اس کے باوجود وہ فرماتے ہیں کہ ـــــــ

"میزان حق کو بناؤ ـــــ اور ـــــ اسی پر مجھے پرکھو!!"

چنانچہ جنگ جمل کے موقع پر جب ایک شخص حالتِ تردد میں آیا کہ فریقین میں سے کون حق پر ہے اور اسے زوجۂ نبیؐ کا ساتھ دینا چاہیے یا وصی پیغمبرؐ کا ـــــ؟ تو آپؑ نے اس سے فرمایا کہ: ـــــــ

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

"حق کی معرفت حاصل کرو، اہلِ حق خود ہی معلوم ہو جائیں گے!"

آپؑ نے یہ جملہ اس بنا پر ارشاد فرمایا کہ آپ ساری زندگی اسی مقصد کے لیے جدوجہد کرتے رہے کہ لوگ حق کو پہچاننے لگیں اور شخصیت کے بجائے حق پر نظر رکھیں۔

چنانچہ پیغمبر اسلامؐ کی رحلت کے بعد جب اہل دنیا نے انحراف کا راستہ اختیار کیا تو آپؑ نے اسے انتہائی غلط سمجھنے اور اس کے خلاف بھرپور احتجاج کے باوجود ——— حکومت حاصل کرنے کے لیے ———

نہ ذوالفقار اٹھائی نہ طاقت کا کوئی مظاہرہ کیا ———

حتیٰ کہ شیخین کے دنیا سے گزر جانے کے بعد، جب وہ لوگ خود آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ درخواست کی کہ ———

"آپ سیرتِ شیخین کی حمایت کرتے ہوئے منصبِ خلافت کو سنبھالیں ———!"

تو آپ نے واضح طور پر اعلان کیا کہ میں سیرتِ شیخین کی حمایت و متابعت نہیں کر سکتا ——— اور اگرچہ اس کے نتیجہ میں آپ کو حکومت سے پھر محروم کر دیا گیا۔ مگر امیر المومنین کا موقف بہت نمایاں طور پر واضح ہوا کہ ———

آپؑ کی غرض، اپنی ذات نہیں تھی، بلکہ حق کی پاسداری اور اصول کی علمبرداری تھی ——— چنانچہ جس موقع پر اصول کو نظر انداز کر کے آپؑ حکومت حاصل کر سکتے تھے، آپؑ نے اصول کو زندہ رکھنے کے لیے اپنی محرومی کو گوارہ کر لیا تاکہ دنیا بھر پہ واضح ہو جائے کہ ———

علی علیہ السلام وفات پیغمبرؐ کے بعد جو احتجاج کر رہے تھے وہ حکومت کے لیے نہیں تھا بلکہ حق کی سربلندی اور اصول کے تحفظ کے لیے تھا۔ جسے زمانۂ شیخین میں صحیح طور سے اس لیے نہیں سمجھا جا سکا کہ ابھی اکثر لوگ نئے نئے حلقہ بگوشِ اسلام

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

ہوئے تھے اور مخالف طاقتیں انھیں آسانی سے یہ باور کرا سکتی تھیں کہ ————

امیر المومنینؑ جو احتجاج کر رہے ہیں وہ محرومی کی بنا پر ہے۔

لیکن جب شیخین کے بعد آپؑ کی خدمت میں حکومت پیش کی گئی اور آپؑ نے

اصول کی بنا پر اسے ٹھکرا دیا تو آپ کا موقف ہر ایک پر اچھی طرح واضح ہو گیا۔

ورنہ اس کے قبل لوگوں کی اکثریت "اصول سے انحراف" کو واضح طور پر

سمجھ بھی نہیں سکی تھی ————

کیونکہ اس پر ایک دینی چھاپ لگی ہوئی تھی۔

مثال کے طور پر ———— جب دوسری خلافت میں طبقاتی نظام رائج

کیا گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عم محترم جناب عباس کے لیے ————

بارہ ہزار اور ازواجِ پیغمبرؐ کے لیے دس دس ہزار کا خصوصی وظیفہ مقرر

کیا گیا اور لوگوں کو سمجھایا گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خصوصی قرابت

کی بنا پر ان کے لیے یہ وظیفہ مقرر کیا گیا ہے۔

تقریباً اسی قسم کا کام تیسری خلافت میں بھی کیا گیا ———— مگر یہاں

اپنے خاندان کی قرابت کو بنیاد بنایا گیا۔

نظام وہی تھا ————

لیکن پہلے ایک پردہ پڑا ہوا تھا، اب وہ پردہ ہٹا دیا گیا ——

انحراف وہ بھی تھا ———— اور یہ بھی۔ لیکن اس انحراف کو قوم نے

اس لیے برداشت کر لیا کہ اس پر دینی و مذہبی لیبل لگا دیا تھا اور اس انحراف میں وہ

لیبل اتر چکا تھا اور لوگ اسے اپنے مفادات پر ایک حملہ سمجھ رہے تھے جس کے

نتیجے میں پوری قوم بہت جلد خلیفۂ ثالث سے ناراض ہو کر ————

ان کے خلاف اٹھ کھڑی ہوئی۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

تو جو کچھ فرق ہے وہ اس بات میں کہ قوم نے اس انحراف کو برداشت کر لیا ــــ اور اس انحراف کو برداشت نہیں کیا۔

لیکن جناب امیرالمومنینؑ کا موقف دونوں صورتوں میں واضح تھا البتہ جب تک انحراف واشگاف نہیں تھا آپ کا احتجاج بھی اسی کے مطابق تھا اور جب انحراف عیاں ہوا تو احتجاج بھی واضح الفاظ میں کیا۔

چنانچہ جب آپؑ نے سیرتِ شیخین کی حمایت و متابعت سے انکار کیا اور خلیفۂ ثالث منصبِ اقتدار پر فائز ہوئے تو امیرالمومنینؑ نے جو کچھ فرمایا اس کا لبِ لباب یہی تھا کہ:

"جب تک صرف میرا حق پامال ہوتا رہے گا، میں خاموش رہوں گا............!"

جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ آپؑ اپنے حق کی پامالی گوارا کرنے کے لیے تیار تھے لیکن اصول کی پامالی کے لیے کسی قیمت پر آمادہ نہیں تھے۔

اور اسی کے ساتھ آپؑ یہ بھی چاہتے تھے کہ آپؑ اپنے باوقار ساتھیوں کے اندر بھی ایسا ہی شعور و ادراک پیدا کریں کہ وہ اصول پرست ہیں نہ کہ شخصیت پرست اور حق کے ساتھی ہیں نہ کہ کسی خاص فرد کے ــــــــ!!

اور آپؑ اربابِ حل و عقد کی پیشکش کے باوجود اس بات پر آمادہ نہیں تھے کہ اصول کو پامال کر کے حاکم بنیں۔ حالانکہ پیغمبرِ اسلامؐ کے بعد کوئی بھی شخص عظمت و جلالت میں آپ کے ہم پلہ نہیں تھا اور نہ آپؑ کے علاوہ کسی کو حکمرانی کا حق تھا۔ لیکن سیرتِ شیخین کو ٹھکرا کر آپؑ نے تیسری خلافت سے محرومی کو گوارا کیا۔

اور جب قتلِ عثمان کے بعد لوگوں نے آپؑ سے اصرار کیا کہ آپ زمامِ

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

حکومت کو سنبھالیں تو آپؑ نے لوگوں سے یہی کہا کہ ————

"جاؤ، کسی اور کو حاکم بنا لو، اگر وہ عدل و انصاف کے مطابق حکمرانی کرے گا تو میں اس کی مخالفت نہیں کروں گا۔"

آپ کے اس انکار کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ پیغمبر اسلامؐ کی رحلت کے بعد قوم کے اندر دین و مذہب سے جس انحراف کا آغاز ہوا تھا وہ اب انتہائی حدوں کو چھو رہا تھا۔ اس انحراف کے نتائج بہت عمیق اور وسیع ہو چکے تھے اور وہ اپنی طغیانی و سرکشی میں اس منزل تک پہنچ چکا تھا کہ ساری قوم انتشار و اضطراب میں مبتلا تھی۔

چنانچہ امیرالمومنینؑ سے جب زمام حکومت سنبھالنے کے لیے بہت زیادہ اصرار کیا گیا تو آپؑ نے فرمایا کہ:

"میں صرف اس شرط پر حکومت قبول کر سکتا ہوں کہ تم لوگ میرے حکم کی پابندی اور صحیح راستہ پر چلنے کا عہد و پیمان کرو۔"

چنانچہ جس وقت حکومت و اقتدار پر فائز ہونے کے تمام وسائل فراہم تھے، آپ کا مسلسل انکار اس بات کا واضح اعلان ہے کہ امیرالمومنینؑ کی نگاہ کبھی بھی حکومت و اقتدار پر نہیں تھی جبکہ آپ ہمیشہ اصول کی خاطر احتجاج کرتے رہے اور اسی کی اپنے اصحاب باوفا کو تربیت بھی کرتے رہے۔

۲

(ہم نے چند صفحات قبل) یہ بات عرض کی تھی کہ ائمہ کرام علیہم السلام نے قوم کے اندر دو باتوں کا خصوصی شعور پیدا کیا۔ ایک یہ کہ لوگوں کے ذہن میں اسلامی قیادت کا صحیح شعور بیدار ہو جائے اور دوسری بات قوم کی پاسبانی تھی کیونکہ آنحضرتؐ کے بعد امتِ مسلمہ کو کمیت اور کیفیت دونوں لحاظ سے ایسے خطرات درپیش تھے۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

جن سے اس کی سالمیت کو اندیشہ تھا۔ لہٰذا امامؑ کو ایسے اقدامات کرنے تھے کہ دونوں عالموں پر غلبہ پایا جاسکے اور کمیت و کیفیت دونوں لحاظ سے امت کی حفاظت کی جائے چنانچہ کمیت کے عالم پر غلبہ حاصل کرنے کے لیے اسلامی قیادت کو بدترین انحراف سے روکنے اور اسلامی روش پر برقرار رکھنے کی جدوجہد فرماتے رہے اور اس سلسلہ میں دو اسلوب اختیار کیے:

۱۔ "مثبت مداخلت"

جس کے ذریعے قیادت کی ممکن حد تک اصلاح کی جاسکے کیونکہ جن لوگوں کے اختیار میں زمامِ اقتدار تھی وہ بسا اوقات ایسے مسائل و مشکلات کا شکار ہو جاتے تھے جن کا کوئی حل انھیں نہیں ملتا تھا ——

اور اگر وہ اپنی فکر و تدبیر سے ان کا کوئی حل تلاش کرتے تو کسی اور بڑی مشکل میں گرفتار ہونے کا اندیشہ پیدا ہو جاتا تھا اور مسلمانوں کے لیے تباہی و ہلاکت کے آثار نظر آنے لگتے تھے۔

چنانچہ ایسے مواقع پر جناب امیر المومنین علیہ السلام اور دیگر ائمہ کرامؑ اسلامی قیادت کو تباہی سے بچانے کے لیے بہترین رہنمائی فرماتے تھے۔

جناب امیر المومنین علیہ السلام جب یہ دیکھتے تھے کہ آپؑ کے خاموش رہنے سے اسلام کے عمومی مفاد یا مسلمانوں کے وجود کو ناقابل تلافی نقصان پہنچے گا یا مزید انحراف پیدا ہو جائے گا تو فوراً اقدام فرماتے تھے۔

ہم سب اس تاریخی حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ جب اعتقادی مسائل پیش آتے، امتِ مسلمہ کے ساتھ جب دوسرے ادیان و مذاہب کے لوگ زندگی گزارتے تو ایسے ایسے فکری مسائل سامنے آتے جن کو حل کرنے سے خلفا قاصر نظر آتے۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

اور ایسے مواقع پر جناب امیر علیہ السلام اسلام کی نصرت کے لیے آگے بڑھتے اور ان مسائل کو حل کرتے تھے۔

اسی طرح ـــــــــــ

(اگر آپؑ کے زمانہ کے حکام کوئی ایسا قدم اٹھانے کا ارادہ کرتے تھے جس سے اسلام کی تعلیمات پر حرف آنے والا ہو تو جناب امیرؑ ایسی رہنمائی فرماتے تھے کہ اسلام کی تعلیمات متاثر نہ ہونے پائیں۔)

ـــــــــــ جب دوسری خلافت کے دور میں یہ خطرہ پیدا ہوا کہ جاگیرداری کا ایک ہولناک نظام عالم اسلام میں قائم ہو جائے، کیونکہ عراق کی فتح کے بعد یہ سوال پیدا ہوا تھا کہ ـــــــــــ اس کی زمینیں مجاہدین کے درمیان تقسیم کر دی جائیں یا ان پر تمام مسلمانوں کا عمومی حق ہونا چاہیے ـــــــــــ؟

بہت سے لوگوں کا خیال تھا کہ وہ مجاہدین جو عراق گئے اور انھوں نے اس علاقے کو فتح کیا انھیں کے درمیان ان زمینوں کو تقسیم کر دیا جائے۔

لیکن ظاہر ہے کہ اس طرز فکر کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا کہ عراق ـــــــ شام ـــــــ ایران ـــــــ مصر ـــــــ اور عالم اسلام کی وہ تمام زمینیں جو مجاہدین کے ذریعہ مسلمانوں کے قبضہ میں آئی تھیں وہ سب کی سب مجاہدین کے درمیان تقسیم کر دی جاتیں اور اس طرح پورا عالم اسلام فوجیوں کی جاگیر بن جاتا۔ اور یہ ایسی ہمہ گیر جاگیرداری ہوتی جس کی ساری دنیا میں کوئی مثال بھی نہ ہوتی ـــــــــــ،

کیونکہ اس طرح پورے عالم اسلام کی تقریباً ساری زمین ۵ - ۶ ہزار فوجیوں کی ملکیت قرار پاتی (اور باقی سارے مسلمان حق ملکیت سے محروم رہتے)۔

یہ خطرہ پوری اسلامی مملکت کے لیے منڈلا رہا تھا اور خلیفۂ وقت حیران و پریشان تھے کہ اس گتھی کو کیسے سلجھائیں؟

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

اس موقع پر بھی حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے صحیح اسلامی موقف واضح کر کے اسلامی قیادت کی بر وقت رہنمائی کی ——————

اور خلیفۂ وقت نے آپؑ کے فرمان پر عمل پیرا ہو کر مشکلات سے نجات پائی۔

اسی طرح ایک وقت ایسا آیا جب خلافت ثانیہ کے دور میں یہ طے پارہا تھا کہ جنگ کے لیے مجاہدین کے ساتھ ساتھ خلیفۂ وقت بھی نکل کھڑا ہو ——————

تو جناب امیر المومنین علیہ السلام فی الفور مسجد نبوی میں پہنچے، اس وقت مدینے کے بیشتر مسلمان مسجد میں موجود تھے۔ آپؑ نے وہاں پہنچ کر خلیفۂ وقت کو توجہ دلائی کہ اگر سبھی مدینے سے چلے گئے تو شہر کو دشمنوں کے حملے سے کون روکے گا؟

چنانچہ آپؑ نے مجاہدین کے ساتھ خلیفہ کو جانے سے روک دیا۔

یہ چند مثالیں ہم نے اس لیے پیش کیں تاکہ یہ بات واضح ہو سکے کہ امیر المومنین علیہ السلام جب یہ دیکھتے تھے کہ خلیفہ کے کسی اقدام سے اسلام اور مسلمانوں کو مزید نقصان پہنچ سکتا ہے تو آپ مثبت کارروائی کرتے تھے۔

۲۔"احتجاج وتہدید"

ہم نے اوپر یہ بات واضح کی کہ امام علیہ السلام نے دو طریقے اپنائے۔ پہلا وہی جس کا اوپر ذکر کیا گیا کہ جب وہ دیکھتے تھے کہ قوم اور مذہب کو نقصان پہنچنے والا ہے تو مثبت اقدام فرماتے تھے ——————

دوسرا طریقہ یہ تھا کہ حسب ضرورت حکام کو تہدید فرما کر اور ان کے موقف کے خلاف احتجاج کر کے انھیں مزید انحراف سے روکتے تھے۔

مثال کے طور پر جب ایک روز خلیفہ ثانی نے منبر پر جا کر مسلمانوں سے سوال کیا کہ اگر میں تم لوگوں کو اس راستے سے ہٹا دوں جس راستے پر تم چل رہے ہو تو کیا کرو گے؟

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

تو اس وقت حضرت علی علیہ السلام ہی سامنے آئے اور آپؑ نے واضح الفاظ میں ارشاد فرمایا کہ ــــــــــــــ

"ہم اپنی تلوار کے ذریعے تمھیں ٹھیک کر دیں گے"

امامؑ کا یہ جملہ آپؑ کے موقف کی بھرپور ترجمانی کرتا ہے۔ اور اگرچہ حالات کے تحت آپؑ نے خلفاء کے پورے دورِ حکومت میں تلوار نہیں اٹھائی لیکن مسلمانوں کی تمناؤں اور ان کے احساسات اور ان کے شعور کی صحیح رہنمائی فرماتے رہے۔

چنانچہ جب تیسری خلافت ناکامیوں سے ہمکنار ہوئی تو آپ ہی کی ایک ایسی مرکزی حیثیت تھی جس پر سارے مسلمانوں نے اتفاق کیا۔

یہ دو اسلوب وہ ہیں جنھیں آپؑ نے اپنی زندگی میں اپنایا اور اقتدار سے محروم رہنے کے باوجود امتِ مسلمہ کو تباہی سے بچایا جب کہ ابھی مسلمانوں کا شعور پختہ نہ تھا یا یہ کہیے کہ انھیں صحیح موقف سے دور ہٹایا جا رہا تھا اور آپؑ کے لیے یہ ضروری تھا کہ اسلام کی بقا کے لیے اور اس کی حقیقی روش کو قائم رکھنے کے لیے موقف کو معین کریں۔

چنانچہ امیر المومنین علیہ السّلام نے مندرجہ بالا دونوں طریقوں کے ذریعے منحرف قیادتوں سے پیکار بھی برقرار رکھی اور دین کی بہترین پاسبانی بھی کی اور ان دو طریقوں کے ذریعے جنھیں سیاسی عمل بھی کہا جا سکتا ہے اور براہ راست حکمرانی کا پرتو بھی۔

آپ نے اسلام کا حقیقی رخ پیش کیا اور اسلامی زندگی کا ایک ایسا نمونہ پیش کیا جو ہر قسم کے انحراف سے پاک تھا۔ اور یہ بات اتنی واضح ہے کہ جس کے لیے کسی طولانی گفتگو کی ضرورت نہیں۔

جناب امیر المومنینؑ نے جس وقت زمامِ اقتدار سنبھالی اس وقت سے اپنی شہادت تک آپ کی توجہ جتنی اسلامی تعلیمات کے تحفظ پر تھی اتنی اقتدار و حکومت کے تحفظ

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

پر نہیں تھی ۔ آپ جانتے تھے کہ امتِ مسلمہ کے درمیان اختلاف و تنازعات اتنے زیادہ بڑھ چکے ہیں کہ کوئی اصلاحی عمل (مختصر مدت میں) کامیاب نہیں ہو سکتا ——————

اور اسی کے ساتھ آپؑ یہ بھی جانتے تھے کہ ——————

مستقبل میں اس قوم پر معاویہ جیسا شخص مسلط ہونے والا ہے جو دین کی کشتی کو بالکل مخالف سمت میں لے کر چلے گا اور خلافت ثانیہ اور ثالثہ میں حالات میں جو انحراف پیدا ہوا ہے وہ سب اس کی پشت پناہی کرے گا۔

آپؑ نے ان تمام حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اور ان حقائق کو جانتے ہوئے بھی صرف اس لیے زمامِ حکومت قبول کی کہ حالات کی جس حد تک ممکن ہو اصلاح کر سکیں ۔ اور انحراف سے بچتے ہوئے ایک بااصول حکومت کس طرح قائم کی جا سکتی ہے اس کا عملی نمونہ پیش کر دیں۔

چنانچہ اس عملی نمونہ کو پیش کرنے کے لیے حکومت بھی قبول کی اور ہزاروں افراد کی قربانی بھی گوارا کی۔

جیسا کہ ہم نے گزشتہ صفحات پر بھی وضاحت کی ہے جناب امیرالمومنین علیہ السلام کے اقدامات صرف شیعوں کے لیے نہیں تھے بلکہ پوری امتِ مسلمہ آپ کے پیشِ نظر تھی۔

آپ شیعوں کی بھی صحیح رخ پر تربیت کر رہے تھے اور عامۃ المسلمین کی بھی ۔ وہ شیعہ اور غیر شیعہ ہر مسلمان کے محافظ و پاسبان تھے ۔ اور اسلامی حکومت کی اعلیٰ ترین مثال پیش کرنا چاہتے تھے ——————؛

اور اس جہاد میں جو لوگ آپؑ کا ساتھ دے رہے تھے اور اس کی خاطر جنگوں میں شریک ہو رہے تھے —————— کیا وہ سب شیعہ تھے ——————؟ نہیں بلکہ اس میں شیعہ اور غیر شیعہ سب تھے ۔ جنھوں نے امیرالمومنینؑ کو خلیفۂ رسولؐ تسلیم کیا تھا ۔

اور جناب امیرالمومنین علی ابن ابی طالبؑ کی شہادت کے بعد علویین اور طالبین

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

وغیرہ کی قیادت میں جو تحریکیں چلیں ان سب میں پرچم جناب امیرالمومنین ہی کا ہوتا تھا ، لیکن یہ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ وہ سب شیعہ تھے۔

کیونکہ ان میں بکثرت لوگ آپ کے بارے میں ویسا عقیدہ نہیں رکھتے تھے جیسا کہ آج کے شیعوں کا ہے بلکہ وہ سب لوگ آپ کے پرچم کی سربلندی اس لیے چاہتے تھے کہ ـــــــ

آپؑ کو اسلامی حکومت کے لیے بہترین مثال سمجھتے تھے۔

چنانچہ جب عبداللہ ابن زبیر کے گورنر نے عبداللہ ابن زبیر کی سیاست کا لوگوں کے سامنے اعلان کیا اور کہا کہ ـــــــ

"ہم اسی طرح حکومت کریں گے جس طرح خلیفہ اوّل و دوم اور سوم نے کی تھی ـــــــ!"

تو پورے مجمع نے احتجاج کیا اور بہ آوازِ بلند کہا کہ ـــــــ

"نہیں ـــــــ ، بلکہ ویسی حکومت ہونی چاہیئے جیسی حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے کی تھی"

کیونکہ صرف انھیں کی ذات پوری امتِ مسلمہ کے نزدیک مثالی نمونۂ عمل ہے۔

اسی طرح یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ بنی عباس کی حکومت کس طرح قائم ہوئی، تو تاریخ گواہی دے گی کہ اس کی بنیاد یہ تھی کہ ـــــــ

بنی عباس نے لوگوں کے سامنے یہ اعلان کیا تھا کہ ہم یہ حکومت امام جعفر صادق علیہ السلام کی رہنمائی کے مطابق کریں گے۔

چنانچہ خلافت عباسیہ بنیادی طور پر امام جعفر صادقؑ اور آلِ محمدؐ کے نام پر قائم ہوئی کیونکہ اسی نام میں عظمتِ انسان کی تاریخ پوشیدہ تھی اور اسی عظمت کے نام پر

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

عامۃ المسلمین اس میں شامل ہوئے۔

یہ واضح بات ہے کہ اس تحریک میں حصہ لینے والے سب شیعہ نہیں تھے، بلکہ عامۃ المسلمین تھے مگر سب کو یہ اعتراف تھا کہ اہل بیت کرام ہی اسلام کی صحیح رہنمائی کر سکتے ہیں وہی اس منصب کے حقدار ہیں اور جس طرح حضرت علی علیہ السلام اپنے دور میں حقیقی اسلام کی اعلیٰ ترین عملی مثال تھے اسی طرح آج امام جعفر صادق علیہ السلام اور اہل بیت کے وہ دیگر افراد جن کی رگوں میں علیؑ کا خون اور جن کے افکار میں امیر المومنینؑ کا عطا کردہ دینی شعور ہے۔

چنانچہ امام جعفر الصادق علیہ السلام کے حلقۂ درس میں جو لوگ آتے تھے ان میں شیعہ اور غیر شیعہ دونوں ہوتے تھے۔

ائمۂ کرام علیہم السلام نے ہمیشہ یہ چاہا کہ اسلام کی صحیح تصویر پوری امتِ مسلمہ کے لیے پیش کریں جو روشنی کا منارہ ——— آئیڈیل ——— اور بہترین نمونۂ عمل بن سکے۔

آپؑ حضرات کے پیش نظر دو باتیں ہمیشہ رہا کرتی تھیں:

(۱) ——— مسلمانوں کی صالح تربیت

(۲) ——— تمام مسلمانوں کے لیے اعلیٰ ترین نمونۂ عمل پیش کرنا۔

اور ان دو باتوں کے سلسلے میں آپؑ حضرات اس کی کوئی تفریق نہیں کرتے تھے کہ یہ شیعہ ہے کہ غیر شیعہ۔

برادران اہل سنت کے بڑے بڑے علماء نے اس وقت اہل بیت کرامؑ کا بھرپور ساتھ دیا اور علویین و طالبین کی حمایت میں جہاد کا فتویٰ دیا تھا ———!

حتیٰ کہ امام اعظم جناب ابو حنیفہ بھی خود حکام کی طرف سے منصب قبول کرنے سے قبل علویین کے پرچم تلے جہاد کے لیے نکلے تھے اور اگرچہ اس وقت بھی ان کا شمار برادران اہل سنت کے بزرگ ترین علماء و دینی رہنماؤں میں ہوتا تھا لیکن انھوں نے فتویٰ دیا تھا کہ

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

"جن لوگوں کے ہاتھوں میں علی علیہ السلام کا پرچم ہے ان کا ساتھ دیا جائے۔"

اس لیے ہم واضح طور پر کہہ سکتے ہیں کہ جناب علی ابن ابی طالب علیہ السلام کا موقف اتنا واضح تھا کہ وہ کسی ایک طبقے تک ہی نہیں محدود تھا بلکہ اس میں اتنی وسعت تھی کہ پوری امت مسلمہ کو اپنے احاطہ میں لے سکے، اسے اس کی اصل شناخت بتا سکے، اس کو اسلام کے مقاصد سے روشناس کرا سکے اور اسلام کے ہی ذریعہ اس کے تشخص کی حفاظت کر سکے اور یہ بات ذہن نشین کرا سکے کہ ______

اسلامی معاشرے میں زندگی گزارنے والا انسان کس قسم کی سچی اسلامی زندگی گزارے ______؟

❁

ہم نے یہ ساری گفتگو اس لیے کی تاکہ ہم نصیحت بھی حاصل کر سکیں اور رہنمائی بھی۔ جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام اپنی تمام عظمت وجلالت کے ساتھ اپنے ساتھیوں کو یہ تربیت دیتے ہیں کہ ______

وہ آپ کی شخصیت کے ساتھی نہیں ______ بلکہ ______ اسلامی مقصد کے ساتھی ہیں ______!

ہم لوگوں کو بھی ضرور غور کرنا چاہیئے کہ ہم اپنے ساتھیوں کو اس انداز سے تربیت نہ دیں کہ وہ ہمارے ساتھی نہیں، دین کے ساتھی ہیں ـــ!

کوئی شخص بھی کسی دوسرے شخص کا دائمی ساتھی نہیں بن سکتا۔ بلکہ اسلام کے مقصد اعلیٰ کو دوام حاصل ہے اور اسی پیغام کو ہمیشہ معیار قرار دیا جا سکتا ہے۔

"اگر میں کسی وقت بھی اسلام کے حقیقی مقصد سے ہٹ جاؤں تو آپ لوگ میرا بھی مواخذہ کریں کیونکہ دین سب سے

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

زیادہ معزز اور سب سے زیادہ قیمتی ہے اور اللہ ہی اس
کائنات کا پروردگار ہے، وہی مالکِ حقیقی ہے، اسی
کے ہاتھ میں آپ کا مستقبل بھی ہے۔ جہاد کے نتائج بھی
اور آخر میں اسی کی بارگاہ میں سب کو پیش بھی ہونا ہے۔"

کیا میں آپ کو آپ کے جہاد کا نتیجہ پیش کرسکتا ہوں! یا اس سرزمین پر کوئی
اور انسان آپ کے جہاد کے نتائجِ عمل کا انجام پیش کرسکتا ہے ——— ؟

وہ تمام دینی اقدامات جن میں اپنی جوانی کی توانائیاں خرچ کی گئیں ———
زندگی قربان کی گئی ——— عمر کا بڑا حصہ خرچ کیا گیا ——— مشقتوں کو
برداشت کیا گیا ——— بھوک پیاس کی شدتوں کو برداشت کیا گیا ———
معاشرے کی ایذا رسانیوں کو برداشت کیا گیا ———

ان سب کا صلہ کون دے سکتا ہے ——— ؟
کیا ہم یا آپ اس کا صلہ دے سکتے ہیں ——— ؟

یقیناً ان باتوں کا اجر اور صلہ صرف خداوندِ عالم دے سکتا ہے اور وہی
اس کی قدر و قیمت بھی معین کرسکتا ہے ——— وہی جنت کے دروازوں کو ہمارے
سامنے کھول سکتا ہے ———

وہی ہماری کارکردگی کا رُخ تبدیل کرسکتا ہے اور ہمیں صحیح درجات پر
فائز کرسکتا ہے۔

لہٰذا اے میرے عزیزو! اور فرزندو!
تم میں سے کوئی بھی شخص اپنے مقاصد کو کسی فرد کے ساتھ وابستہ نہ
کرے بلکہ ہر شخص یہ سوچے کہ ———

ہم سب اس ذات سے وابستہ ہیں جو سب سے بلند ہے ———

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

سب سے بالا ہے ـــــــــــــــ ،

یعنی ـــــــــــــــ ذاتِ کردگار اور خوشنودیٔ پروردگار۔

یہی طرزِ فکر درحقیقت اسلام کی حمایت ہے اور یہی وہ راستہ ہے جس پر چل کر ہم ائمہ طاہرین علیہم السلام کے اسوۂ حسنہ پر عمل پیرا ہو سکتے ہیں۔

خداوند عالم ہمیں اور آپ سب لوگوں کو اپنی مغفرت سے نوازے۔

❋ ❋ ❋

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

۶

وفاتِ پیغمبرؐ کے بعد آغازِ انحراف
اور
جنابِ امیرؑ کو پیش آنے والی مشکلات

حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے بعد براہِ راست جن لوگوں کے ہاتھوں میں زمامِ اقتدار تھی ان کا انحراف لازمی تھا کیونکہ ان میں سے بیشتر کے دلوں میں جاہلیت راسخ تھی اور آنحضرتؐ کی تعلیمات سے انھوں نے ابھی بھرپور فائدہ نہیں اٹھایا تھا۔

جبکہ زمامِ اقتدار کے لیے رسالت سے بھرپور روشنی حاصل کرنا بنیادی شرط ہے ہم شیعوں کے نزدیک اسلامی قیادت میں عصمت کی شرط اسی لیے ہے کہ بنی نوع انسان کو یہ یقین رہے کہ وہ جس کی قیادت میں چل رہے ہیں وہ ہر لغزش سے پاک ہے۔

زیرِ نظر باب میں ہم اسی سلسلے میں کچھ گفتگو کرنا چاہتے ہیں کہ قیادت اعلیٰ انسانی کمالات کی حامل ہونی چاہیئے اور ہم جب یہ کہتے ہیں کہ امام کو لازماً معصوم ہونا چاہیئے تو یہ ایسا نظریہ ہے جس کے حامی فقط شیعہ مکتبہ فکر کے لوگ نہیں بلکہ یہ بات دنیا بھر کے صاحبانِ فکر و نظر کے نزدیک منطقی اور معقول ہے۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

دنیا میں جس مکتبۂ فکر کی بھی یہ کوشش ہو کہ انسانیت کو از سرِ نو سنوارا جائے، اس کے لیے نئے نئے فکری، روحانی اور اجتماعی اقدار ایجاد کیے جائیں اور بنی نوع انسان کو تاریخ کے ان دھاروں میں کامیابی و کامرانی سے ہمکنار کیا جائے ـــــــــــ

تو مکتبۂ فکر اس وقت تک کامیاب ہی نہیں ہو سکتا جب تک کہ زمام کار کسی ایسے شخص کے ہاتھ میں نہ ہو جو لغزشوں اور گناہوں سے پاک ہو۔

حتیٰ کہ اگر مارکس کے نظریے سے بھی دیکھا جائے جو معاشرے میں ایک خاص طرزِ فکر کے انسان کو پیش کرنا چاہتا ہے اور انسانی زندگی کی انوکھی جہتیں متعین کرتا ہے اس کی بھی کوشش یہی ہوگی کہ اپنا نظریہ بنی نوع انسان کے درمیان ایسے شخص کے ذریعے پھیلائے جس کی زندگی خطا اور لغزش سے پاک ہو۔

اب یہ اور بات ہے کہ ہمارے نزدیک خطا و لغزش کا جو معیار ہے وہ مارکس کے نظریے سے بالکل مختلف ہو۔ لیکن مارکس یہ ضرور کہے گا کہ قوم کا وہ رہنما جو اس کے نظام کو پھیلانے اور آگے بڑھانے کا ذمہ دار ہے وہ مارکس کے نقطۂ نظر سے کسی خطا اور غلطی کا مرتکب نہ ہو ـــــــــــ

اسی طرح ہم یہ کہتے ہیں کہ جو شخص اسلامی نظامِ حیات کی قیادت اور امامت کر رہا ہے اسے اسلامی نظریہ کے مطابق ہر خطا اور لغزش سے پاک ہونا چاہیئے (جسے معصوم کہا جاتا ہے)

تو عصمت کا بنیادی مفہوم دونوں کے یہاں ملحوظِ خاطر ہے یعنی نظریہ سے مکمل وابستگی ـــــــــــ اپنے آپ کو مکمل طور پر اسی نظریے کے قالب میں ڈھال لینا۔ اور روحانی، فکری اور عملی اعتبار سے ایک ایسی پاکیزہ زندگی گزارنا جو گناہ اور لغزش سے پاک ہو ـــــــــــ،

اور یہی عصمت ہے۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو شیعوں نے امام کے لیے عصمت کی جو شرط رکھی ہے وہ کسی بھی مکتبِ فکر سے علیحدہ نظریہ نہیں ہے۔

اسی لیے دنیا میں جہاں بھی نظریاتی قیادت کو متہم کیا جاتا ہے اس کی وجہ نظریات سے انحراف ہی ہوتی ہے۔ کیونکہ کسی بھی نظریے اور عقیدہ سے وابستہ افراد کے لیے رہبری اور رہنمائی کا حق وہی رکھتا ہے جو اس نظریہ سے آشنا ہم آہنگ ہو گویا اس کی پوری زندگی اسی کا پر تو نظر آئے۔

اور چونکہ پیغمبر اسلامؐ کے بعد جن لوگوں نے زمامِ اقتدار سنبھال وہ اسلامی تعلیمات کے معیار پر کامل نہیں تھے ــــــــــــــ،

اس لیے جناب امیرؑ کے چاہنے والوں نے انھیں قبول نہیں کیا۔

اسی طرح جو شخص بھی اپنے دین و مذہب کے معیار پر کامل نہیں نظر آئے گا اس کی قیادت و زعامت قابل اعتراض ہوگی۔

مثال کے طور پر ماضی قریب میں ہمیں یہ نظر آتا ہے کہ مارکس کے بہت سے ماننے والوں نے روسی حکام پر یہ اعتراض کیا کہ وہ بنیادی اصول سے منحرف ہو گئے ہیں اور وہ اس لائق نہیں ہیں کہ مارکسی فلسفہ کی قیادت کر سکیں۔

تو اس اعتراض کی بنیاد بھی وہی فطری اصول ہے جسے ہم عصمت کے باب میں ذکر کرتے ہیں کہ کسی بھی نظریے اور فلسفہ کی قیادت صرف وہی کر سکتا ہے جو اس فلسفہ کی میزان کے لحاظ سے کامل ہو۔

اگرچہ مارکسی میزان کچھ اور ہوگی اور اسلامی میزان الگ ہے، لیکن اساس وہی فطرت کی آواز ہے جس کا ہم نے اوپر ذکر کیا اور یہ وہ آواز ہے جسے ہر عقیدہ، ہر مذہب، ہر مکتب فکر اور ہر آئیڈیالوجی کا ماننے والا اپنے اپنے میزان پر صحیح تصور کرتا ہے۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

البتہ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اسلام کے نقطۂ نظر سے عصمت، ایک نہایت ہی ارفع و اعلیٰ مفہوم ہے۔ کیونکہ اسلام خود ایک آفاقی اور ہمہ گیر مذہب ہے اس لیے اس کی نگاہ میں عصمت کا مفہوم اس قدر بلند ہے کہ دنیا کا کوئی نظریہ اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

اس کا حامل اسلام کے اصول و قوانین کے قالب میں اس طرح ڈھل چکا ہوتا ہے کہ اسلام کے مقاصد، اسلامی پیغام اور اسلام کی تعلیمات اس کی زندگی و بندگی کے ہر پہلو سے اس طرح نمایاں ہوتی ہیں (کہ اس کی ذات میں کسی خطا، لغزش اور سہو و نسیان کا دخل بھی نہیں ہوتا)

دنیا کے دیگر مذاہب اور فلسفوں نے انسانی زندگی کے کسی ایک پہلو کو سامنے رکھ کر اپنے قوانین بنائے ہیں ـــــــ

مثال کے طور پر مارکس کے فلسفہ میں انسانی زندگی کے صرف معاشی پہلو کو سامنے رکھا گیا ہے اور اس کے علاوہ کسی پہلو سے بحث نہیں کی گئی۔

انسان اپنے گھر میں کیسی زندگی گزارتا ہے ـــــــ؟ اس کے انفرادی امور کیا ہیں ـــــــ؟ اس کا عقیدہ و نظریہ کس قسم کا ہے ـــــــ؟ وہ سلوک و آداب کا پابند ہے یا نہیں ـــــــ؟ خدا کو یاد کرتا ہے یا نہیں؟ غرض کسی پہلو سے اسے مطلب نہیں ہے بس سیاسی اور اقتصادی پہلو پیش نظر ہے۔

یہ بات ظاہر ہے کہ جتنی اصل فلسفے میں وسعت ہوگی اسی کے اعتبار سے آئیڈیل کو بھی پرکھا جائے گا۔ مارکس کا فلسفہ چونکہ ایک محدود جہت رکھتا ہے لہٰذا اس کا آئیڈیل بھی اسی محدود زاویہ سے تلاش کیا جائے گا۔

لیکن اسلام ایک ایسا دستورِ حیات ہے جسے مالکِ دو جہاں نے زمین پر بسنے والوں کے لیے نازل کیا۔ اور یہ انسانی زندگی کے تمام مسائل کو حل کرنا چاہتا ہے۔ حتیٰ کہ ایک انسان جو اپنے بستر پر لیٹا ہوا ہے اس کے لیے بھی مذہب کی طرف سے آداب موجود ہیں گھریلو زندگی کے بھی احکام ہیں۔ پروردگارِ عالم سے مناجات کے بھی طریقے ہیں۔ نفس کی

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

ریاضت کے بھی پہلو ہیں ——— اہلِ خاندان سے روابط کے بھی قوانین ہیں —— اور بازار، اسکول، معاشرہ، سیاست، اقتصادیات، اخلاقیات، عمرانیات، سماجی فلاح وبہبود ——— غرض زندگی کے ہر شعبے کے لیے واضح لائحہ عمل موجود ہے۔

لہٰذا اسلام کے نقطہ نظر سے جس شخصیت کو آئیڈیل قرار دیا جائے گا اس کی زندگی کا ہر پہلو سے جائزہ لیا جائے گا۔ کیونکہ اسلامی دستور زندگی کے ہر پہلو پر محیط ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ہم جب یہ کہتے ہیں کہ امام معصوم ہوتے ہیں، تو اس کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ وہ اپنے افکار وخیال، سیرت وکردار، جذبات واحساسات، سلوک و آداب اور زندگی وبندگی کی ہر روش میں اتنے عظیم، اتنے پاک و پاکیزہ اور رفیع الشان ہوتے ہیں کہ کسی گناہ، لغزش، خطا یا سہو ونسیان کا ان کے بارے میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

اور چونکہ اسلام کا دائرۂ عمل بہت ہمہ گیر ہے اس لیے عصمت کا یہ تصور بھی ہمہ گیر ہوتا ہے ——— !

لہٰذا جس طرح ہر فلسفہ کے ماننے والے اپنے نقطہ نظر سے ہی آئیڈیل کی قیادت وزعامت کو تسلیم کرتے ہیں اسی طرح ہم بھی اہلِ بیت کی قیادت کو آئیڈیل ہی کی زعامت و رہبری تسلیم کرتے ہیں۔

اور ہمارے نزدیک آئیڈیل سے مراد معصوم ہوتے ہیں۔ (جس کی زندگی ہر قسم کی خطا ولغزش سے پاک ہوتی ہے)

اور عصمت ان مفاہیم میں سے ہے جو ارتقا پذیر ہیں ———،

اسی طرح اللہ کی جانب سے آنے والے تمام ہادیان برحق کی عصمت کے بھی

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

مدارج و مراتب ہیں اور بعض کو بعض پر فضیلت حاصل ہے اور ائمۂ اہلبیتؑ ان مدارج میں سے اعلیٰ ترین مدارج پر فائز ہیں۔

پیغمبرِ اسلامؐ کے بعد زمامِ اقتدار جن لوگوں نے سنبھالی وہ چونکہ عصمت کے مرتبہ پر فائز نہ تھے ــــــ اور ــــــ پیغام میں بحیثیت پیغام، انھیں آئیڈیل ماننے کی کوئی گنجائش نہیں ہے ــــــ،

قطع نظر اس سے کہ کچھ لوگ ان کے بارے میں ایک خاص نقطۂ نظر رکھتے ہوں۔!

حیات و کائنات اور اسلامی اجتماع کے اعتبار سے اگر یہ فرض بھی کیا جائے کہ ان لوگوں نے کرۂ ارض پر زندگی اور تاریخ کا رُخ بدلا تاہم اسلام کے فکری نظام اور اس کے اساسی دستور کے لیے ــــــ،

ایک ایسے رہنما کی ضرورت ہے جو عصمت کا لباس زیبِ تن کیے ہوئے ہو اور بلند ترین فکر و عمل کا حامل ہونے کے اعتبار سے ہر خطا و نسیان سے پاک و منزّہ ہو ورنہ وہ کس طرح اس دین کے لیے آئیڈیل قرار دیا جاسکتا ہے؟

❋

بسا اوقات یہ کہا جاتا ہے کہ:

امت مجموعی طور پر خطا سے محفوظ ہے۔ یہ امت حکام کی نگرانی کرتی اور ان کے اعمال و افعال پر نگاہ رکھتی ہے تاکہ انحرافِ فکر نہ پیدا ہونے پائے اور جب مجموعی طور سے خطا سے محفوظ ہے تو آئیڈیل کے لیے جو خصوصیت لازمی قرار دی گئی تھی وہ خود بخود حاصل ہو جائے گی، انفرادی طور پر کسی معصوم کے ہونے کی ضرورت نہیں۔

لیکن یہ طرزِ فکر کسی طرح صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ وہ لوگ جنھوں نے حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حکومت سنبھالی ان میں ایک آئیڈیل کی معمولی

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

حد بھی نہیں پائی جاتی، اور نہ عصمت و طہارت سے ان کا کوئی تعلق تھا۔

ظاہر ہے کہ جب تمام افراد اس وصف سے خالی ہوں تو پھر ان کا مجموعہ بھی اس صفت سے خالی ہوگا اور اگر کوئی استثنیٰ کیا جا سکتا ہے تو صرف جناب امیرالمومنین علیہ السلام کی ذات والاصفات سے ہو سکتا ہے۔

اس کے باوجود ہمیں یہ اعتراف ہے اور ہم اسے اعزاز سمجھتے ہیں کہ امتِ مسلمہ کے وہ افراد جن کی حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تربیت فرمائی انھوں نے تاریخ بشریت میں نہایت اعلیٰ سیرت کے نمونے پیش کیے ——————

اور اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قوم کی تربیت کے لیے جو وقت ملا وہ چوتھائی صدی سے بھی کم تھا لیکن اس کے باوجود آپؐ نے قوم کے اندر وہ طاقت اور قوتِ ارادی پیدا کر دی کہ وہ بہترین صلاحیتوں کی مالک بن گئی۔

اور ایک عام انسان تو یہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ چوتھائی صدی سے کم مدت میں یہ کیسے ممکن ہوا کہ اس قوم میں ایسے ایسے افراد ابھرے جنھوں نے آنحضرتؐ کی زندگی میں دین و مذہب کی بقا کے لیے ایسی عظیم الشان قربانیاں پیش کیں جن کی مثال سابقہ انبیاء کی تاریخ میں نہیں ملتی۔

درحقیقت یہ قربانیاں جنت کی طرف ایک مسابقت اور آخرت کی بہتری کے لیے باہمی مقابلے کی ایک نوعیت تھی۔

آنحضرتؐ نے مسلمانوں کے درمیان جس راہ کو اختیار کیا اور مہاجرین و انصار کے درمیان رشتۂ اخوت کو قائم کیا تاکہ باہمی زندگی گزارنے، آپس کے معاملات طے کرنے اور اجتماعی روابط برقرار رکھنے کے لیے ان کے پاس لائحۂ عمل موجود ہو ——————

یہاں تک کہ ایک شہر (مکہ) کے افراد جب جلا وطن ہو کر دوسرے شہر (مدینہ) پہنچتے ہیں تو اس شہر کی نعمتیں، اموال اور تمام آسائشیں ان کے حصہ میں آتی ہیں۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

ان کا گرم جوشی سے استقبال کیا جاتا ہے اور ان کی طرف اس طرح دیکھا جاتا ہے کہ گویا وہ ان کے حقیقی بھائی ہیں۔ جس کے بعد ان دونوں شہروں کے باشندے اجتماعی طور پر اس طرح زندگی گزارنے لگتے ہیں جیسے سینکڑوں برس سے اسی طرح رہتے آئے ہوں۔

یہ ــــ اور اس قسم کے تمام خوش آئند پہلوؤں کا ہم اعتراف کرتے ہیں جو رسولؐ کی زندگی میں اس امتِ مسلمہ کے درمیان اتنے نمایاں نظر آتے ہیں جن کی سابقہ انبیا کی تاریخ میں کوئی مثال نہیں ہے ــــ'

لیکن اس کے باوجود ہمیں یہ کہنے میں کوئی تامل نہیں ہے کہ امت اجتماعی طور پر خطا سے محفوظ نہیں تھی (نہ افراد معصوم تھے نہ قوم بحیثیت قوم)

یہ جو کامیابیاں حاصل ہوئیں اور قوم میں خوش آئند تبدیلیاں آئیں وہ اس عظیم الشان اخلاصِ عمل اور حیاتِ طیبہ کی شعاعوں کی بنا پر تھی جو کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کا پرتو تھیں۔ ورنہ امت کے افراد میں ذاتی طور پر ابھی شعور کی بیداری ہی پیدا ہوئی تھی۔

آنحضرتؐ روز و شب اسی سعی میں مصروف تھے کہ قوم کا فکری شعور بلند ہو۔ اور اسے ایک ایسی منزل تک پہنچا دیا جائے کہ لغزش سے بچ سکے۔

لیکن ظاہر ہے کہ آنحضرتؐ کی زندگی میں اس جدوجہد کا محض آغاز ہوا تھا اور جو بات پایۂ تکمیل تک پہنچی تھی قوم کے مجموعی ادراک و شعور کے نقطۂ نظر سے وہ محض اتنی تھی کہ قوم کے اندر وہ حرارتِ ایمانی پیدا کر دی گئی تھی جو نہایت عظیم الشان تھی۔

یہ طاقت جو قوم کے اندر رفتہ رفتہ پیدا ہوئی تھی، اس میں ہر لحظہ نمو پانے کی بھی صلاحیت تھی اور شکست و ریخت کی بھی۔ اور یہی بعد میں تمام مثبت تبدیلیوں کی بنیاد بن سکتی تھی۔ لیکن اس کا اصل سرچشمہ آنحضرتؐ کی ذات تھی جو ان لوگوں کو اعلیٰ ترین نمونوں اور بہترین اور عظیم الشان اقدار کی طرف لیے چل رہی تھی۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

یہ اقدار بھی وہ تھیں جن کی حدود بھی آنحضرتؐ نے ہی قائم کی تھیں۔ اور چونکہ ابھی آنحضرتؐ کی بعثت کو زیادہ مدت نہیں گزری تھی اس لیے یہ ایمانی طاقت ابھی حرارت کی منزل میں تو تھی مگر اسے شعور کی مکمل بیداری نہیں کہا جا سکتا۔

ہم نے پہلے بھی یہ بات کہی ہے کہ احساسات کی گرمی اور شعور کی بیداری کبھی کبھی ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح ہم آہنگ ہو جاتی ہیں کہ پھر یہ موازنہ کرنا عام حالات میں ذرا مشکل ہو جاتا ہے کہ یہ قوم جو آگے بڑھ رہی ہے وہ شعور کی مکمل بیداری کی بنا پر ہے یا گرمیٔ شوق کے انتہائی درجہ تک پہنچ جانے کی وجہ سے ہے۔؟

کیونکہ دونوں صورتوں میں، آثار کے شواہد ایک ہی قسم کے ہوتے ہیں لیکن کچھ مخصوص رجحانات قومی زندگی کی بحرانی کیفیات اور امت کی تاریخ کے حساس موقع پر یہ پتہ چلتا ہے کہ جو اقدام کیا گیا تھا وہ شعور کی بیداری کی بنا پر کیا گیا تھا یا گرمیٔ شوق کی بنا پر ——————!

اسی طرح جب قوم کسی بات سے شدید طرح سے متاثر ہو تب بھی ان دونوں پہلوؤں میں فرق واضح ہو سکتا ہے۔ اب چاہے وہ تاثر مثبت ہو یا منفی۔

کیونکہ شعور کی کیفیت یہ ہے کہ وہ متاثر ہونے کی صورت میں بھی فوری اضمحلال کا شکار نہیں ہوتا۔ نہ اس میں انتشار پیدا ہوتا ہے نہ انحراف۔ بلکہ وہ اپنی پختگی پر باقی رہتا ہے۔ کیونکہ انسان کے شعور کی بیداری درحقیقت اپنے مقاصد اور ذمہ داریوں پر یقین سے وابستہ ہے جو ہر قسم کے تاثر، مشکلات اور پسپائی کے اندیشے سے بالاتر ہے

اگر انسان کو اپنے مقاصد اور ذمہ داریوں کے بارے میں مکمل شعور اور پختہ یقین ہوگا تو یہ شعور انتشار و انحراف اور کم و بیش کی حدود سے ماوراء ہوگا۔

مثال کے طور پر حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب فتح مکہ کے بعد خانۂ خدا

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

میں داخل ہوئے تو اگرچہ عظیم الشان فتح حاصل کرنے کے بعد پہنچے تھے لیکن اس فتحِ عظیم نے نہ آپؐ کے اخلاق حسنہ کو تبدیل کیا ــــــــ

اور نہ اپنی کامیابی پر آپؐ کے اندر فخر پیدا ہوا۔

بلکہ مزید انکساری اور اللہ کی عبدیت کا احساس اجاگر ہوا۔

درحقیقت یہ اس عظیم شعور کا پہلو ہے جو آنحضرتؐ قوم کے اندر پیدا کرنا چاہتے ہیں مگر جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے ان میں فتح و ظفر پر فخر و مباہات ــــــــ اور مشکلات و مصائب اور آلام کے موقع پر رنج و غم کے انمٹ تاثرات بھی نظر آتے ہیں۔

جبکہ شعور کی بیداری کا تقاضہ یہ ہے کہ انسان مشکلات و مصائب کے موقع پر بھی نہ گھبرائے، نہ مایوس ہو اور نہ مضمحل۔ بلکہ اپنے مسلکِ حقیقی پر ثباتِ قدم سے گامزن رہے ــــ!

آنحضرتؐ کے اخلاقِ حسنہ، سیرت و کردار اور بارگاہِ معبود میں عجز و انکسار کے لحاظ سے ان دونوں مرحلوں میں کوئی فرق نہیں نظر آتا کہ ایک وقت وہ تھا جب اسی مکہ کے لوگ اور عرب کے مشرک قبیلے آپؐ پر پتھروں کی بارش کرکے مکہ چھوڑنے پر مجبور کر رہے تھے۔ اس وقت بھی آپؐ کی زبان پر یہی جملہ تھا کہ ــــــــ

"پالنے والے! جب تو مجھ سے راضی ہے تو مجھے اس بات کی کوئی پرواہ نہیں کہ یہ لوگ میرے ساتھ کیا سلوک کر رہے ہیں"

آنحضرتؐ کا یہی انداز اس وقت بھی نظر آئے گا جب آپؐ اللہ سے راز و نیاز میں مصروف ہوں اور اس وقت بھی جب لوگوں کے درمیان انواع و اقسام کے مصائب کا سامنا کرنا پڑے۔

حتیٰ کہ جن لوگوں کی اصلاح کے لیے آپ شب و روز جد و جہد کر رہے تھے ان کی انتہائی سرکشی کے موقع پر بھی آنحضرتؐ کے اخلاق حسنہ میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوئی۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

(نہ فتح مکہ کے موقع پر آپؐ میں فخر نظر آیا نہ اس سے قبل مکہ سے جلاوطنی کے موقع پر مایوسی) دونوں حالتوں میں آپؐ کے اندر کوئی فرق نظر نہیں آیا۔ یہاں تک کہ وہ وقت بھی آیا کہ جب انھیں لوگوں نے آپؐ کی دعوت پر لبیک کہنا شروع کیا۔ مخالفین آپؐ کے سامنے سرنگوں ہونا شروع ہوئے اور انسانیت آپؐ کے مبارک قدموں پر سجدہ ریز نظر آنے لگی۔

لیکن ظاہر ہے کہ امت تو اس کمال کے درجہ پر نہ تھی۔ اور میں اس وقت ان شواہد کو دہرانا نہیں چاہتا جس سے بحث کا دروازہ از سرِ نو کھل جائے اور یہ ثابت کرنے کی سعی کی جائے کہ قوم میں بیداری نہ تھی۔

بس ایک وقتی جوش تھا جو سابقہ ایام کے ساتھ گزر گیا اس جوش و خروش کو دیکھ کر یہ تو کہا جا سکتا ہے کہ قوم کے اندر طاقت اور گرمیٔ شوق بہت ہے —— لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ افقِ ذہن بھی بلند ہو چکا ہے اس لیے امتِ مسلمہ نہ مجموعی طور سے خطا سے محفوظ تھی نہ اس کے عام افراد اپنی انفرادی زندگی میں لغزشوں سے پاک تھے ——

اس بنا پر اس کے اندر انحراف پیدا ہونا کوئی حیرت انگیز بات نہیں ہے جیسا کہ گزشتہ بیان میں بھی واضح کیا گیا کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں ہی یہ انحراف شروع ہو چکا تھا۔

البتہ حضرات ائمہ طاہرین علیہم السلام نے اس موقع پر بھی قوم کو مکمل تباہی سے بچانے کے لیے دو باتوں کی طرف خصوصی توجہ دی ——

(۱) —— اس انحراف کا سدِّ باب کرنے کی بھرپور کوشش۔ ظاہر ہے کہ اسلامی معاشرہ اور اسلامی طرزِ حکومت ایک تجربہ ہی تو تھا۔ یہ تجربہ انحراف کی راہ اختیار کر کے زمامِ اقتدار ان لوگوں کے

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

ہاتھوں میں دے بیٹھا تھا جو نہ اس پر پورا ایمان رکھتے
تھے نہ اس کی وسعتوں سے باخبر تھے۔ لہٰذا پہلی کوشش
تو یہی ہونی چاہیے کہ اس تجربے کو نااہل ہاتھوں سے الگ
کر دیا جائے۔

(۲) —— وہ پہلو جو حضرات ائمۂ طاہرین علیہم السلام کی تعلیمات میں نمایاں نظر آتا ہے (حتیٰ کہ ان حالات میں بھی جب معلوم تھا کہ زمامِ اقتدار کا ان کے ہاتھوں میں آنا ممکن نہیں ہے) اس امت کے مستقبل کو بچانے کی ذمہ داری ہے۔ جسے آپ حضرات[۴] نے ہر دور میں پورا کیا۔

ظاہر ہے کہ جب اسلامی حکومت اپنے مرکز سے ہٹ گئی تو حادثات کے پے در پے تسلسل کی بنا پر یہ بات ٹھہری تھی کہ یہ انحراف روز بروز عمیق ہوتا جائے۔ یہاں تک کہ اسلامی معاشرہ اتنا کمزور ہو جائے کہ اس میں کسی بھی شورش کو برداشت کرنے کی صلاحیت باقی نہ رہ جائے اور جب اس قدر کمزوری کا شکار ہو جائے گا تو اس میں امت کے دفاع کی صلاحیت کیسے باقی رہے گی ——————؟!

اور جب دفاع کی صلاحیت بھی باقی نہ رہے گی تو پھر وہ اسلام کی تعلیمات سے بھی دستبردار ہو جائے گا کیونکہ وہ ان تعلیمات پر کیسے باقی رہ سکتا ہے جو اس کا دفاع بھی نہ کر سکیں ——————؟!

مثلاً اگر اسلامی تعلیمات کے مطابق "عرب" کو حقِ حکومت ہو غیر عرب کو نہ ہو تو غیر عرب اسلام کا دفاع کس جذبے کے ساتھ کرے گا۔ یا اگر تصور یہ ہو کہ اسلامی معاشرہ ایک خاص خاندان کی ملکیت ہے تو اس خاندان کے علاوہ دوسرے عرب یا غیر عرب مسلمان اس کی طرف سے دفاعی ذمہ داریوں کو کس طرح پورا کریں گے اور جس

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

معاشرے میں ہر رنگ کے امتیازات، ترجیحات اور تماثلات موجود ہوں اس کے بارے میں یہ مسلمان کیسے محسوس کر سکتے ہیں کہ انھوں نے اپنے حقوق اور اپنے شرف و کرامت کو پالیا ——— !!

ظاہر ہے کہ یہ باتیں انسان کو اصل اسلام ہی سے منحرف کر سکتی ہیں اگر اس کے اندر دین کی تعلیمات مکمل طور پر راسخ نہ ہوں!

لیکن اگر حالات کے دگرگوں ہونے کے باوجود اسلامی معاشرہ باقی رہا اور امتِ مسلمہ بحیثیت قوم زندہ رہی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ———

اسلام کی ایک اور اعلیٰ تصویر موجود تھی جس کا چہرہ روشن ——— جس کے نقش و نگار واضح ——— اور ——— جس کے مقاصد بلند تھے ——

اور یہ اعلیٰ تصویر ان صاحبانِ ایمان کی زندگی میں نظر آئی جو حضراتِ ائمہ طاہرین علیہم السلام کی تعلیمات کے مطابق زندگی گزار رہے تھے۔

اور ظاہر ہے کہ اسلام کی اس درخشاں تصویر نے صرف ان لوگوں ہی کو متاثر نہیں کیا جو حضرات اہلبیت طاہرین علیہم السلام کے حلقہ بگوش عقیدت تھے بلکہ اس کی صدائے بازگشت پورے عالمِ اسلام میں گونجی کیونکہ پوری دنیا میں صرف اہلبیت طاہرین علیہم السلام ہی کی زندگی دین اسلام کا کامل نمونہ تھی۔

اور اگرچہ ان کی امامت کا عقیدہ رکھنے والوں کی تعداد بہت مختصر تھی لیکن پوری امتِ مسلمہ کے درمیان آپ حضرات ؑ کی زندگی ایک مخصوص اور منفرد نمونۂ عمل کی حیثیت رکھنے کی بنا پر نہایت ممتاز تھی۔

اور ائمہ کرام علیہم السلام بھی یہی چاہتے تھے کہ اسلامی تعلیمات کے بہترین نمونۂ عمل کو دنیا کے سامنے پیش کر دیں اور حق کے چہرے کو نمایاں کر دیں اور اسلام نے زندگی کے تمام شعبوں میں جو اجتماعی، سماجی، اقتصادی، اخلاقی

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

اعتقادی، عرفانی اور عبادتی تعلیمات نافذ کی ہیں ان کا واضح خاکہ دنیا کے سامنے پیش کردیں تاکہ ادوار گزرنے کے باوجود مسلمان، دینِ اسلام کو سمجھ سکیں، اس کی قدر و قیمت کو پہچان سکیں اور جس ماحول میں وہ زندگی گزار رہے ہیں اس سے ہٹ کر اس دین اور اس کی صداقتوں کو پرکھ سکیں۔

اور یہ وہ پہلو ہے جسے حضرات ائمۂ طاہرین علیہم السلام نے نہایت کامیابی سے پیش کیا۔

مثال کے طور پر:

حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے فوراً ہی بعد، جب حضرت امیرالمومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام نے مسلمانوں کے انحراف و روگردانی کا مشاہدہ کیا تو آپؑ نے ایسی تدابیر اختیار کیں جن سے مسلمانوں کی صفوں میں بھی یہ بات واضح ہو جائے کہ (سقیفہ کی کارروائی) دین کے فطری اصول و قوانین کے خلاف بھی ہے اور اسلام کی تعلیمات سے انحراف بھی۔

اور اس سلسلہ میں آپؑ نے حضرت خاتونِ جنّت سلام اللہ علیہا کی شخصیت کا بھی سہارا لیا "تاکہ جو لوگ آنحضرتؐ کی ذاتِ گرامی سے والہانہ عقیدت و محبت کا دعویٰ کرتے ہیں ان کے احساسات کو بیدار کیا جاسکے۔

لیکن (منافقین کے تسلط اور اسلام دشمن قوتوں کی محاذ آرائی کی بناپر) عام مسلمانوں کے احساسات کو اس حد تک بیدار کرنا ممکن نہ ہوسکا کہ وہ سقیفہ کی کارروائی کو کالعدم قرار دے کر زمامِ حکومت آپؑ کے ہاتھ میں دے دیتے۔

اور ظاہر ہے کہ حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جن کا ہر مسلمان کلمہ پڑھتا تھا اور سب ان کی محبت کا دم بھرتے تھے جب وہ اپنی زندگی میں حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی جانشینی کا اعلان فرماتے تھے تو خود آپؐ کو ان مسلمانوں

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔

وہ نبی کریمؐ جن کو اپنی زندگی میں کسی بھی قانون کے نفاذ میں ایسی دشواری پیش نہیں آئی ــــــــــ وہ رسولِ مقبولؐ جن کا قلب کسی بھی فیصلے کے وقت تردّد و تفکّر کا شکار نہ ہوتا تھا ــــــــــ اور وہ الٰہی نمائندہؐ جو کسی پیغام الٰہی کی نشر و اشاعت میں خوف محسوس نہ کرتا تھا ــــــــــ

جب اُن ہی نبی اکرمؐ کو پروردگارِ عالم کی طرف سے یہ حکم ملتا ہے کہ (حجۃ الوداع سے واپسی کے موقع پر) حضرت علیؑ کی جانشینی کا اعلان کردیں۔

تو انھیں خود مسلمانوں کی مخالفت کا اندیشہ لاحق ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ قدرت کی طرف سے یہ تنبیہی حکم نازل ہوتا ہے کہ:

"اے میرے حبیب! اگر آپ نے یہ اعلان نہیں کیا تو یوں سمجھیے کہ کارِ نبوت انجام ہی نہیں دیا۔"

(اس سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ) جناب امیرالمومنینؑ کی خلافت و جانشینی کے اعلان میں پیغمبر اکرمؐ کے سامنے اتنے اندیشے تھے جن کی بنا پر آپ تردّد و پریشانی میں مبتلا تھے اور آپؐ کے لیے یہ اعلان نہایت مشکل ہو رہا تھا ــــــــــ جبکہ ابھی صرف اعلان کی منزل تھی ــــــــــ

عملاً زمامِ حکومت سپرد کرنے کی منزل ابھی نہیں آئی تھی۔

(لیکن قدرت کی نگاہ میں یہ اعلان اتنا ضروری تھا کہ خداوندِ عالم نے واضح اعلان کردیا کہ اگر آپؐ نے یہ کام نہیں کیا تو گویا کارِ رسالت انجام ہی نہیں دیا۔)

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنی حیاتِ طیبہ میں پہلی مرتبہ (تمام مسلمانوں کی موجودگی میں) اس کا اعلان کر رہے تھے۔

اور ان مسلمانوں کے درمیان یہ اعلان تھا جن کے بارے میں تاریخ

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

میں یہ واقعہ موجود ہے کہ :

جب آنحضرتؐ وضو فرماتے تھے تو لوگ آپؐ کے روئے انور سے گرنے والے پانی کے قطروں کو اپنے ہاتھوں میں جمع کرنے کے لیے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے۔

اور جن کے بارے میں قریش کے لوگوں نے بھی یہ اعتراف کیا ہے کہ :

ہم نے قیصر و کسریٰ کو بھی دیکھا ہے اور دنیا کے دوسرے بادشاہوں کو بھی۔ لیکن حضرت نبی اکرمؐ کے چاہنے والے ان سے جتنی گہری محبت رکھتے ہیں ویسی کسی بڑے سے بڑے حکمران اور بادشاہ کے ہم نشین اس سے نہیں رکھتے۔

لیکن تصویر کا دوسرا رخ یہ بھی ہے کہ آپؐ کی زندگی کے آخری لمحات میں آپؐ کی بزم میں بیٹھ کر یہی لوگ ایسی چیخ و پکار کرتے ہیں کہ انھیں آنحضرت کی موجودگی کا احساس بھی نہیں ہوتا۔

حتیٰ کہ خود آنحضرتؐ سے بھی بدزبانی کر جاتے۔ اور انھیں کوئی احساس نہیں پیدا ہوتا بلکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ کہنا پڑتا ہے کہ :

"یہاں سے اٹھ جاؤ۔ نبی کے پاس جھگڑا کرنا اچھا نہیں ہے۔"

یہاں سے سمجھا جا سکتا ہے کہ آنحضرتؐ کی زندگی میں ہی حضرت علیؑ کی جانشینی کے مسئلے کو کتنا مشکل بنا دیا گیا تھا۔ ــــــــ؟

اس کے ساتھ ہمیں یہ بات بھی پیش نظر رکھنی چاہیے جس ذات کی خلافت و جانشینی کا آپؐ اعلان کرنا چاہ رہے تھے وہ ناکام ہونے والی ہستی نہیں تھی کیونکہ وہ اپنی شخصیت، عظمت، کردار، صلاحیت اور اسلامی خدمات کے اعتبار سے

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

سب سے بلند و بالا تھے لیکن اس کے باوجود ان کی جانشینی کا اعلان کرنے میں آنحضرتؐ کو نہایت سخت مشکلات پیش آئیں۔

سوال یہ ہے کہ وہ کون سے ایسے حالات تھے جن کی بنا پر حضورؐ کو یہ دشواریاں پیش آئیں ____؟

تو اس کے لیے بہت وسیع تحقیق کی ضرورت ہے اور آنحضرتؐ کی زندگی میں اسلامی معاشرے کے طرز فکر کا خصوصی جائزہ لینا نہایت ناگزیر ہے۔ کیونکہ متعدد اسباب نے یکجا ہو کر ہی ایسے حالات پیدا کیے تھے جن میں سے چند ایک اسباب کو ہم یہاں پر بطور مثال ذکر کرتے ہیں:

(۱)

پہلا ظاہری سبب یہ نظر آتا ہے کہ عام مسلمانوں کے اندر غیر اسلامی فکر موجود تھی اور جب حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپؑ کی ولایت اور جانشینی کا اعلان کیا تو اکثر لوگ ولایت کے اسلامی مفہوم کو نہ سمجھنے کی بنا پر اسے محض دنیاوی حکمرانی تصور کرتے رہے۔

یہ گفتگو ہم ان لوگوں کے بارے میں کر رہے ہیں جو اللہ اور رسولؐ پر برحق ایمان رکھتے تھے۔ خدا کو بھی مانتے تھے اور حضرت رسول خداؐ کو بھی رسول برحقؐ تسلیم کرتے تھے ____،

لیکن ان کے افکار میں بیداری نہیں تھی ____!

البتہ ان کے اندر جذبۂ جہاد موجود تھا۔ جو انھیں جنگوں میں شرکت کرنے اور جان کی بازی لگانے پر آمادہ کرتا تھا۔

اور مجھے کوئی شبہ نہیں ہے کہ ان لوگوں میں حرارت ایمانی بھی موجود تھی۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

اور راہِ خدا میں قربانی بھی پیش کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔

مثلاً سعد بن عبادہ خزرجی جنھوں نے حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے مقابلے میں خلافت کی اہلیت کا دعویٰ کیا۔ وہ ان ہی عام مسلمانوں جیسے تھے جو اسلامی غزوات میں شرکت بھی کرتے رہتے تھے اور جہاد پر آمادہ بھی رہتے تھے لیکن صحیح دینی شعور سے محروم تھے۔

کیونکہ وہ تمام مسلمان جو خدا اور رسولؐ پر ایمان رکھتے تھے، ان میں فکر و شعور کے اعتبار سے درجات کا بہت فرق تھا۔ غالب اکثریت ان ہی لوگوں کی تھی جو کم و بیش حرارتِ ایمانی تو رکھتے تھے مگر دینی شعور سے عاری تھے۔

اس لیے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی خلافت و جانشینی کا اعلان کیا تو ان لوگوں میں سے اکثر کے ذہن میں یہی خیال پیدا ہوا کہ:

آنحضرتؐ بنی ہاشم کی خاندانی شان و شوکت کو مستحکم کرنے کے لیے حضرت علیؑ کی جانشینی کا اعلان کر رہے ہیں۔ اور اپنے ذاتی اقتدار کو طول دینے کے لیے اپنے چچازاد بھائی کو اپنا نائب بنا رہے ہیں تاکہ ان کے ذریعے خاندانی اقتدار برقرار رہے۔

چونکہ مسلمانوں کی اکثریت کے اذہان میں ابھی تک زمانۂ جاہلیت کے افکار موجود تھے اور انھوں نے اپنی زندگی کا زیادہ حصہ ایسے ہی ماحول میں گزارا تھا اس لیے وہ امورِ دین کو بھی اسی ذہنیت سے دیکھتے تھے۔

جیسا کہ اس کی مثال اس موقع پر بھی نظر آتی ہے جب جنگ حنین کے خاتمے کے بعد حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مالِ غنیمت تقسیم کیا ——— اور صرف قریش کے لوگوں کو حصہ ملا جن کا تعلق مکے سے تھا۔ اور مدینے والوں کو حصہ نہیں ملا ——— تو مدینے کے انصار جو آنحضرتؐ کی محبت کا

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

دم بھرتے تھے، انھیں رسولِ برحق مانتے تھے، آپس میں ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ:

"حضرت رسولِ خدا اپنے قبیلے کے لوگوں (مکہ والوں) کو دیکھ
کر ہمیں بھول گئے۔ قریش کو تو نوازا اور اوس وخزرج،
(جو مدینے سے تعلق رکھتے ہیں انھیں) نظرانداز کردیا۔"

حالانکہ ان دونوں قبیلوں نے اسلام کے لیے عظیم قربانیاں دی ہیں۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ جن مسلمانوں کی ذہنی حالت کا یہ عالم ہو کہ پیغمبر اکرم ہادیٔ عالم، رسولِ اعظم کے لیے صرف مال کی تقسیم کے موقع پر اس قسم کے خیالات کا اظہار کر رہے ہوں کہ وہ اپنے قبیلے کے لوگوں کو ترجیح دے رہے ہیں وہ جب خلافت کو محض دنیاوی حکومت سمجھیں گے تو ان کے ذہن میں یہ تصور آنا کیسے بعید سمجھا جائے گا کہ آنحضرت اپنے قبیلے وخاندان کی حکومت کو مستحکم کرنے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں۔

اور ظاہر ہے کہ جن لوگوں کے ذہن میں اتنے پست خیالات پیدا ہوئے وہ درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صحیح طور سے پہچان ہی نہیں سکے تھے، اور نہ انھوں نے اسلام کی عالمگیر تعلیمات کو سمجھا تھا ——————

وہ اکثروبیشتر اپنے زمانہ جاہلیت کے افکار میں غلطاں رہتے تھے۔ اور آنحضرت کے اقدامات کو بھی اسی عینک سے دیکھتے تھے۔ اُن کو بھی ایک قومیت سے وابستہ رہنے والا عربی انسان سمجھتے تھے۔ جو اپنے عشیرے، قبیلے اور خاندانی نظام سے بندھا رہتا ہے اور اپنے چچا زاد بھائی کو بھی اسی خاندانی اثرورسوخ کی بنا پر آگے لانے کی کوشش کر رہا ہے۔

اور اسی توجیہ کی روشنی میں یہ بات ظنِ غالب کی منزل تک پہنچ جاتی ہے کہ اگر حضرت علی علیہ السلام پیغمبر اسلام کے رشتہ دار نہ ہوتے یا بالفاظ دیگر دین وشریعت کے نقطہ نظر سے پیغمبر اسلام کے بعد عظمت وجلالت اور کمال ورفعت میں جو ذات

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

سب سے بلند و بالا تھی ——————

اگر اس کا رسولؐ کے خاندان سے تعلق نہ ہوتا تو اس انداز سے سوچنے والوں کو موقع نہ ملتا کہ پیغمبر اسلامؐ اپنے خاندان کے اثر و رسوخ کو بڑھانا چاہتے ہیں۔

لیکن ظاہر ہے کہ یہ پیغمبر اسلامؐ کے ذاتی اختیار کی چیز نہیں تھی کہ اللہ نے جس ذات کو ان کا نائب و جانشین اور عظمت و جلالت میں ان کے بعد پوری کائنات سے افضل و اعلیٰ قرار دیا ہے ——————

وہ ان ہی کا چچازاد بھائی ہے۔

اور نہ آنحضرتؐ اس افضل و اعلیٰ ذات کے علاوہ کسی اور کا انتخاب کر سکتے تھے کیونکہ ان کا فریضہ یہی تھا کہ انتخاب خداوندی سے دنیا کو باخبر کر دیں اور جسے اللہ نے ان کا جانشین مقرر کیا ہے اس کی جانشینی کا اعلان کر دیں۔

اور جسے خدا نے ان کا جانشین مقرر کیا تھا وہ وہی تھا جو اسلام و ایمان، ہدایت و رہبری، جہاد و پیغام الٰہی کی حفاظت اور دین و مذہب کے لیے فداکاری و ایثار و قربانی میں سب سے آگے تھا۔

اب اگر اتفاقاً —————— وہ اعلیٰ و افضل شخص، پیغمبرؐ کا چچازاد بھائی تھا تو اس میں پیغمبرؐ یا اُس کا کیا قصور ہے جس کی بنا پر یہ لوگ اس قسم کی بدگمانی میں مبتلا ہوں کہ آنحضرتؐ اپنے خاندانی اثر و رسوخ کو مستحکم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں —————— ؟

جبکہ یہ وہ لوگ ہیں جو رسولِ خداؐ پر ایمان لانے کے دعویدار ہیں۔!

—— ۲ ——

دوسرا ظاہری سبب وہ ہے جو منافقوں کے دل و دماغ میں پروان چڑھ رہا تھا۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

اور مسلمانوں کے درمیان منافقین ہی کی اکثریت تھی ———

کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات سے تھوڑے ہی دنوں قبل مکہ فتح ہوا تھا اور وہاں کے بہت سے خاندان حلقہ بگوش اسلام ہوئے تھے ——

اور مختلف قبیلوں کے بکثرت لوگوں نے جو اسلام قبول کیا تھا وہ یا تو اپنے کفر کو چھپانے کے لیے ——— یا ——— مال دنیا کی لالچ میں ——— یا جاہ وحشم کی آرزو میں ——— یا ——— اس کے فاتحانہ انداز کو دیکھ کر ———

کیونکہ اسلام کا فاتحانہ انداز نمایاں ہو چکا تھا اور آنحضرتؐ کی حکومت عالم عرب پر قائم ہوتی جارہی تھی جس کے کمزور ہونے کے فی الحال کوئی آثار نہیں نظر آرہے تھے ———

اس لیے اسے تسلیم کر لینے ہی میں بہت سوں نے عافیت سمجھی۔

لوگوں کی بہت بڑی تعداد نے ان ہی تصورات کے ساتھ کلمہ پڑھا اور وہ سب کے سب اس حقیقت سے بہت اچھی طرح با خبر تھے کہ ———

اسلام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام ہی کا درجہ ہے اور وہی اسلام کو اس کی ٹھوس اور مضبوط بنیادوں پر چلانے کی بھرپور صلاحیت رکھتے ہیں جس میں کہیں رخنہ نہ پیدا ہونے پائے۔

اور منافقین کی اکثریت یہ تو ضرور چاہتی تھی کہ ———

(فی الحال) اسلام باقی رہے۔

کیونکہ اگر یہ ختم ہو گیا تو اس کے ساتھ ساتھ وہ دولت وحکومت بھی ختم ہو جائے گی جو اسی دین کی وجہ سے قائم ہے ———

اور اگر اسلام کی حکمرانی برقرار رہی تو ممکن ہے کہ قیصر وکسریٰ کے خزانے بھی ہمارے قبضہ میں آجائیں اور دنیا بھر کی سلطنت بھی ہاتھ لگے۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

اس لیے منافقین یہ تو چاہتے تھے کہ اسلام کی حکمرانی برقرار رہے لیکن ان کی مصلحتوں کا تقاضہ یہ تھا کہ اس استحکام و واقعیت کے ساتھ باقی نہ رہے جو پیغمبر اسلام کے دور میں نظر آتی ہے۔ بلکہ اس میں دنیاداری اور ڈپلومیسی وغیرہ کی آمیزش کر دی جائے۔

چنانچہ جب امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ پہلے دو خلفاء کامیاب اور تیسرے ناکامیاب کیوں رہے؟

تو آپؑ نے فرمایا کہ:

"پہلے دونوں صاحبان نے باطل کے ساتھ حق کو مخلوط کر کے چلایا، اس لیے کچھ دن کام چل گیا، اس کے بعد انحراف میں شدت پیدا ہوئی۔"

منافقین اپنے مفادات کی خاطر یہ تو چاہتے تھے کہ اسلام کی حکمرانی برقرار رہے۔ لیکن اس میں ایسی دنیاداری کی آمیزش ہو جائے کہ ابوسفیان جیسے لوگوں کو بھی مواقع نصیب ہو سکیں۔ (ظاہر ہے کہ جناب امیر المومنینؑ کے لیے ایسی کسی دنیاداری کو قبول کرنا ممکن نہ تھا)

چنانچہ جب وفات پیغمبرؐ کے بعد حضرت علیؑ کو حق حکومت سے محروم کر دیا گیا ان کی تمام عظمتوں، رسولؐ سے قرابتوں اور اسلامی جہاد میں عظیم الشان کارناموں کا بھی انکار کیا جانے لگا تو ابوسفیان نے آپؑ کے پاس آ کر پیش کش کی کہ ————

آپ اٹھیں اور تلوار کے ذریعہ اس حکومت کو حاصل کرنے کی کوشش کریں، میں آپ کی پشت پناہی کروں گا۔

لیکن امیر المومنینؑ نے اس کی تائید و حمایت قبول کرنے سے یکسر انکار کرتے ہوئے (فرمایا: اے ابوسفیان! تو اسلام اور مسلمانوں کا ہمدرد کب سے ہو گیا ————؟) جس کے بعد وہ شیخین کے پاس چلا گیا۔ بلکہ زیادہ صحیح شاید یہ کہنا ہو گا کہ

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

شیخین اس کے پاس پہنچ گئے اور انھوں نے مسلمانوں کے علاقوں پر اولاد ابوسفیان کو حاکم بناکر سیاہ وسفید کا مالک کردیا۔

اور ظاہر ہے کہ یہ دنیاداری منافقین کے مفادات کے عین مطابق تھی۔

لیکن حضرت علی علیہ السلام کو اگر عالم اسلام کا قائد وزعیم اور حکمران اعلیٰ تسلیم کرلیا جاتا تو منافقوں کے یہ مفادات (نہ صرف) انتہائی خطرے میں پڑ جاتے (بلکہ ان کا سارا منصوبہ ہی درہم برہم ہوجاتا) اس لیے انھوں نے اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے مسلسل ایسا طریقۂ کار اپنایا کہ ——————

حضرت علیؑ کے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کرتے رہے اور ان کے لیے زمام حکومت سنبھالنا دشوار سے دشوار تر ہوگیا۔

(ان منافقین کی ابتدائی کوشش اور بھرپور سازش یہ تھی کہ اقتدار کسی طرح حضرت علیؑ کو نہ ملنے پائے اور اسلامی معاشرے کو ایسی راہ پہ ڈال دیا جائے کہ اگر کبھی حالات کے تحت حضرت علیؑ کو اقتدار مل بھی جائے تو قدم قدم پر مشکلات کا سامنا کرنا پڑے۔)

۳

تیسرا عنصر وہ ہے جسے داخلی اسباب سے مربوط قرار دیا جاسکتا ہے۔

حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام، اپنی ذات اور شخصیت کے اعتبار سے اپنے جہاد واستقامت کے اعتبار سے، اور اپنے شباب اور جرات وہمت کے اعتبار سے اس منزل پر فائز تھے کہ اسلام کے حلقہ بگوش لوگوں کے درمیان ——————

کوئی بھی ان کی رفعت ومنزلت تک پہنچنے کا خواب بھی نہیں دیکھ سکتا تھا اور پیغمبر اسلامؐ کے وہ مخلص ساتھی جو دینِ مبین کی خدمت کے لیے ہمہ وقت آرزومند

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

رہا کرتے تھے، ان میں سے کوئی بھی آپ کی عظمت و برتری کا مقابلہ کرنے کی تمنا بھی نہیں کر سکتا تھا ــــــــــــ؛

کیونکہ وہ صالح اصحابِ رسولؐ جو اسلام کی خدمت کے آرزومند رہتے تھے ان کے درمیان حضرت علی ابن ابی طالبؑ کو ایسی انفرادی بلندی حاصل تھی جس کا مقابلہ ممکن نہیں تھا ــــــــــــ اور اگرچہ آپؑ سن و سال کے لحاظ سے آنحضرتؐ کے بکثرت اصحاب سے بہت چھوٹے تھے لیکن اپنی عظمت و جلالت کے لحاظ سے اور دینِ اسلام کی راہ میں فداکاری، ایثار، قربانی اور شجاعت و جوانمردی کے اعتبار سے سب سے بلند و بالا تھے۔ (جس کا اعتراف آپؑ کے بدترین دشمنوں نے بھی کیا ہے)

چنانچہ معاویہ بن ابی سفیان نے جناب محمد بن ابی بکر کے نام جو خط لکھا، اس میں یہ اعتراف کیا ہے کہ:

"حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں حضرت علی بن ابی طالبؑ آسمانِ رفعت کے اس درخشندہ ستارے کی حیثیت رکھتے تھے جس پر کمند ڈالنے کی کوئی شخص جرأت بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اور اگرچہ اصحاب کے اندر بہت سے ایسے لوگ تھے جوان کو پسند نہیں کرتے تھے مگر امتِ مسلمہ ان کو اس نگاہ سے دیکھتی تھی جیسے آسمان پر چمکنے والے انتہائی درخشندہ سیارے کو دیکھا جاتا ہے۔ کیونکہ حضرت علی بن ابی طالبؑ جہاد کے لحاظ سے اس بلندی پر تھے جس کا کوئی شخص مقابلہ کر ہی نہیں سکتا۔ اسی کے ساتھ وہ اپنی جرأت و استقامت اور زہد و تقویٰ کے اعتبار سے اس منزل پر تھے جس کا کسی اور سے موازنہ بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح تمام انسانی

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

اور اسلامی کمالات کے اعتبار سے وہ ایک نہایت ہی منفرد
انسان تھے"۔

اور اس لحاظ سے آپؑ کی شخصیت ایک چیلنج کی حیثیت رکھتی تھی جو دوسروں
کو احساس کمتری میں مبتلا رکھتی تھی ———

اور ظاہر ہے کہ اصحاب پیغمبر میں سب ہی صاحب اخلاص نہیں تھے، بلکہ
ایک بڑی تعداد ان کی بھی تھی جو نفسانی خواہشات کے غلام تھے، اور زمانہ جاہلیت کی
نخوت میں مبتلا رہتے تھے۔

جب یہ لوگ اپنے آپ کو حضرت علیؑ کے کمالات کے مقابلہ میں کوتاہ پاتے
تھے اور یہ محسوس کرتے تھے کہ حضرت علی کی عظمتیں ان کو چیلنج کر رہی ہیں ———

اور اگرچہ وہ خود ان لوگوں کو چیلنج نہیں کر رہے ہیں بلکہ ان کی رہنمائی
کر رہے ہیں ——— ان کو عظمت کی راہ دکھا رہے ہیں ———

ان کے دین کی عظمت کو دنیا بھر میں نمایاں کر رہے ہیں اور ان کے
عقیدہ و مذہب کی حفاظت میں سر دھڑ کی بازی لگائے ہوئے ہیں۔

لیکن وہ اصحاب جو نفسانیت کا شکار تھے، حضرت علیؑ کے ان کمالات
کو دیکھ کر یہ سوچتے رہتے تھے کہ ان کی شخصیت کو چیلنج کیا جا رہا ہے، ان کی حیثیت کم تر
ہوتی جا رہی ہے ———

جس کے نتیجہ میں وہ جب اپنے آپ کو حضرت علیؑ کے کمالات کا مقابلہ
کرنے سے عاجز محسوس کرتے تھے تو ان سے حسد کرنے لگتے تھے (جس کا ان کے اقوال و افعال
سے برابر اظہار ہوتا رہتا تھا)۔

مثال کے طور پر ———

ایک دفعہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (غزوۂ تبوک) کے لیے مدینے

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

سے باہر تشریف لے جانے لگے اور حضرت علیؑ کو مدینۂ منورہ میں اپنے جانشین کی حیثیت سے چھوڑا تو ان منافقین نے طعن و تشنیع کرنی شروع کر دی۔

کہ چونکہ حضرت علی ابن ابی طالبؑ اب جنگوں میں شرکت کرنے کے لائق نہیں رہے اس لیے حضرت رسولِ خداؐ نے ان کو مدینہ میں چھوڑ دیا ہے۔

حالانکہ اس کے قبل بھی حضرت رسول خداؐ نے متعدد لوگوں کو ایسے موقع پر مدینہ میں چھوڑا تھا (مگر کسی نے کبھی اعتراض نہیں کیا لیکن حضرت علیؑ سے حسد کی بنا پر ان کے خلاف چہ میگوئیاں کی جانے لگیں)

جب کہ حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام اپنی ہمت و استقامت اور جرأت و استقلال کے لحاظ سے ہر دور میں سب سے بلند اور سب سے منفرد حیثیت کے مالک رہے ہیں۔ (اور جن کی قوتِ قلب، مجمع اور تنہائی دونوں میں یکساں رہا کرتی تھی) (چنانچہ) فرمایا کرتے تھے کہ:

"نہ لوگوں کی توجہ سے میں توانائی محسوس کرتا ہوں اور نہ ان کی بے رخی سے کمزوری۔"

لیکن غزوۂ تبوک کے موقع پر منافقین نے کچھ اس طرح طعن و تشنیع کی کہ آپؑ نے حضرت رسولِ خدا کی خدمت میں حاضر ہو کر دریافت کیا کہ:

"آپؐ مجھے کیوں مدینہ میں چھوڑ کر جا رہے ہیں جس کی وجہ سے ان لوگوں کو یہ کہنے کا موقع مل رہا ہے کہ (حضرت) علیؑ میں جنگ لڑنے کی طاقت باقی نہیں رہی؟!"

ممکن ہے (سرسری مطالعہ کرنے والا شخص) حضرت علیؑ کی کسی اور فضیلت کا انکار کر دے لیکن کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی شخص حضرت علیؑ کی شجاعت کا انکار کرے اور یہ کہے کہ وہ جنگ لڑنے کی صلاحیت نہیں رکھتے؟ لیکن منافقین کو ان کے حسد نے اس منزل تک

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

پہنچا دیا تھا کہ جب حضرت رسولِ خداؐ نے آپؑ کو اپنے جانشین کی حیثیت سے مدینہ میں چھوڑا تو ان لوگوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ وہ لڑنے کے قابل نہیں ہیں۔

اور یہ وہ موقع تھا جب پیغمبرِ اسلامؐ نے عظیم الشان "تاریخی جملہ" ارشاد فرمایا (چنانچہ مورخین کا متفقہ بیان ہے کہ جب حضرت علیؑ نے آنحضرتؐ سے سوال کیا کہ آپؐ مجھے مدینہ میں کیوں چھوڑ کر جا رہے ہیں تو) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

(لوگو — ! یاد رکھو !)

علیؑ کو مجھ سے وہی نسبت حاصل ہے جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی (اور اے علیؑ !) یہ مناسب ہی نہیں کہ میں (اس وقت) مدینہ سے باہر جاؤں اور تم کو اپنی جگہ پر چھوڑ کر نہ جاؤں کیونکہ تم ہی میری نیابت کرو گے اور مدینہ کی حفاظت بھی کرو گے۔

منافقین کا مذکورہ طرزِ عمل ان کی اسی نفسانیت کی بنا پر تھا جس کو ہم نے اپنی اس گفتگو میں آنحضرتؐ کی مشکلات میں سے تیسری مشکل قرار دیا ہے اور جسے ان حالات کا تیسرا عنصر بھی کہا جا سکتا ہے۔

ان مذکورہ بالا تین عناصر کے علاوہ اور بھی متعدد ایسے اسباب ہیں جنھوں نے نفاذِ قانون کے سلسلہ میں قدم قدم پر آنحضرتؐ کے لیے مشکلات پیدا کیں۔

اور بعد میں جب حضرت علی علیہ السلام نے مسلمانوں کے انحراف کا مقابلہ کرنا چاہا اور لوگوں کو صحیح راستہ پر چلانے کی جدوجہد شروع کی اور اسلامی معاشرہ کو اس کے اصل منہاج پر واپس لانے کی کوشش کی تو آپؑ کو انتہائی سنگین صورتحال کا سامنا کرنا پڑا اور آنحضرتؐ کے بعد حالات نے جو رُخ اختیار کر لیا تھا اُسے تبدیل کرنا

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

انتہائی مشکل ہوگیا۔

ہم نے یہ بات عرض کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد جب قومی انحراف نے سر اُبھارا تو اس وقت امت مسلمہ مجموعی اعتبار سے اپنی نگرانی کا وصف نہیں رکھتی تھی انحراف کے روکنے کی قدرت سے بھی محروم تھی۔

کیونکہ انحراف سے روک تھام صرف اسی صورت میں ممکن تھی کہ جب امت بحیثیت مجموعی خطا اور لغزش سے پاک ہوتی ——— اسلام کی آفاقی تعلیمات سب کے دلوں میں مکمل طور پر راسخ ہوتیں ——— اور زندگی کے ہر شعبہ میں لوگ دین و شریعت کے سلسلے میں مکمل طور پر بیدار بھی ہوتے ——— اور اسی کی روشنی میں ہر قدم اٹھانے کی کوشش کرتے۔

لیکن ظاہر ہے کہ ایسا نہیں تھا۔

اور اگرچہ اس وقت امتِ مسلمہ تاریخ بشریت کی تمام امتوں سے افضل تھی اور بنی نوع انسان کی پوری تاریخ میں کوئی بھی قوم اپنے فضائل و مناقب، قوت ارادی جرأت، ایمان، صبر، رفعت اور قربانی میں امتِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہم پلہ نہیں قرار دی جا سکتی۔

اور بزم پیغمبرؐ میں بیٹھنے والے ایسے بھی اشخاص تھے جن کی سوانح حیات پڑھنے والا حیرت زدہ رہ جاتا ہے کہ ———

یہ لوگ روحانی، فکری اور نفسانی اعتبار سے اپنے دین وعقیدہ کی خاطر جہاد و قربانی کی منزل میں کس قدر بلند تھے!

لیکن ہر ایک کا شعور وادراک، فکری اور ایمانی گہرائی و گیرائی کی بنا پر نہ تھا بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت کا جاہ و جلال ایسا تھا جس نے

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

وہ جوش و جذبہ پیدا کر رکھا تھا۔

کیونکہ جس قوم نے تاریخ بشریت کے سب سے بڑے رہبر و رہنما کے زیرِ سایہ زندگی گزاری ہو اور اس کی نورانیت سے فیضیاب ہوئی ہو اس کے اندر ایسا جوش و جذبہ پیدا ہونا ہی چاہیے کہ وہ محیر العقول کارنامے انجام دے اور ایسی عظیم جرأت و ہمت اور ایثار و قربانی کا مظاہرہ کرے جس کی مثال پیش کرنے سے دنیا قاصر ہو۔

لہٰذا آنحضرتؐ کی زندگی میں ان لوگوں کے اندر دین و مذہب کے سلسلہ میں جو ایثار کا جذبہ، اپنے امکان بھر قربانی کا حوصلہ اور اس کے عظیم الشان نتائج نظر آتے ہیں، ہم ان کے بارے میں اس لیے زیادہ گفتگو نہیں کرتے کہ یہ سب کچھ ——— آنحضرتؐ کی شخصیت کے جلال اور ہیبت کی بنا پر تھا جس نے قوم کے اندر صبر و استقامت کی روح پھونکی ہوئی تھی اور دنیا کے مختلف علاقوں میں پرچم اسلام کی سربلندی کے لیے ان لوگوں کی ہمت و شجاعت اسی جوش و جذبہ کی بنا پر تھی نہ کہ اسلام کے عمیق شعور و ادراک کی وجہ سے ———!!

یہاں یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم "شعور و ادراک" اور "جوش و جذبہ" کے فرق کو واضح کرتے چلیں۔

شعور و ادراک:

"اسلامی شعور" کا مطلب ہے، قوم کے اندر اسلامی تعلیمات کی ایسی مثبت فہم جو انسانی رگ و پے میں سرایت کر کے تمام غیر اسلامی افکار و خیالات کو جڑ سے اکھاڑ پھینکے، زمانۂ جاہلیت کے رسم و رواج اور تصورات کو ذہن سے کھرچ کر نکال دے اور اسلامی تصورات اور اسلامی مزاج کو دل و دماغ میں راسخ کر دے۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

جوشش وجذبہ :

جوشش وجذبہ کا مطلب ہے احساسات کا کسی مخصوص رُخ پر ہیجان۔

اور اگرچہ اس کے نتائج بھی بعض اوقات ویسے ہی نظر آتے ہیں جیسے شعور و ادراک کے راسخ ہونے کی صورت میں نظر آتے اور اسی لیے کامل غور و فکر کے بغیر یہ سمجھنا دشوار ہوتا ہے کہ اس قوم کے یہ اقدامات اس کے شعور و ادراک کی پختگی کی بنا پر ہیں یا جوشش وجذبہ کی وارفتگی کے سبب !

البتہ دونوں میں یہ فرق ضرور ہے کہ جہاں محض جوش وجذبہ کی وارفتگی ہوتی ہے وہاں مرکزِ محبت اور جس ذات کی موجودگی سے یہ وارفتگی پیدا ہوئی تھی ، اس سے دور ہوتے ہی یہ جوشش وجذبہ سرد پڑنے لگتا ہے۔

وہ ذاتِ گرامی جو تمام مسلمانوں کے لیے مرکزِ عقیدت بھی تھی، مرکزِ ہدایت بھی ، وہ سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہستی تھی، اور چونکہ ان لوگوں کی آنحضرتؐ سے وابستگی جوشش وجذبہ کی وارفتگی کی بنا پر تھی اس لیے یہ لازمی بات تھی کہ آنحضرتؐ کے دنیا سے رخصت ہونے کے بعد اس میں اضمحلال پیدا ہو جائے۔

جیسے اگر کوئی شخص آگ یا دھوپ میں اپنے ہاتھ سینک رہا ہو تو جب تک وہ قریب رہے گا تپش برقرار رہے گی لیکن جیسے ہی دُور ہوگا حرارت کم ہونے لگے گی ــــــ !

یہی صورت تاریخ اسلام میں امتِ مسلمہ کی نظر آتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد اس کی وارفتگی تدریجاً انتہائی کم ہوتی چلی گئی۔

برخلاف اس کے اگر پیغمبر سے وابستگی شعور و ادراک کی پختگی کی بنا پر ہوتی اور جو مرکزِ محبت تھا اس کی ذات اور اس کی تعلیمات دل و دماغ میں راسخ ہوتیں

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

توصورتِ حال اس سے مختلف ہوتی کیونکہ شعور و ادراک کی پختگی کا لازمی نتیجہ ثبات و استقامت ہے جس میں وقت گزرنے کے ساتھ اور اضافہ ہوتا ہے ــــــ

اور حالات کی نیرنگی کی بنا پر جیسے جیسے نئے افکار سامنے آتے ہیں راہ عمل کے واضح ہونے کی بنا پر شعور و ادراک میں مزید وسعت و ہمہ گیری پیدا ہوتی ہے۔

لہٰذا وہ قوم جو شعور و ادراک کی پختگی سے مالامال ہو وہ شعور کی مزید گہرائی کی طرف بڑھتی ہے ــــــ

لیکن جوشش و جذبہ کی وارفتگی کے تحت آگے بڑھنے والی قوم نہ صرف یہ کہ آگے بڑھنے سے رک جاتی ہے بلکہ اس کی وارفتگی دھیمی ہوتی چلی جاتی ہے۔

اسی کے ساتھ یہ فرق بھی ہے کہ شعور و ادراک کی پختگی حالات سے متاثر نہیں ہوتی بلکہ اس میں اضافہ ہوتا ہے جبکہ جذبہ و جوشش کی وارفتگی حالات سے لازماً متاثر ہوتی ہے، حالات احساسات کو متاثر کرتے ہیں اور بالآخر نفس کی سطح پر پڑا ہوا پردہ ہٹ جاتا ہے اور وارفتگی ختم ہو جاتی ہے ــــــ

کیونکہ یہ وارفتگی ایک لباس کی مانند ہے جو سطح نفس پر چھایا ہوا تھا۔ (تیز ہوا چلی اور لباس ہٹ گیا)

جب کہ شعور و ادراک کی پختگی، دل کی گہرائی میں اثر انداز ہوتی ہے اس لیے حالات کے بدلنے سے اس میں تبدیلی نہیں آتی، اب چاہے وہ حالات ــــــ

ناسازگار ــــــ یعنی رنج و غم کے ہوں ــــــ،

یا موافق ــــــ یعنی لذت و سرور کے۔

جذبہ و جوشش کی وارفتگی کی حیثیت چونکہ ایک لباس کی سی ہے جو سطح نفس پر چھایا ہوا ہوتا ہے اس لیے رنج و غم اور فرحت و سرور، دونوں قسم کی لہروں سے فوراً متاثر

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

ہوتا ہے ——————

مگر شعور و ادراک کی حیثیت چونکہ رگ و پے میں سرایت کرنے والے خون کی ہے اس لیے وہ ان ظاہری حالات سے متاثر نہیں ہوتا بلکہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مزید پختہ ہوتا چلا جاتا ہے۔

❋

(پیغمبر اسلامؐ کی رحلت کے بعد قوم کے اندر جو فکری انحراف نظر آیا، اس کے پیشِ نظر ہم بجا طور پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ):

وہ عظیم امت جسے بنی نوع انسان کے رہبر اعظم (رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) دنیا میں چھوڑ کر تشریف لے گئے اور جس نے انسانی تاریخ پر نہایت گہرے اثرات چھوڑے، وہ جذبہ و شوق کی وارفتگی سے تو مالا مال تھی ——————

لیکن شعور و ادراک کی وہ پختگی اس میں نہ تھی جو زمانہ جاہلیت کے تمام آثار کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیتی۔

اور ہمارا یہ ایسا دعویٰ ہے جس کی سب سے واضح دلیل خود اس قوم کی اپنی تاریخ اور غزوات کے موقع پر اس کا مزاج و کردار ہے۔

مثال کے طور پر ——————

ہم فتح مکہ کے بعد جنگ ہوازن، غزوہ حنین پر ایک نظر ڈالتے ہیں اور یہ دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں کہ حادثات کے موقع پر اس امت کا ردعمل کیا ہوا کرتا تھا۔

تو یہ نظر آتا ہے کہ پیغمبر اسلام اس جنگ کے لیے جب نکلے تو آپؐ کے ساتھ مدینہ کے انصار بھی تھے اور مکہ کے قریش بھی۔

جنگ ہوئی —————— پیغمبرؐ فتح یاب ہوئے —————— بہت سا مال غنیمت ہاتھ آیا۔ اس موقع پر (بظاہر مکہ کے نومسلموں کی دلجوئی کے لیے) آنحضرتؐ

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

نے یہ طے کیا کہ سارا مالِ غنیمت مکہ کے مسلمانوں کو دے دیا جائے ——— چنانچہ آپؐ نے سب مال تقسیم کر دیا اور مدینہ کے انصار کو کچھ نہیں دیا یہی وہ موقع تھا جب نفس کے متاثر ہونے کی منزل تھی (اور ایمان کی پختگی کا امتحان بھی) انصار نے جب یہ دیکھا کہ وہی مدینہ سے آنحضرتؐ کے ساتھ فتح مکہ کے موقع پر نکلے تھے ——— اور انھیں کے ہمراہ پیغمبر اسلام نے تاریخ اسلام کی وہ عظیم الشان فتح حاصل کی جس کے بعد لوگ جوق در جوق اسلام قبول کرنے لگے۔

اور اب ان ہی نومسلم لوگوں کو سارا مالِ غنیمت دیا جا رہا ہے (اور جن لوگوں نے مکہ فتح کیا وہ محروم رکھے جا رہے ہیں)

ایسے موقع پر جوش و جذبہ کی وارفتگی، انسان کو ثابت قدم نہیں رکھ سکتی ——— ہاں! شعور و ادراک کی پختگی اسے ضرور ثابت قدم رکھتی ہے،

تو اب آئیے غور کریں کہ اس وقت امت مسلمہ کے اندر جذبہ و جوش کی وارفتگی نمایاں تھی ——— یا ——— شعور و ادراک کی پختگی ———؟

مسلمانوں کے اسلامی شعور و ادراک میں چونکہ ابھی پختگی پیدا نہیں ہوئی تھی اس لیے انھوں نے کہنا شروع کر دیا کہ:

"دیکھا ——— محمدؐ کو ان کے قوم قبیلے اور خاندان کے لوگ مل گئے تو وہ اپنے اصحاب و انصار کو بھول گئے۔ حالانکہ یہی انصار آزمائشوں میں شریک رہے۔ ان ہی نے قربانیاں دیں، ان ہی نے دین کی راہ میں مکہ کی سرکش قوم کا مقابلہ کیا۔ لیکن آج جب انھوں نے اپنے (پرانے) دوستوں اور خاندانی رشتہ داروں کو دیکھا تو ان جاں نثاروں کو فراموش کر گئے۔"

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

اس طرزِ فکر پر بار بار غور کیجیے ——— ! تو صاف واضح ہوجاتا ہے کہ ماقبل اسلام کے تصوّرات' ان مسلمانوں کے دلوں میں ابھی تک راسخ ہیں (اور صرف وقتی جوش و جذبہ کی وجہ سے وہ پیغمبر کا ساتھ دے رہے ہیں)..... زمانہ جاہلیت کے اثرات ان کی زندگی میں اتنے نمایاں ہیں کہ اگرچہ پیغمبر اکرمؐ جیسے اکمل و اشرف' ہادی اعظم کے ساتھ انھوں نے برسہا برس زندگی گزاری ہے' ان کے ساتھ بکثرت غزوات میں شرکت کرچکے ہیں' اور انھوں نے اچھی طرح مشاہدہ کیا ہے کہ ———

آنحضرتؐ کے اقدامات میں کسی نسلی طبقاتیت کا کوئی ہلکا سا اشارہ بھی نہیں ہوا کرتا ——— اس کے باوجود ان لوگوں نے آپؐ پر یہ الزام لگادیا کہ اپنے قوم قبیلہ کی جنبہ داری کر رہے ہیں۔

سوچیے ——— !

ان لوگوں کے ذہنوں میں قبائلی تصورات کتنے گہرے تھے کہ انھوں نے تقسیم غنائم کے موقع پر آنحضرتؐ کے عمل کی ایسی غلط توجیہ کی اور آپس میں ایسی چہ میگوئیاں شروع کیں کہ بات پیغمبرِ اسلام تک پہنچی اور آنحضرتؐ نے یہ محسوس کیا کہ انصار کے اندر فتنہ و شر کی چنگاری اپنا اثر دکھا رہی ہے۔

چنانچہ آپؐ نے انصار کے (مشہور قبیلوں) اوس و خزرج کے لوگوں کو اپنے پاس بلا کر ارشاد فرمایا کہ :

"مجھے خبر ملی ہے کہ تم میں سے کچھ لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ محمد (ص) اپنے خاندان اور قوم و قبیلہ کے لوگوں کو دیکھ کر ہمیں بھول گئے ؟"

یہ سن کر سب پر سکوت طاری ہوگیا' البتہ کچھ لوگوں نے اعتراف کیا کہ ان کی زبان سے ایسی بات نکلی ہے ——— !

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

جس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مسئلہ کو حل کرنے کے لیے ایک نفسیاتی پہلو کو اجاگر کر کے ان مسلمانوں کے لیے قوت ایمانی کا مزید سامان فراہم کیا۔

اور چونکہ پیش آنے والا مسئلہ ایسا تھا جس کا کوئی فوری علاج بھی ضروری تھا اور ایسا اقدام بھی جو مستقبل کے لیے پیش بندی کر سکے ——

مستقبل کی پیش بندی کے لیے شعور وادراک کی پختگی کا سامان فراہم کرنا ضروری تھا —— اور فوری علاج کے لیے حرارت ایمانی میں اضافہ لازمی تھا جو اس تاثر کو مٹا سکے جو ان کے دل میں پیدا ہوا تھا۔

چنانچہ آپؐ نے ان لوگوں سے فرمایا کہ:

"کیا تم لوگوں کے لیے یہ خوشی کی بات نہیں ہے کہ جب مکہ والے اپنے اپنے گھروں کو واپس جائیں گے تو ان کے ہمراہ مالِ دنیا ہوگا (جو عنقریب ختم ہو جانے والی شے ہے) اور جب تم لوگ اپنے وطن (مدینہ) واپس جاؤ گے تو تمھارے ہمراہ ذات محمد (ص) موجود ہوگی۔" (جو باعث تخلیق کائنات بھی ہے اور جس کا نام وپیغام قیامت تک باقی رہنے والا ہے)

آنحضرتؐ کا یہ جملہ انسانی نفسیات پر اتنا بھرپور اثر انداز ہونے والا تھا کہ اسے سن کر اوس وخزرج کے لوگ فرطِ محبت سے رو دیے اور آپؐ سے محبت وولا کا اظہار کرتے ہوئے اپنی کوتاہیوں پر توبہ واستغفار کرنے لگے۔

جب وہ لوگ آنحضرتؐ سے اپنی عقیدت و وابستگی کا (فخریہ) اعلان کرنے لگے تو ان کے احساسات کو مزید بیدار کرنے کے لیے پیغمبرؐ نے اپنی زبان مبارک سے ان احسانات کا تذکرہ کیا جو انصار نے آپؐ پر کیے تھے کہ جب پیغمبرؐ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو انصار نے آپؐ کو گلے لگایا، جب آپؐ کی قوم نے آپؐ کی تکذیب کی تو انصار نے آپؐ کی

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

تصدیق کی وغیرہ وغیرہ ......

اور اس طرح آپ نے ان لوگوں کے احساسات کو بیدار کر کے اس مسئلہ کو نہایت خوش اسلوبی سے حل کر دیا جو صرف اس بنا پر پیدا ہوا تھا کہ مسلمانوں میں جوش وجذبہ کی وارفتگی تو تھی مگر شعور وادراک کی پختگی نہیں تھی جس کی بنا پر ایک چھوٹی سی بات نے اُن کے ایمان کی بنیادوں کو متزلزل کر دیا۔

اب ہم اس سلسلہ میں ایک اور مثال پیش کرتے ہیں:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کا سانحہ بھی ان واقعات میں سے ہے جو مسلمانوں کو بہت زیادہ متاثر کرنے والے تھے۔

کیونکہ جو امت ذہنی اور روحانی طور پر اس بات کے لیے آمادہ نہ ہو کہ وہ رسول جیسی شخصیت کے ظاہری وجود سے محروم ہو جائے، اس کا متاثر ہونا فطری ہے اور ایسے ہی موقع پر انسان کے چھپے ہوئے احساسات کو ظاہر ہونے کا موقع ملتا ہے۔

آیئے دیکھیں ایسے موقع پر مہاجرین کے تاثرات کیا تھے ______؟

یاد رہے کہ اوپر والے واقعہ میں ہم انصار کے تاثرات کو واضح کر چکے ہیں (کہ مالِ غنیمت کی تقسیم کے موقع پر انھوں نے کس طرح قوم وقبیلہ کی بات کو ہوا دینے کی کوشش کی)

اب وفاتِ رسولؐ کے موقع پر مہاجرین کے تاثرات ملاحظہ فرمایئے اور یہ بھی پیش نظر رہنا چاہیے کہ ______

یہ وہ مہاجرین ہیں جنھوں نے (بظاہر) اسلام ہی کی خاطر اپنے شہروں گھروں، علاقوں اور بہت سے رشتہ داروں کو چھوڑا تھا۔ لیکن جب آنحضرتؐ کا انتقال ہوا تو انھوں نے یہ اعلان کرنا شروع کر دیا کہ:

"سلطنت صرف قریش کی ہوگی، کیونکہ محمدؐ کی حکومت،

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

درحقیقت قریش کی حکومت تھی، لہٰذا ہم (جو قریش ہی
سے تعلق رکھتے ہیں) عرب کے دوسرے قبیلوں کی بہ نسبت
اس حکومت وسلطنت کے زیادہ حقدار ہیں اور عرب کے
دوسرے قبیلوں کو حکومت وسلطنت میں باقی مسلمانوں
پر ترجیح حاصل ہے۔"

(مسلمانوں کی حالت پر غور فرمائیے) جیسے ہی کوئی نازک موقع آیا قوم وقبیلے کے جذبات، اسلامی فکر وشعور پر غالب آ گئے۔ اور حرارتِ ایمانی کو ایسا صدمہ پہنچا کہ گویا انسان اپنی اصلی حالت سے ہٹ گیا اور اب اس کے پاس کوئی شعور وادراک باقی نہیں رہا ——————

نتیجۃً مادی افکار واحساسات نے اسے مکمل طور پر شکست وریخت سے دوچار کر دیا۔

ان دو مثالوں کو سامنے رکھ کر یہ بات پورے وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ امتحان کے موقع پر ہی یہ بات واضح ہوتی ہے کہ قوم کے اندر شعور وادراک کی پختگی ہے یا جوش وجذبہ کی وارفتگی۔

اسی طرح جب مسلمانوں کی فتوحات کا سلسلہ قیصر وکسریٰ کے خزانوں تک پہنچا تو ان کا طرزِ عمل کیا تھا ——————؟

یہی تو کہ ہر ایک کو دنیا بنانے کی فکر تھی، اور ہر شخص اس بات کا آرزومند تھا کہ اسے زیادہ سے زیادہ مال مل جائے۔

اسی طرح جب خلیفۂ ثانی کے زمانے میں "غلبہ کے ذریعہ حاصل ہونے

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

والی زمینوں" کا مسئلہ پیش آیا اور یہ بحث چھڑی کہ اسے جنگ میں شرکت کرنے والوں کے درمیان تقسیم کیا جائے یا بیت المال میں داخل کر دیا جائے اور عام ملکیت قرار دیا جائے ------؟

تو اس مسئلہ میں بھی لوگوں کے شعور کا واضح امتحان ہوا۔

مہاجرین وانصار کے وہ سربرآوردہ اشخاص جنھوں نے بڑے بڑے غزوات میں شرکت کی تھی اور جو تقریباً ساری زندگی پیغمبر اسلامؐ کے ساتھ دین کے دفاع اور راہِ خدا میں گویا جہاد میں بسر کرتے رہے تھے، ان کا پیہم اصرار یہ تھا کہ یہ زمینیں خاص ان ہی لوگوں کے درمیان بانٹ دی جائیں۔

اور ان میں سے ہر ایک کا مطالبہ یہ تھا کہ اسے اس میں سے زیادہ سے زیادہ حصہ دیا جائے ------!

لیکن حضرت امیرالمومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے فیصلہ صادر فرمایا کہ ------

یہ زمین تمام مسلمانوں کے لیے ہے۔ جو آج موجود ہیں وہ بھی اس میں حصہ دار ہیں اور جو آج کے بعد قیامت تک پیدا ہوتے رہیں گے، ان سب کا اس میں حصہ ہے لہٰذا اسے تقسیم نہیں کیا جا سکتا، سب کو اس سے فائدہ اٹھانے کا حق ہے)

❋

ظاہر ہے کہ یہ منازلِ امتحان تھیں اور یہ وہ نازک امتحانات تھے جو اس بات کو نہایت واضح طور پر آشکار کر دیتے ہیں کہ قوم کے اندر جوش وجذبہ کی وارفتگی ہے یا شعور وادراک کی پختگی ------!؟

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

اور مذکورہ بالا مثالوں سے یہ بات نمایاں ہو جاتی ہے کہ امت کے لاشعور میں ماقبل اسلام کے نہ جانے کتنے افکار، خیالات، احساسات اور جذبات موجود تھے جن کی بیخ کنی نہیں ہوئی تھی۔

سوال: —— اگر زمانۂ جاہلیت کے افکار و خیالات کی بیخ کنی نہیں ہوئی تو پھر آنحضرتؐ کیا انقلاب لائے ——؟

جواب: —— اسلام کی انقلابی تحریک کا مطالبہ صرف یہ نہیں تھا کہ انسان جہاں کھڑا ہے وہاں سے آگے قدم بڑھا دے۔ بلکہ وہ انسان کو زمین کی اتھاہ گہرائیوں سے نکال کر آسمان کی بلندیوں تک پہنچانا چاہتی تھی ——

اور زمانۂ جاہلیت کے افکار و خیالات کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا کوئی ایسا کام نہیں تھا جو ایک مختصر مدت میں پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے۔

جب ہم اسلام کے آفاقی پیغام کو دیکھتے ہیں اور اس کے مقابلہ میں زمانۂ جاہلیت کے عربوں کی حالت دیکھتے ہیں تو دونوں میں اتنا فاصلہ نظر آتا ہے جتنا زمین کے تحت الثریٰ سے آسمان کی بلندیوں تک ہے۔

اس لیے اسلام کے پیغام کا ان اصلاحی تحریکوں سے مقابلہ نہیں کیا جا سکتا جو دنیا کے دیگر معاشروں میں نظر آتی ہیں، جن میں صرف آگے کی طرف ایک قدم بڑھانے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے ——

کیونکہ زمین پر جتنی بھی اصلاحی تحریکیں شروع ہوتی ہیں وہ عام انسانوں ہی کی ایجاد کردہ ہوتی ہیں اور وہ صرف ایک قدم آگے بڑھانے ہی کا مطالبہ کر سکتی ہیں، ان میں اس سے زیادہ کی صلاحیت ہی نہیں ہوتی۔

بس اتنا ہوتا ہے کہ معاشرہ جہاں تک قدم بڑھا چکا ہے اس سے

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

ایک قدم اور آگے بڑھا دیا جائے۔ اور ایک مختصر مدت میں آسانی سے یہ کام انجام دیا جا سکتا ہے کہ ایک قدم آگے بڑھانے کے بعد پچھلے قدم کے نشانات کو مٹا دیا جائے کیونکہ پچھلے اور اگلے قدم میں فرق بھی بہت معمولی سا ہوتا ہے جس کی وجہ سے اس فرق کو مٹانا بھی نہایت آسان ہوتا ہے۔

لیکن ذرا اس وقت کا تصور کیجیے جب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث برسالت ہوئے ہیں اور ایک ایسے پسماندہ معاشرے میں آپؐ نے کارِ تبلیغ کا آغاز کیا ہے جس پر قبائلی نظام بدترین شکل میں مسلط تھا ——————
اور جو اپنی جہالت و بربریت میں اپنی انتہا کو پہنچا ہوا تھا۔
وہاں آپؐ ایک عالمی برادری کی داغ بیل ڈال رہے تھے، جس میں ایک قبیلہ کا دوسرے قبیلہ سے، ایک گروہ کا دوسرے گروہ سے اور ایک قوم کا دوسری قوم سے (بحیثیت انسان) کوئی بھی امتیاز قابل قبول ہی نہیں تھا۔
اور آپ کا واضح اعلان تھا کہ:

"تمام بنی نوع انسان اسی طرح مساوی ہیں جیسے کنگھی کے دندانے برابر ہوتے ہیں۔"

تو جہاں اتنا واضح فرق ہو کہ معاشرے کا پورا نظام قوم و قبیلے کی بنیاد پر رائج ہو اور اسلام اس بنیاد ہی کو کالعدم قرار دیتا ہو اور فکری، اجتماعی، سماجی ہر سطح پر ایسا ہمہ گیر انقلاب لانا چاہتا ہو کہ تصورات، مفاہیم اور تاثرات تک تبدیل ہو جائیں، اسے انسانی زندگی کی کوئی عام سی بات نہیں قرار دیا جا سکتا ——————،
بلکہ یہ ایک محیر العقول منزل ہے۔
ایسی صورت میں یہ کیسے سوچا جا سکتا ہے کہ یہ معاشرہ اپنے زمانہ ماضی کے تمام تصورات

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

خیالات، افکار اور احساسات سے چھٹکارا حاصل کر کے صد فیصد ایک نیا معاشرہ
بن جائے گا اور اس میں زمانۂ ماضی کے اثرات کی ہلکی سی جھلک بھی موجود نہ ہوگی
ایسی کامل تبدیلی کے لیے ایک لمبی مدت کا گزرنا انتہائی ناگزیر ہے۔
جبکہ حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو قوم کی بھرپور تعلیم و
تربیت کا جو موقع ملا وہ صرف دس برس کی مدت ہے۔ جو آپؐ نے مدینہ میں
گزاری ——— اور ——— مکہ کے لوگ تو آنحضرتؐ کی وفات سے
صرف دو سال قبل ہی فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے تھے۔
تو جب زمانہ جاہلیت کے افکار اور اسلام کے تصورات میں اتنا
زیادہ فرق تھا جو عرش و فرش کے درمیان ہے اور رسول مقبولؐ کو قوم کی تربیت کا
اتنا مختصر وقت ملا ——— تو ——— زمانۂ جاہلیت کے تمام خیالات
کیونکر ختم ہو سکتے تھے؟
یہ صحیح ہے کہ زمانۂ جاہلیت کے قوانین کا خاتمہ کر دیا گیا۔
لیکن فطری بات ہے کہ اس کے تمام اثرات ختم ہونے کے لیے وقت کی
ضرورت تھی اور اگر پیغمبرؐ کی رحلت کے بعد ان کے مقرر کیے ہوئے جانشین کو قبول کر لیا جاتا
تو کچھ عرصہ کے بعد زمانۂ جاہلیت کے تمام آثار ضرور مٹ جاتے۔
لیکن افسوسناک بات یہ ہے کہ ———
وفاتِ پیغمبرؐ اکرم کے فوراً ہی بعد امت نے انحراف کی راہ اختیار کر لی اور
پیغمبرؐ کے منتخب جانشین کو زمامِ حکومت نہ سنبھالنے دی۔
ظاہر ہے کہ اس میں آنحضرتؐ کی قیادت کی کمزوری کا دخل نہیں، بلکہ
پیغمبرؐ کا محدود زمانۂ رسالت اور اس دور کے حالات، نیز امت کا حقیقی جانشینِ پیغمبرؐ
کو قبول نہ کرنا، ان حالات کے برقرار رہنے کی اصل وجوہ ہیں۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

ظاہر ہے کہ جو قوم ادراک وشعور کی پختگی کے بجائے (حیاتِ پیغمبرؐ میں محض جذبہ وجوش کی وارفتگی کے تحت عمل کرتی رہی ہو اس میں یہ صلاحیت نہیں ہو سکتی کہ وہ حکام کو انحراف سے روک سکے۔ نہ وقتی جوش وجذبہ اسے مستقبل میں کوتاہیوں سے روک سکتا ہے نہ اس میں ایسی پختگی پیدا کر سکتا ہے کہ وہ زمانۂ جاہلیت کے تمام اثرات کو جڑ سے اکھاڑ پھینکے اور نہ پیش آنے والے انحرافات کے سامنے بند باندھ سکتا ہے۔

اور اگر بحث کے طور پر ہمارے اس نقطۂ نظر کو ملحوظ نہ بھی رکھا جائے (کہ نبی کی طرح اس کے جانشین کا انتخاب بھی خدا ہی کرتا ہے) تب بھی یہ بات واضح ہے کہ زمانۂ جاہلیت کے اثرات میں ڈوبی ہوئی قوم جس کی مکمل تربیت نہ ہو سکی ہو اگر اتنے عظیم اقتدار پر مسلط ہو جائے تو ——————

نہ وہ قومی انحراف کو روک سکتی ہے —————— اور —————— نہ

بنیادی قوانین کی حفاظت کر سکتی ہے ——————

کیونکہ زمامِ اقتدار کو اپنے ہاتھ میں لینے والا شخص بھی تو ان ہی عام افراد میں سے ہے جن کی اکثریت محض جوش وجذبہ کے تحت پیغمبرؐ کا ساتھ دے رہی تھی۔

فرض کریں کہ حاکم سابقہ انحرافات سے بھی مبرّا تھا —————— کسی سازش میں بھی ملوث نہ تھا ——————

لیکن پھر بھی ایک بات ضرور پائی جاتی تھی اور وہ شعور وادراک پر احساس وجذبات کا غلبہ تھا کہ جس کی وجہ سے سابقہ دور کے رسم ورواج اور قبائلی طور طریقہ اب تک ان میں پائے جاتے تھے۔ اور سقیفہ کی کارروائی کے موقع پر مہاجرین و انصار نے جو طریقہ کار اختیار کیا تھا ——————،

وہ اس بات کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہے کہ ان لوگوں کے دلوں میں اسلامی تعلیمات پوری طرح راسخ نہیں ہوئی تھیں —————— اور وہ لوگ رسولؐ کی

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

جانشینی کو اسلامی اصول کے تحت طے کرنا نہیں چاہتے تھے بلکہ اس کا تعین بھی قبل اسلام ہی کے امتیازات پر کرنا چاہتے تھے ________

کیونکہ اس وقت بھی کچھ لوگ خلیفۂ رسول، قریش میں سے بنانا چاہتے تھے اور کچھ لوگ اس منصب پر کسی انصاری کو لانے کے خواہاں تھے۔

پھر ظاہر ہے کہ اس طرز فکر سے وہ نتائج رونما ہونے ہی تھے جنھوں نے اسلامی تاریخ کو ایک خونچکاں داستان بنا دیا۔

❋

اسی کے ساتھ اگر اس بات کو بھی شامل کر لیا جائے کہ زمام حکومت سنبھالنے والے اشخاص وہ ہیں جن کے اقدامات حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں بھی استبدادی نظر آتے تھے ________،

خاص طور سے دوسرے صاحب جو اکثر رسولؐ کی تعلیمات کے مقابلے میں اپنی رائے ظاہر کرتے رہتے تھے ________ اور جنھیں بڑی مشکل پیش آتی تھی کہ کس طرح اسلام کی ان نئی تعلیمات اور زمانۂ جاہلیت کے رسم و رواج میں مطابقت پیدا کرنے کی کوشش کریں۔

ظاہر ہے کہ جب تک حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم موجود تھے ان لوگوں کی حیثیت ایک عام مسلمان کی تھی، اس لیے ان کی ذاتی رائے کی کوئی حیثیت بھی نہیں تھی۔ لیکن جب زمام اقتدار ان ہی لوگوں کے ہاتھوں میں آگئی اور اسلام کی کشتی کے یہی ناخدا بن بیٹھے تو صورتحال خطرناک ہو گئی کہ اب یہ لوگ اپنے فیصلوں، تصورات اور افکار و خیالات میں زمانۂ جاہلیت کے ان رسوم و آداب اور تاثرات و احساسات کی آمیزش کریں گے جو انھیں اپنے آباؤ اجداد سے ورثہ کے طور پر ملی ہیں اور بچپن سے جس ماحول میں پلے بڑھے ہیں اسی کا اثر غالب رہے گا۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

اسی کے ساتھ یہ بات بھی شامل کر لیجیے کہ ـــــــــ

زمامِ اقتدار ان لوگوں کے ہاتھوں میں آ رہی تھی جن کو نہ اس سے پہلے اس کا کوئی تجربہ تھا نہ اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لیے انھوں نے کوئی تیاری کی تھی۔

کیونکہ حکمرانی کے اپنے مسائل، اپنے انداز، اپنی اقدار ہوا کرتی ہیں، خاص طور پر اگر وہ ایسا حکمران ہے جو نئے دین، نئی شریعت، نئی ثقافت کا پاسبان تصور کیا جا رہا ہو تو ضروری ہے کہ اس کی تربیت بھی شروع سے اسی دین و ثقافت کی ضروریات کے مطابق علمی و روحانی ماحول میں ہوئی ہو ـــــــــ

جبکہ زمامِ اقتدار سنبھالنے والے اس سے محروم تھے اور اسلام کی تعلیمات ان کی زندگی پر حاوی نہیں ہوئی تھیں چنانچہ یہ حضرات خود ہی کہا کرتے تھے کہ:

حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں جنگ اور بازاری مصروفیات نے مجھے منہمک رکھا۔

اور دوسرے صاحب کی حالت تو یہ تھی کہ جب کوئی دینی مسئلہ پیش آتا، اس کے جواب سے عاجز رہتے، تو مہاجرین و انصار میں سے کسی کو بلاتے اور اس سے دوسری بار ـــــــ تیسری بار ـــــــ چوتھی بار اس مسئلہ کا جواب پوچھتے (بار بار پوچھنے کی غرض شاید یہ ہو کہ ایک بار میں سمجھ میں نہیں آتا تھا، یا یہ کہ یاد نہیں رہتا تھا)

اور جب ایک ہی بات کو بار بار پوچھتے اور دینی مسائل میں بالکل بے خبر نظر آتے (تو لوگ تعجب سے پوچھتے کہ آپ نے اتنے دنوں رسولؐ کی صحبت میں رہ کر کیا سیکھا؟) تو معذرت کرتے ہوئے کہتے تھے کہ رسولِ خداؐ کے زمانہ میں ہم لوگ جنگ اور بازاری کاموں میں مصروف رہے۔

❋

اور ظاہر ہے کہ حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بھی ان لوگوں کو

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

دین و مذہب کی تعلیمات سے روشناس کرانے کی غرض یہ نہیں تھی کہ یہ لوگ آپؐ کے بعد زمامِ اقتدار سنبھالیں، کیونکہ اس مقصد کے لیے خداوندعالم نے آپؐ کے اہلبیتؑ کا انتخاب کیا تھا۔ اس لیے آپؐ کو ضرورت ہی نہیں تھی کہ کسی اور کی تربیت اس رخ سے کریں۔

اور اس نقطۂ نظر سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ آنحضرتؐ جنھیں پوری کائنات کے لیے رہبرِ اعظم بنا کر بھیجا گیا تھا ______

ایک طرف پوری امتِ مسلمہ کی ہدایت و رہنمائی اور تعلیم و تربیت کی ذمہ داریوں کو پورا کر رہے تھے تاکہ کوئی بھی شخص دینی شعور اور مذہبی فہم و بصیرت سے محروم نہ رہنے پائے تو دوسری طرف آپؐ اللہ کے منتخب اور معصوم بندوں کو اس انداز سے پیش کر رہے تھے کہ آپؐ کی وفات کے بعد ان ہی کو امت کا قائد اور قوم کا حکمراں تسلیم کیا جائے۔

❋

لیکن جن لوگوں نے بعد وفاتِ پیغمبرؐ ______
مسندِ حکومت پر قبضہ کر لیا ______،

وہ نہ اس منصب کے اہل تھے نہ انھیں کسی نے، اس کی ذمہ داریوں کے سلسلہ میں صحیح تربیت دی تھی ______ اور نہ وہ دینی مسائل ہی سے پوری طرح باخبر تھے ______؛

یہی وجہ ہے کہ پہلی اور دوسری خلافت کے زمانہ میں خالص دینی مسائل کے بارے میں بھی اصحاب کے درمیان بہت اختلاف نظر آتا ہے۔ حتیٰ کہ ان امور میں بھی بکثرت اختلافات نظر آتے ہیں جنھیں ان لوگوں نے نبی کریمؐ کی زندگی میں بارہا انجام دیا تھا ______،

اور ایسے خالص دینی امور میں بھی اختلاف نظر آتا ہے جن سے سیاست و حکومت کا کوئی تعلق نہیں ہو سکتا ______

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

جیسے "نمازِ جنازہ" (کے بارے میں امّت کا یہ اختلاف کہ اس پر ۴ تکبیریں
پڑھنی چاہئیں یا ۵) ۔
ظاہر ہے کہ یہ ایک خالص دینی اور عبادت کا مسئلہ ہے اس کا قوم کی سیاسی
اقتصادی زندگی، عہدہ و منصب اور خلافت و امامت سے کوئی تعلق نہیں ـــــ!
لیکن پھر بھی اختلاف ہوا ـــــــــ اور آج بھی وہ اختلاف اسی
طرح باقی ہے ۔جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہ محض دینی مسائل سے عدم توجہی کی
بنا پر تھا اس میں ہوا و ہوس کا شائبہ کم ہے ۔برخلاف ان اختلافات کے جو زمین کی
تقسیم، مالِ غنیمت اور خُمس کے احکام کے سلسلہ میں پیدا ہوئے ـــــــ،
کیونکہ وہ اختلافات مخصوص نفسانی اغراض کے تحت پیدا کیے گئے تھے!
لیکن نمازِ جنازہ جیسے مسئلہ میں اختلاف اس بات کی علامت ہے کہ جن لوگوں نے زمامِ
اقتدار سنبھالی وہ دینی مسائل سے بے توجہی برتتے تھے ـــــــ،
اس لیے انھیں اس منصب کا حق دار قرار دیا ہی نہیں جا سکتا ۔اور قوم کی
اکثریت بھی دین کے صحیح شعور و ادراک سے مالا مال نہیں تھی" تاکہ وہ سمجھ سکتی کہ حاکم اپنی کم توجہی
میں عاجز ہے یا قصوروار ـــــ؟
پھر اسی کے ساتھ اس حقیقت کو بھی شامل کر لیجیے کہ ـــــــ:
اسلامی مملکت وسعت پذیر تھی اور نئی نئی قومیں حلقہ بگوشِ اسلام ہو رہی
تھیں جنھوں نے نہ تو حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل
کیا نہ ان سے قرآن کی کوئی تعلیم سُنی ۔
نبی کریمؐ کی رحلت کے وقت تک جو لوگ حلقہ بگوشِ اسلام ہو چکے تھے
ان کے اندر تو آپؐ کی عظیم الشان شخصیت کی بنا پر ایک جوش و جذبہ بھی فرض کیا جا
سکتا ہے لیکن آپ کی رحلت کے بعد جب مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوا ـــــ تقریباً

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

پورا عالمِ عرب امتِ اسلامی کا حصہ بن گیا۔

اور پھر ایران ـــــ ترکستان ـــــ کردستان ـــــ ہندوستان

اور افغانستان کے علاوہ یورپ کے بھی کچھ علاقوں تک اسلام کی آواز پہنچی تو ان تمام

علاقوں میں جتنے لوگ بھی مسلمان ہوئے ـــــ،

انھوں نے نہ تو رسولِ مقبول کو دیکھا نہ اُن سے قرآن کی کوئی تعلیم حاصل کی۔

پھر اُن سے اس شعور و ادراک کی توقع کی جا سکتی ہے جو رسولؐ کی براہِ راست تعلیم و

تربیت کے نتیجہ میں پیدا ہوتا ہے ـــــ؟ یا اس جوش و جذبہ کی جو آنحضرتؐ کی عظیم الشان

مقناطیسی شخصیت کا اثر تھا ـــــ؟

نئی قومیں جو حلقہ بگوشِ اسلام ہو رہی تھیں نہ انھوں نے کائنات کی اُس

بلند ترین شخصیت کا مشاہدہ کیا نہ ان کے ساتھ کسی معرکہ میں شامل ہوئے جس کے چشم دید

مشاہدہ سے جوش و جذبہ کی وارفتگی پیدا ہوتی۔

اسی کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ، ان

لوگوں کے جوش و جذبہ کی وارفتگی بھی کم ہوتی گئی جن کے اندر نبی کریمؐ کو جنگ کے اندر

بنفسِ نفیس موجود پا کر جوش پیدا ہوا تھا۔

لیکن پھر یہ جوش و جذبہ آہستہ آہستہ ختم بھی ہو گیا کیونکہ اس کا محرک

دنیا سے جا چکا تھا ـــــ اور بالآخر صورتِ حال یہ پیدا ہوئی کہ قوم

بحیثیتِ مجموعی اسلام کے عمیق شعور و ادراک سے تو محروم تھی ہی، جوش و جذبہ کی

وارفتگی بھی ختم ہوتی گئی اور نت نئے فتنے ابھر کر سامنے آنے لگے۔

جس حاکم کے پاس اہلِ مدینہ پر بھی حکمرانی کی نہ اہلیت ہو نہ تجربہ، وہ اپنی فہم و فراست

اور شعور و ثقافت کی اس منزل پر کیونکر فائز کیا جا سکتا ہے کہ قیصر و کسریٰ کے ممالک

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

تک اس کی حکمرانی ہو (اور جب وہ دین کی تعلیمات سے خود ہی مکمل طور پر آشنا نہیں ہے تو) ایران، ہندوستان، کردستان، ترکستان اور دیگر علاقوں میں پھیلے ہوئے زمانۂ جاہلیت کے اثرات کو بیخ و بن سے کیونکر اکھاڑ سکتا ہے ــــــ؟

جب کہ ان علاقوں کی اپنی ثقافتیں اور جاہلانہ عادتیں انسانی آبادی کے بہت بڑے حصے کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے تھیں ــــــ!

اسی کے ساتھ یہ ثقافتیں آپس میں ایک دوسرے سے دست و گریباں بھی تھیں ــــــ اور اب یہ سب کے سب لوگ اپنی اپنی عادتوں اور رسم و رواج کے ساتھ اسلامی دائرے میں داخل ہو چکے تھے جہاں نہ حاکم زمانۂ جاہلیت کے آثار سے بالکل پاک تھا نہ قوم و معاشرہ۔

(پھر ایسی صورت میں یہ توقع کیسے کی جا سکتی ہے کہ ان سب لوگوں کے اکٹھا ہونے سے جو معاشرہ تشکیل پائے گا وہ خالص اسلامی معاشرہ ہو گا)

حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں جو لوگ حلقہ بگوشِ اسلام ہو چکے تھے انھوں نے تو کچھ عرصہ تک رسول اکرمؐ کی سرپرستی میں پروان چڑھنے والے اسلامی معاشرہ اور زندگی کے بارے میں الٰہی تعلیمات کا مشاہدہ بھی کیا تھا ــــــ اقتصادی، سماجی، معاشرتی اور فوجی امور میں حضرت رسول اکرمؐ کے اقدامات بھی دیکھے تھے ــــــ اور ــــــ رسول مقبولؐ کی زبان مبارک سے اسلام کا آفاقی درس بھی سنا تھا کہ ــــــ

"تمام بنی نوع انسان، کنگھی کے دندانوں کی طرح آپس میں مساوی ہیں۔"

لیکن بعد میں مسلمان ہونے والوں نے، نہ رسولِ مقبولؐ کو دیکھا نہ اُن کی زبانِ مبارک سے کچھ سُنا۔ بلکہ جو کچھ انھیں سننے کا موقع ملا وہ صرف ان ہی لوگوں

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

ے جنھوں نے رسول مقبولؐ کے بعد زمام اقتدار اپنے ہاتھ میں لے رکھی تھی۔

توجن لوگوں کے ہاتھوں میں دین کی امانت ہو' وہی انحراف کا شکار ہوں اور قوم کے اندر مجموعی طور سے دین کا ایسا شعور وادراک بھی نہ ہو کہ وہ ان لوگوں کے انحراف کو روک سکے، اور بڑی تعداد میں نئے مسلمان ہونے والے اشخاص، دینی تعلیمات سے اتنے ناآشنا ہوں کہ ان کو اس دین کے بنیادی ارکان بھی معلوم نہ ہوں، بس اتنا سمجھتے ہوں کہ مسلمانوں نے ہمارے علاقوں کو فتح کرلیا ہے (اس لیے ہم بھی مسلمان ہوگئے ہیں)

ایسی صورت میں یہ بات بالکل فطری ہے کہ ————

معاشرتی زندگی کے بارے میں اسلامی تعلیمات کا جو خاکہ ان کے ذہن میں ابھرے گا وہ ان تصورات ونظریات سے بالکل مختلف ہوگا جسے رسول مقبولؐ عملی زندگی میں رائج کرنا چاہتے تھے ————

یہی وجہ ہے کہ سقیفہ کی کارروائی میں حق کو اس طرح پامال کیا گیا، اور پھر تین خلافتوں کے دور میں اسلام کے اقتصادی، سماجی، سیاسی اور معاشرتی نظام میں دین کی اصل تعلیمات سے اتنا زیادہ انحراف کیا گیا کہ اس کی فکری اور روحانی قدریں بالکل تباہ کردی گئیں۔

اور اہلبیت طاہرین علیہم السلام (جو دین کے اصل پاسبان ومحافظ تھے) اور جن کا بنیادی فرض یہ رہا کہ اسلام کی اصل تعلیمات کو مٹنے سے بچاتے رہیں۔ انھوں نے ہر دور کے حکمرانوں کے اقدامات کے خلاف احتجاج ضرور کیا تاکہ دنیا پر یہ واضح ہوتا رہے کہ دین کی تعلیم وہ نہیں ہے جو حکمرانوں کی زندگی میں نظر آرہی ہے بلکہ دین کی اصل تعلیم وہ ہے جس کا نمونہ رسول اکرمؐ پیش کرکے گئے ہیں)

چنانچہ ائمہ کرام علیہم السلام نے ہر دور کے حکمرانوں اور منحرف قیادتوں کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے اسلامی تعلیمات کو اس کی پوری تابندگی ودرخشندگی کے ساتھ اس طرح

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

پیش کیا کہ اس کا پورا اجمال و کمال برقرار رہے۔

ائمہ کرامؑ نے ہرگز یہ کوشش نہیں کی کہ مسلح اقدام کے ذریعہ اقتدار چھین لیں کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اب اسلامی حکومت کا انحراف اس حد تک پہنچ چکا ہے کہ اقتدار چھین کر دین کی کوئی خاص خدمت انجام نہیں دی جا سکتی۔

اس لیے آپ حضراتؑ کے ہر احتجاج کا مقصد صرف یہ تھا کہ ـــــ

اسلام نے زندگی، سماج، حکومت، اقتصادیات، سیاست اور امور آخرت کے بارے میں جو تعلیمات پیش کی ہیں انھیں مسلمانوں اور نئے نئے حلقہ بگوش اسلام ہونے والے قبیلوں کے اذہان میں راسخ کر دیا جائے۔

❋

یہ صحیح ہے کہ یہ تمام تعلیمات بنیادی طور پر قرآن مجید کی آیتوں کے دامن میں محفوظ ہیں ـــــ؛

لیکن ظاہر ہے کہ ان کا قرآن کے دامن میں ـــــ صریحاً یا اشارتاً و کنایتاً، موجود ہونا حصولِ مقصد کے لیے کافی نہیں تھا۔

کیونکہ پہلی بات تو یہ ہے کہ ـــــ

کسی نظریہ کے صرف کاغذ پر موجود ہونے سے اس کی مکمل عملی تصویر ذہن انسانی میں راسخ بھی نہیں ہو سکتی۔

اور پھر (سب سے اہم بات یہ ہے کہ) ـــــ

یہ نو مسلم جو ابھی تھوڑا عرصہ قبل حلقہ بگوش اسلام ہوئے تھے اور جنھوں نے اسلام کے بارے میں جو کچھ سنا تھا وہ صرف بزم پیغمبرؐ میں بیٹھنے والوں کی زبان سے سنا تھا۔ ان کے اندر دین کی اتنی فہم و فراست نہیں تھی کہ وہ قرآن و حدیث کو صحیح طور سے سمجھ سکیں اور انسانی زندگی کے مسائل کو اس کی روشنی میں حل کر سکیں۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

رسولؐ کی سیرت طیبہ کا تو اُن لوگوں نے مشاہدہ بھی نہیں کیا تھا) اب رہا

قرآن ـــــــ تو اس کی تفسیر و تشریح بھی انھوں نے نہ زبانِ رسالتؐ سے سُنی نہ معدنِ

رسالت سے۔ بلکہ جو کچھ سُنا بزم نشینوں سے سُنا۔

اس لیے اس بات کی بہت ضرورت تھی کہ اس کے اصل خدوخال ان کے

ذہنوں میں واضح کیے جائیں اور حکمرانوں کے غلط اقدامات کے مقابلے میں صدائے

احتجاج بلند کر کے لوگوں کو توجہ دلائی جائے کہ ـــــــــــــــ

تصویر کا ایک اور رخ بھی موجود ہے ـــــ

جسے حضرت علیؑ ـــــــ امام حسنؑ ـــــــ امام حسینؑ ـــــــ

اور ائمۂ طاہرین علیہم السلام نے عملی طور پر پیش کیا۔

❀ ❀ ❀

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

۷

ائمۂ اطہارؑ
کی
اوّلین سیاسی سرگرمیاں

یہ وہ مرحلہ ہے جب ائمۂ کرام علیہم السلام نے پوری وضاحت کے ساتھ اسلام کے نظریۂ حکومت کی اجتماعی سطح پر توضیح کی۔ جس میں "دوسرے صاحب" کے انتقال کے بعد زیادہ شدت پیدا ہوئی ــــــــــ

لیکن سقیفہ کے چند دن بعد ہی امیرالمومنین علیہ السلام نے اپنے موقف کا واضح اعلان کیا تھا اور آپؑ کے جاں نثاروں، سلمان، مقداد اور عمار وغیرہ نے بلاخوف تردید یہ بات کہی کہ ــــــــــ

سقیفہ کا اقدام محض حضرت علیؑ کی مخالفت نہیں ہے بلکہ درحقیقت پوری قوم، اور دین و مذہب کے خلاف بھرپور سازش ہے۔

اور سلمان فارسی نے اپنی تقریروں میں ان عالمگیر فوائد کا بھی تذکرہ کیا جو حضرت علیؑ کی خلافت کو قبول کر لینے سے حاصل ہو سکتے تھے۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

اسی طرح مہاجرین وانصار کی خواتین کے درمیان خطاب کرتے ہوئے جناب
فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے بھی جناب امیرؑ کی خلافت کے نتیجہ میں حاصل ہونے والے
اجتماعی فوائد پر روشنی ڈالی۔

لیکن جناب امیرالمومنینؑ نے پہلی اور دوسری خلافت کے زمانے میں کوئی اور
سیاسی اقدام نہیں کیا جبکہ مسلمان معاشرے کے اندر بنیادی انحراف سر ابھار چکا تھا۔
اور نہ صرف حکمرانوں کی زندگی میں اس انحراف کے اثرات نظر آرہے تھے
بلکہ نظامِ حکومت اور اندازِ جہانبانی میں انحراف سر ابھار رہا تھا۔
جس کا آغاز تو حضرت ابوبکر ہی کے دور میں ہوا ــــــــــ،
لیکن اس میں شدّت و وسعت دوسری خلافت کے دور میں ہوئی ــ
ــــــــــ اور حضرت عثمان کے دور تک پہنچتے پہنچتے تو گویا سارے حجابات بھی
ختم ہو گئے

اور اسی انحراف نے بڑھتے بڑھتے مسلمانوں کی بے حسّی کو اس حد تک پہنچا دیا
کہ (اسلام کے بدترین دشمن) ابوسفیان کا بیٹا اسلامی حکومت کا فرمانروا بن بیٹھا۔
جنابِ امیرؑ نے اس انحراف کے خلاف مسلسل احتجاج کیا۔ پہلے دور میں
بھی ــــــــــ دوسرے دور میں بھی ــــــــــ اور ــــــــــ تیسرے دور میں بھی۔
اور دوسری خلافت کے بعد تو آپؑ کا احتجاج انتہائی شدت اختیار کر گیا۔ جب چھ آدمیوں
کی شوریٰ کمیٹی قائم کی گئی اور پھر عبدالرحمٰن بن عوف نے آپؑ سے کہا کہ:

"آئیے ہم آپؑ کے ہاتھ پر اس شرط کے ساتھ بیعت کریں...
کہ آپؑ کتابِ خدا، سنّتِ رسولؐ اور سیرتِ شیخین کے مطابق
عمل کریں گے۔"

عبدالرحمٰن بن عوف یہ چاہتا تھا کہ آپؑ سے شیخین کے تمام اقدامات کی تائید کرالے۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

تاکہ ان تمام اقدامات کو دین و مذہب کی روح کے عین مطابق قرار دے سکیں۔ کیونکہ ان اقدامات کے خلاف جو احتجاجی آواز تھی وہ آپؑ ہی کی تھی ——— تو اگر آپؑ اس کی تائید کر دیتے تو پھر انھیں اسلامی تعلیمات کا نمونہ قرار دینے میں کوئی مشکل پیش نہ آتی ———

لیکن آپ نے عبدالرحمٰن بن عوف کے مطالبے کے جواب میں واشگاف طور پر اعلان کیا کہ:

"میری بیعت اس بنیاد پر کرو کہ میں کتاب خدا، سنت رسولؐ اور اپنی ذاتی رائے پر عمل کروں گا۔" (سیرت شیخین کو نہ شریعت کے نمونے کے طور پر قبول کر سکتا ہوں نہ اسلامی معاشرے کے لیے اسے مثال بنایا جا سکتا ہے)

امامؑ کی طرف سے یہ اس پورے باطل نظام کے خلاف واضح احتجاج تھا جو پیغمبرؐ کے بعد قائم کیا گیا تھا (جس کے بعد شوریٰ کمیٹی نے آپؑ کو خلیفہ نہ بننے دیا اور حضرت عثمان کی اپنی شرائط کے مطابق بیعت کر لی) ———

جناب امیرالمومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے اقتدار و حکومت سے محرومی گوارا کر لی لیکن غلط بات کی تائید کرنا قبول نہیں کیا

❋

سوال: ——— "باب تزاحم اور عنوان ثانوی" کے لحاظ سے آپؑ نے یہ کیوں نہیں کیا کہ وقتی طور پر یہ کہہ دیتے کہ "ٹھیک ہے۔ کتاب خدا، سنت رسولؐ اور سیرت شیخین پر میری بیعت کرو۔"

پھر جب بیعت مکمل ہو جاتی تو آپؑ اعلان کر دیتے کہ میں کتاب خدا و سنتِ رسول کے بعد بس اپنی رائے پر عمل کروں گا اور عبدالرحمٰن بن عوف نے جو

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

شرط رکھی تھی اس پر عمل نہیں کروں گا۔ کیونکہ ہر وہ شرط جو کتابِ خدا اور سنّتِ رسولؐ کے خلاف ہو وہ باطل ہے۔ کیا ایسا کرنا حکم شرعی نہیں تھا جبکہ خلافت آپؑ کا حق ہونے کی وجہ سے اس کا حصول آپؑ پر واجب تھا اور کسی فریضہ کی ادائیگی اگر کسی بات میں منحصر ہو جائے تو اس بات کو اختیار کرنا ضروری ہو جاتا ہے (جسے علمِ اصول فقہ کی اصطلاح میں "مقدمۂ واجب" کہا جاتا ہے)

جواب: ـــــ اگر عنوان ثانوی (وقتی مصلحت) کے تحت جنابِ امیرؑ ایسی بات کہہ دیتے تو حکومت تو آپؑ کو مل جاتی لیکن حکام کے ان تمام اقدامات کو بھی سند مل جاتی جو گزشتہ بارہ تیرہ برس کے اندر کیے جا رہے تھے۔

اور پھر اسلام کی آفاقی تعلیمات وہی اقدامات قرار پاتے نہ کہ پیغمبر اکرمؐ کے اعلانات۔ اور اس سے زیادہ دین و مذہب کے لیے نقصان دہ بات کیا ہو سکتی ہے کہ خدا و رسولؐ کے اعلانات کو کالعدم بھی قرار دیا جائے اور دین کا پاسبان اس کے کالعدم قرار دیے جانے کی تائید بھی کر دے!؟

ہم نے ماضی میں بھی اشارہ کیا ہے اور آگے چل کر اس پر ایک بار پھر روشنی ڈالیں گے کہ پیغمبر اسلامؐ کے بعد قوم میں جو انحراف پیدا ہو چکا تھا وہ ختم ہونے والا نہیں تھا اور اگر بالفرض حضرت عمر کے بعد ہی حضرت علیؑ کو حاکم تسلیم کر لیا جاتا جس کے لیے آپؑ سے سیرتِ شیخین کی تائید کرائی جا رہی تھی تو آپؑ کی یہ تائید درحقیقت تمام انحرافات اور ناجائز اقدامات کے لیے سندِ جواز بن جاتی۔ (ایسی صورت میں یہ کیسے ممکن تھا کہ آپؑ سیرتِ شیخین کو قبول کرنے کا ظاہری اقرار بھی کرتے؟ اور پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ حضرت علیؑ جیسے انسان کے لیے یہ کب ممکن ہے کہ وہ کسی ایسی بات کا اقرار کریں جو ان کے نزدیک غلط ہو)

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

اور جب سیرت شیخین کی شرط قبول کر کے حضرت عثمان خلیفہ بن گئے تو جناب امیرؑ نے اپنے احتجاجات میں مزید شدت پیدا کر لی۔ آپؑ نے (اپنے خطبوں میں) واضح کرنا شروع کیا کہ ——————

امت کی تمنائیں کیا ہیں اور اس پر حکمرانوں کی طرف سے رنج و الم کی کس کس طرح بارش کی جا رہی ہے ——————،

آپؑ خلیفۂ وقت کو بھی وعظ و نصیحت فرما کر خدا اور رسولؐ کی تعلیمات اور آخرت کی باز پرس کے بارے میں یاد دہانی فرماتے رہے۔

یہ اور بات ہے کہ اس کا ان پر کتنا اثر ہوا۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ آپؑ نے اتنا سخت موقف کیوں اختیار کر رکھا تھا اور اپنی تقریروں اور گفتگوؤں میں آپؑ اپنی ذاتی حق تلفی سے زیادہ اسلامی نظریہ کی پامالی کا شکوہ کیوں کرتے تھے۔ ؟

حقیقت یہ ہے کہ آپؑ کی انتہائی آرزو یہ تھی کہ لوگوں کے اذہان میں یہ بات راسخ ہو جائے کہ آپؑ کا احتجاج اپنی ذات کے لیے نہیں ہے بلکہ آپؑ دین کے بنیادی نظریات کے تحفظ کے لیے احتجاج کر رہے ہیں۔ اور چونکہ آپؑ مسلمانوں کے اذہان میں یہ بات راسخ کرنا چاہتے تھے کہ ——————

معاشرتی زندگی کا صحیح اسلامی تصور وہ نہیں ہے جو حکمرانوں کی زندگی اور ان کے طرز عمل میں نظر آ رہا ہے۔ بلکہ صحیح تصور وہ ہے جسے رسول اکرمؐ نے پیش کیا اور جس کے لیے آپؑ جد و جہد کر رہے ہیں۔

اور اپنے اس احتجاج کو خالص فکری احتجاج قرار دینے کے لیے ضروری تھا

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

کہ آپؑ شخصیت کے بجائے اسلوب پر گفتگو کریں۔ اس لیے آپؑ اپنی حق تلفی سے زیادہ اصول کی پامالی کا شکوہ فرماتے تھے۔

اور چونکہ آپؑ چاہتے تھے کہ لوگوں کو خود ہی اس کا شعور پیدا ہو اس لیے آپؑ نے انتظار فرمایا کہ حکمرانوں کا انحراف اتنا آشکار ہو جائے کہ لوگوں کو خود ہی احساس پیدا ہو جائے۔ کیونکہ یہ اتنے غافل لوگ تھے کہ انحراف جب تک عریاں ہو کر ان کے گھروں کو اپنی لپیٹ میں نہ لے لے اس وقت تک انھیں اس کا احساس ہی نہیں ہو سکتا تھا۔

(اس میں کوئی شک نہیں کہ) انحراف پہلے دور میں پیدا ہوا تھا مگر پھر اس پر غلاف چڑھا دیا گیا تھا۔ خاص طور سے خلیفۂ دوئم اس بات کے لیے کوشاں رہتے تھے کہ اس انحراف پر دین کا گہرا غلاف چڑھا رہے اور ہمارے اپنے جو اعتقادی تصورات ہیں ان سے قطع نظر کرتے ہوئے اگر عام برادران اسلامی کے نقطہ نظر سے بھی دیکھیں تو یہ بات واضح طور پر نظر آتی ہے کہ جس طرح حضرت عثمان نے طبقاتی نظام قائم کیا بعینہٖ اسی طرح حضرت عمر نے بھی لوگوں کے درمیان داد و دہش میں تفریق کی ——————

اور قبائلی نظام کی طرح جاگیردارانہ طبقاتیت کو اسلامی معاشرے میں پھولنے پھلنے کا موقع دیا۔ مگر اس کو دینی رنگ میں رنگ دیا۔

چنانچہ انھوں نے یہ حکم نافذ کیا کہ

جو شخص حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ نزدیک ہو اسے بیت المال سے زیادہ حصہ ملنا چاہیے ——————

ظاہر ہے کہ ایک ایسی قوم جس کا شعور ابھی پختہ نہیں وہ اس کے دور رس نتائج پر غور کرنے کے بجائے اس کی ظاہری ملمع سازی سے بہت متاثر ہو گی اور یہ سوچے گی بھی نہیں کہ اس کے نتیجہ میں مستقبل میں کیا کیا خرابیاں رونما ہو سکتی ہیں۔ اور اسلامی

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

معاشرے کے لیے کیسی کیسی آزمائشیں پیدا ہو سکتی ہیں۔

چنانچہ موصوف کے اس فارمولہ کی روشنی میں یہ بات مناسب اور جائز قرار پائی کہ حضرت رسولِ خداؐ کے چچا کو دوسرے رشتہ داروں کی بہ نسبت زیادہ حصہ ملے۔ بدری صحابیوں کو اُحد والوں سے زیادہ حصہ ملے، مہاجرین کو غیر مہاجرین سے زیادہ، عربوں کو غیر عرب سے زیادہ اور عربوں میں سے جو اس وقت موجود ہیں ان کو ان لوگوں سے زیادہ حصہ ملے جو بعد میں پیدا ہوں گے ————

اسی طرح طبقاتی تفریق ہوتی چلی جائے۔

اب ظاہر ہے کہ اگر حضرت علی علیہ السلام، اعلانیہ اس فیصلہ کی مخالفت کرتے تو لوگ اسے اسلام کے اصولِ مساوات کی پاسبانی قرار نہ دیتے بلکہ محض ذاتی مخالفت قرار دیتے (اور یہ پروپیگنڈہ کرتے کہ یہ صرف مخالفت برائے مخالفت ہے۔ کیونکہ جب رسولؐ سے قرابت اور سبقت الی الاسلام کی وجہ سے زیادہ حصہ مل رہا ہے تو اس میں اعتراض کی کیا گنجائش ہے بلکہ آپؑ کے احتجاج کو وہ لوگ یہ رنگ دینے کی کوشش کرتے کہ آپؑ کو معاذ اللہ لوگوں کی سبقت الی الاسلام سے کوئی دلچسپی ہی نہیں ہے)

چنانچہ آپؑ نے مصلحتِ وقت کو ملحوظ رکھتے ہوئے خاموشی اختیار کی اور (جب آپؑ کے مخلصین آپؑ سے کہا کرتے تھے کہ آپؑ اپنے حق کی پامالی پر احتجاج کیوں نہیں کرتے، اپنا حق حاصل کرنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے؟ خاموش کیوں ہیں تو) فرمایا کرتے تھے کہ:

"جب تک اسلام محفوظ ہے میں اپنی ذات پر ہونے والے مظالم کو برداشت کرتا رہوں گا اور اپنی زبان بند رکھوں گا جب تک (پیغمبرِ اسلامؐ کے بعد پیدا ہونے والے) لوگ یہ خیال کرتے رہیں گے کہ کام صحیح سمت میں جاری ہے اور جب تک کہ انحراف

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

ان تک نہیں پہنچ جاتا۔ "

اور جب حضرت عمر کے انتقال کے بعد آپؑ سے مشروط طریقے سے خلافت قبول کرنے کی درخواست کی گئی تو آپؑ نے واضح کر دیا کہ ———

آپؑ "سیرتِ شیخین" کو غلط سمجھتے ہیں۔

اور آپؑ کا احتجاج اپنے ذاتی مفاد کے لیے نہیں ہے بلکہ اسلام کی تعلیمات کے تحفظ اور اسلامی تشخص کی بقا کے لیے ہے۔

ورنہ "شخصی مفاد" کا تقاضہ تو یہ تھا کہ آپؑ "سیرتِ شیخین" کی شرط قبول کر کے حاکم بن جاتے۔ کیونکہ شوریٰ کمیٹی جب آپؑ کے سامنے خلافت و حکومت پیش کر رہی تھی تو سوائے "سیرتِ شیخین" کی شرط کے، کوئی اور رکاوٹ تھی ہی نہیں۔

لیکن آپؑ نے اس شرط کو ٹھکرا کر اور مزید ۱۳ برس تک حکومت اسلامی سے محرومی گوارہ کر کے یہ واضح کر دیا کہ آپؑ کا احتجاج شخصی مفاد کے لیے ہرگز نہیں تھا بلکہ آپؑ اس پورے نظام کو باطل سمجھتے تھے جس کی بنیاد سقیفہ میں رکھی گئی تھی اور آپؑ اسلامی معاشرے کو اس رُخ پر چلانا پسند نہیں کرتے تھے جو رائج تھا۔ (بلکہ پیغمبر اسلامؐ کے طرزِ جہانبانی کو عام کرنے کے خواہش مند تھے)

اور جب تیسرے دور میں انحراف اتنا آشکار ہو گیا کہ ہر شخص اس کی خرابیوں کو محسوس کرنے لگا تو پھر آپؑ کے لیے بھی واشگاف الفاظ میں اپنے موقف کو پیش کرنا آسان ہو گیا۔

اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام کی زندگی اس الٰہی نظام اور ملکوتی معاشرہ کی سب سے اعلیٰ مثال ہے جو اسلام روئے زمین پر قائم کرنا چاہتا ہے اور یہ اس طرزِ حیات سے یکسر مختلف ہے جسے رائج کرنے کی کوشش کی جا رہی تھی۔

جیسا کہ اس کی مزید تفصیل آگے آ رہی ہے۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

۸

امیرالمومنینؑ مسندِ اقتدار پر

ہم اپنی سابقہ گفتگو کو سمیٹتے ہوئے اس منزل تک پہنچتے ہیں کہ قتلِ عثمان کے بعد زمامِ اقتدار جنابِ امیرؑ کے سپرد کردی گئی تو آپؑ نے اس کو قبول کرنے سے پہلے ہی مخصوص طریقے سے مسلمانوں پر یہ واضح کر دیا کہ ــــــــــ

میں جو زمامِ اقتدار سنبھالوں گا ــــــــ تو صرف نام کی تبدیلی نہیں ہو گی کہ کل کوئی اور حکمران تھا آج کوئی اور حکمراں ہے (اور نظامِ حکومت ایک ہی جیسا رہے)؟!

نہیں ــــــــــ بلکہ ایک ہمہ گیر تبدیلی آئے گی جسے ہر مسئلہ میں محسوس کیا جائے گا ــــــــــ!

جس کے تصفیہ اور وضاحت کے لیے آپؑ نے پہلے ہی دن سے مسلمانوں پر یہ واضح کر دیا کہ وہ لازمی طور پر آپؑ کو پاسبانِ شریعت، محافظِ دین، امانتدارِ نظامِ ربانی اور نئے دستور کا عنوان سمجھیں جو اس نظام سے مختلف ہو گا جو پیغمبرِ اکرمؐ کی

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

وفات کے بعد جاری وساری تھا۔

اور اس بات کو ذہنوں میں راسخ کرنے (یا امتِ مسلمہ کو اس ہمہ گیر انقلاب کے لیے ذہنی طور پر آمادہ کرنے) کے لیے آپؑ نے ابتدائی طور پر خلافت وحکومت قبول کرنے سے انکار کیا اور ان لوگوں سے فرمایا کہ:

"میرے علاوہ کسی اور کے بارے میں سوچو، تم جس کو بھی چاہو حکومت سپرد کر دو، میں اس کی مدد کروں گا اور تمھارے لیے میرا صرف مددگار رہنا میرے حکمراں بننے کی بہ نسبت بہتر ہے۔"

کیونکہ جس قسم کی عیش وعشرت، فارغ البالی، لاپروائی اور دین کے معاملہ میں سستی (یا مداہنت) کے تم عادی ہو چکے ہو، اس کے لحاظ سے میرا حکمراں بننا تمھیں پسند نہ آئے گا ——————،

کیونکہ اگر میں نے حکومت قبول کر لی تو تم پر سختی کروں گا، تمھاری لاپروائی کو ختم کروں گا اور تمھیں تمھاری بنیادی ذمہ داریوں سے اس طرح روشناس کراؤں گا کہ تمھارے روز وشب تبدیل ہو جائیں گے ——————؛

جس کے بعد پورے عالمِ اسلام کے اندر امّت کو جو مشکلات درپیش ہیں تمھیں ان میں حصہ لینا پڑے گا —————— اور —————— کسی مادّی فائدہ کے بغیر میدانِ جہاد میں جان کی بازی بھی لگانی پڑے گی تاکہ عالمِ اسلام کو مجرموں کی نافرمانیوں سے پاک کیا جا سکے ——————!

تو اگر تم لوگ موجودہ عیش وعشرت کی مزید بہتری چاہتے ہو تو مجھے حکمراں مت بناؤ، کیونکہ جب میرے ہاتھ میں زمامِ اقتدار نہ ہوگی تو میں تمھیں ان مشکلات کے لیے کہہ بھی نہ سکوں گا (اور اس طرح تم محنت سے بچ جاؤ گے) ہاں میرا خلوص اور میرا

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

مفید مشورہ تمھیں ہر حال میں حاصل رہے گا۔

لیکن لوگوں نے اصرار کیا کہ آپؑ لازماً زمامِ اقتدار اپنے ہاتھ میں لیں۔

تو آپؑ نے ان لوگوں کے سامنے کچھ شرائط رکھیں جنھیں انھوں نے مزید کچھ پوچھے بغیر قبول کرلیا۔

آپؑ نے اُن لوگوں پر یہ بات پوری طرح واضح کردی کہ ——

وہ ایک نئے دستور —— نئے قومی و سماجی حالات —— اور نئے نظام کے لیے عہد و پیمان کر رہے ہیں ——

قوم نے ان تمام باتوں کو قبول کرلیا۔

اس طرح پہلے ہی دن سے مسلمانوں پر یہ بات آشکار ہوگئی تھی کہ حضرت علیؑ صرف ایک نئے خلیفہ و حکمراں نہیں ہیں بلکہ آپؑ کا حکومت سنبھالنا اس پورے نظامِ مملکت میں ہمہ گیر تبدیلی کا نقطۂ آغاز ہے جو پیغمبر اکرمؐ کی وفات کے بعد رائج ہوگیا تھا۔

چنانچہ آپؑ کے اقتدار سنبھالتے ہی لوگوں کی تمناؤں اور آرزوؤں نے نیا رخ اختیار کرنا شروع کردیا اور جس بڑی پریشانی کا سب سے پہلے سامنا کرنا پڑا وہ امیرِ شام کی بغاوت اور ان کے ساتھ پورے شامی علاقہ کا نئی حکومت کو قبول کرنے سے انکار تھا۔ جس نے پورے اسلامی معاشرے کو دو حصوں میں تقسیم کردیا۔

اور آغازِ کار ہی سے دو فکری محاذ شروع ہوگئے اور چونکہ جنابِ امیرؑ کے طرزِ جہانبانی اور معاویہ کی ڈپلومیسی میں نمایاں فرق موجود تھا (اور داد و دہش کے سلسلہ میں بھی دونوں کا انداز بالکل الگ تھا)

اس لیے جاہ پرستوں اور سیم و زر کے پجاریوں کے لیے ایک اچھی راہ کھل گئی جس کی جنابِ امیرؑ کے یہاں کوئی گنجائش نہیں تھی۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

وہ فوارق جو تاریخ کا نتیجہ تھے!

① —— شام میں حضرت علیؑ کو کوئی عوامی اثر و رسوخ حاصل نہ تھا۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ شام، معاشرتی اور سماجی اعتبار سے جناب امیرؑ کے دائرۂ اثر سے باہر تھا۔ کیونکہ یہاں کے لوگ حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد مسلمان ہوئے اور یہاں اسلامی حکومت کی ابتدا بنی امیہ کے خاندان سے ہوئی۔ جس کی بنا پر حضرت علی علیہ السلام کی خدماتِ جلیلہ سے یہ لوگ روشناس نہیں تھے۔ ان کے مسلمان ہونے کے بعد ابتدا میں معاویہ کے بھائی یزید بن ابی سفیان کو شام کا گورنر بنایا گیا تھا اور (اس کے انتقال کے بعد) معاویہ کو اس پورے علاقہ کا مطلق العنان حکمران بنا دیا گیا تھا۔

لہٰذا یہاں کے لوگوں نے اسلام کی وہی تصویر دیکھی جو ابوسفیان کے فرزندوں نے پیش کی۔ حضرت علیؑ کے کارناموں اور ان کی اسلامی شخصیت کے بارے میں یہاں کے لوگوں نے نہ کچھ سُنا اور نہ اس عظیم المرتبت امامِؑ برحق کی کوئی آواز یہاں گونجی۔

یہاں جو کچھ اثر و رسوخ تھا، ابوسفیان کے بیٹے کا تھا جس نے علمِ بغاوت بھی بلند کر رکھا تھا۔ جو اس پورے علاقہ میں سیاہ و سفید کا مالک ہونے کے ساتھ ساتھ ان علاقوں میں بھی اپنا اثر پیدا کر رہا تھا، جہاں کے لوگوں نے حضرت علیؑ کی بیعت کی ہوئی تھی۔ کیونکہ امیرِ شام نے اپنی بغاوت پر قصاصِ

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

خونِ عثمان کا رنگ چڑھایا ہوا تھا اور جن لوگوں نے اب حضرت علیؑ کی خلافت کی بیعت کی تھی۔ وہ سب اس سے پہلے عثمان کی بیعت کر چکے تھے اور انھیں خلیفہ تسلیم کرتے تھے۔ اور ان کے لیے اپنے دل میں ایک حد تک ہمدردی رکھتے تھے۔ اور اس ہمدردی کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ ان کے قصاص کے لیے جو آواز اٹھے اس سے بھی ہمدردی پیدا ہو جائے۔

چنانچہ امیرِ شام نے اس ہتھکنڈے کو پوری چابکدستی سے استعمال کیا اور پروپیگنڈہ مشینری پر لاکھوں کی رقم بے دریغ خرچ کر کے لوگوں کو خریدنا شروع کیا۔

دوسری طرف امیرالمومنین علیہ السلام نہ ایسے ہتھکنڈوں کو استعمال کر سکتے تھے نہ لوگوں کے ضمیر کو خرید سکتے تھے۔

❋

(۲) ایک اور واضح فرق یہ تھا کہ ...... چونکہ حضرت امیرالمومنینؑ حاکمِ شرع اور امتِ مسلمہ کے امین و پاسبان تھے اس لیے قوم کے درمیان پیدا ہونے والے اس اختلاف و انتشار کو ختم کرنے کے لیے سازشی گروہ پر دباؤ ڈالنا اور اسے اطاعت کے دائرے میں لانا آپؑ کے منصبی فرائض میں شامل تھا اور دشمن کی سرکوبی کے لیے لازم تھا کہ شام پر حملہ کر کے اسے اسلامی خلافت میں شامل کیا جائے۔ جس کے لیے آپ نے اہلِ عراق کو دعوت دی کہ وہ اٹھیں، اپنی عیش و عشرت کی زندگی میں ڈوبے رہنے اور تساہلی میں پڑے رہنے کی بجائے دشمن کی

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

سرکوبی کے لیے قدم بڑھائیں

جناب امیرؑ عراقیوں کو جنگ کی دعوت ایک ایسے گروہ کے خلاف دیتے ہیں جن کی عراقیوں سے کوئی سابقہ قبائلی عداوت نہیں۔ اور شامیوں سے جنگ کی وجہ علاوہ اس کے کچھ نہیں کہ جناب امیرؑ فرماتے ہیں کہ شامیوں نے انحراف و بغاوت کی راہ اپنائی ہے اور انحراف و بغاوت کے تدارک کے لیے ضروری ہے کہ شام کو مرکزی حکومت کا تابع فرمان بنایا جائے۔ جبکہ عراقی خود انحراف کی حقیقت اور اس کے دور رس نتائج سے بے خبر و غافل ہیں۔ اس لیے شامیوں کے خلاف جنگ میں عراقی عوام کا جذبہ اس قدر شدید نہ تھا۔

اس کے برخلاف امیر شام عراق پر حملہ آور نہیں اور جنگ میں فقط اس بات کا خواہاں ہے اور سر دست اس کا مقصد یہ ہے کہ شام پر اپنے اقتدار کو برقرار رکھا جائے۔

بطور خلاصہ اس بات کو یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ اہل عراق اس جنگ میں حملہ آور ہیں اور اہل شام اپنا دفاع کر رہے ہیں۔ اور نفسیاتی طور پر دفاعی جنگ لڑنے والا زیادہ لگن اور شجاعت سے جنگ لڑتا ہے۔

(۳) —— یہ فرق بھی ملحوظ رکھنا چاہئیے کہ امیر شام جس علاقے میں حکمرانی کر رہا تھا وہاں دوسری ایسی سیاسی قیادتوں نے ابھی تک سر نہیں ابھارا تھا۔ جن کے دلوں میں تمنائے خلافت چٹکیاں لے رہی ہو اور نہ وہاں ایسے پرانے مسلمان موجود تھے جو معاویہ کے مقابلے میں خود کو حکمرانی کا حقدار اور اہل سمجھتے ہوں۔ وہ لوگ جب سے

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

مسلمان ہوئے تھے ان پر ابوسفیان ہی کی اولاد حاکم تھی اس لیے وہ لوگ اسی خاندان کو حکومت کا حقدار سمجھتے تھے۔

جب کہ امیرالمومنینؑ نے مدینے میں زندگی گزاری تھی جہاں عہدِ رسولؐ میں ان کی شخصیت تمام مسلمانوں کے نزدیک اوجِ کمال پر سمجھی جاتی تھی مگر پھر بھی انھیں منصبِ حکومت سے محروم کر دیا گیا۔ اور پہلے، دوسرے اور تیسرے صاحب کے ہاتھ میں زمامِ اقتدار آگئی جس کی بنا پر بکثرت مسلمانوں کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ وہ بھی خلافت کے اہل ہوسکتے ہیں اور اس طرح وہ لوگ اپنے آپ کو حضرت علیؑ کا مدِمقابل تصور کرنے لگے۔ اور ان کے ذہنوں میں اس بات نے سر ابھارا کہ حضرت علیؑ ہم سے افضل و برتر ضرور ہیں لیکن ہم بھی تو آخر صحابی ہیں۔ اگر حضرت علیؑ نے رسولؐ کے ساتھ زندگی گزاری ہے تو ہم نے بھی گزاری ہے۔ (پھر جس طرح اور بہت سے لوگ جن سے حضرت علی بدرجہا افضل ہیں خلیفہ بن گئے تھے اسی طرح ہم کیوں نہیں بن سکتے)

(تاریخی طور سے) یہ بات واضح ہے کہ جناب امیرؑ کو حضرت پیغمبر اکرمؐ کی وفات کے ۲۵ برس بعد حکومت ملی۔ جبکہ آپ کی عظمت پیغمبرؐ کے زمانہ میں اس انتہا کو تھی جس کے بارے میں مورخین نے لکھا ہے کہ وہ اس بلند ستارے کی مانند تھے جس کی رفعت تک کوئی پہنچ نہیں سکتا۔ اور یہ بلند مقام مسلمانوں کے نزدیک ۲۵ برس کی مدت میں رفتہ رفتہ کم ہوتا چلا گیا۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ جب مسلمانوں نے ۲۵ برس تک آپؑ کو امامؑ کی بجائے ماموم دیکھا۔ آپؑ کی اطاعت کرنے کے بجائے

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

خود آپ کو پیرو دیکھا تو پھر ان کے ذہنوں سے رفتہ رفتہ آپ کی اس عظمت وجلالت کا کم ہونا فطری تھا جو حیاتِ پیغمبرؐ میں حاصل تھی چنانچہ وہ اصحاب جنھیں ارباب حل وعقد کی حیثیت حاصل ہو گئی تھی اور جو سقیفہ کی کارروائی میں حصہ دار بھی تھے۔ انھوں نے ابتدا میں پیغمبر اسلامؐ کے ہمراہ دینی امور میں حصہ بھی لیا تھا اور آپؐ کی رحلت کے بعد انحراف کا شکار ہو کر سقیفہ میں طے پانے والی راہ پر بھی چل رہے تھے۔ وہ زمانہ کی نیرنگیوں کے تحت خود کو جناب امیرؑ کا ہم پلہ سمجھنے لگے تھے۔ مثال کے طور پر زبیر کے حالات پر غور کیجیے۔ وہ ابتدا میں حضرت علیؑ کے فدائیوں میں سے نظر آتے ہیں۔ (اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی زندگی میں حضرت علیؑ کی محبت کا دم بھرتے ہیں) مگر پھر رفتہ رفتہ اقتدار میں برابری کے دعویدار بھی بن جاتے ہیں، وہ حضرت علیؑ کی بزرگی تو تسلیم کرتے ہیں مگر قائد ماننے پر آمادہ نہیں۔

ظاہر ہے کہ یہ تبدیلی وفاتِ پیغمبرؐ کے بعد ان تینوں زمانوں کے دوران آئی۔ جن میں حضرت علیؑ کے حقوق کو مسلسل پامال کیا جا رہا۔ نتیجۃً زبیر جیسے اشخاص بھی جو حضرت علیؑ کو افضل مانتے تھے ان کی حکمرانی سے منحرف نظر آنے لگے۔ اور ان جیسے دوسرے بھی بہت سے حضرات تھے جو آپؑ کی اطاعت کرنے کے بجائے اس بات کے متمنی تھے کہ خلافت وحکومت میں انھیں بھی شریک وسہیم بنایا جائے اور جن بلند آفاقی مفاہیم کو سمجھنے سے بھی وہ قاصر ہیں انھیں ان ہی کے مشورے سے انجام دیا جائے۔ (اور ظاہر ہے کہ یہ بات قابل قبول نہیں تھی۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

(۴) ——— دوسرے صاحب کے زمانے ہی سے مسلمانوں میں متعدد جاہ پسند گروپ بن گئے تھے۔ جنھیں شوریٰ کے موقع پر خصوصی اہمیت حاصل ہوگئی۔ یہ سارے گروہ اس فکر میں رہا کرتے تھے کہ کس طرح منصبِ اقتدار سے زیادہ سے زیادہ قربت حاصل کرکے بیش از بیش مادی اور دنیاوی فوائد حاصل کیے جائیں لیکن شام میں ایسی کوئی صورت حال نہیں تھی کہ کوئی کہے کہ تم بھی صحابی ہو اور میں بھی صحابی۔ وہاں ایسے بزرگ اصحاب موجود ہی نہیں تھے جن کے دلوں میں تمنائے خلافت چٹکیاں لے رہی ہو اور وہ امیر سے ہمسری کا دعویٰ کرسکیں۔ بلکہ ان لوگوں نے جب سے اسلام قبول کیا تھا اولادِ ابوسفیان ہی کو حاکم پایا تھا۔ نہ ان لوگوں نے پیغمبر اکرمؐ کی زیارت کا شرف حاصل کیا نہ ان سے قرآن کی کسی آیت کی تلاوت و تشریح سُنی بلکہ جو کچھ سُنا وہ معاویہ اور اس کے بھائی سے۔ اس لیے وہ ان کی ہر بات پر پوری طرح آمنا و صدقنا کہتے تھے اور کمالِ اطاعت کا مظاہرہ کرتے تھے۔

❋

(۵) ——— ایک اور واضح فرق یہ تھا کہ امام علیہ السلام کی نگاہ معاشرے کے کمزور ترین فرد پر رہا کرتی تھی۔ جبکہ امیرِ شام کی نظر امیر ترین شخص پر۔ امیر المومنین علیہ السلام چاہتے تھے کہ اسلام کے اقتصادی نظام کی روشنی میں معاشرے کے اندر عادلانہ نظامِ طرزِ حکومت قائم ہو جس سے امیروں کے بجائے غریبوں کو فائدہ پہنچے۔

لیکن امیرِ شام زمانۂ جاہلیت کے طبقاتی نظام ہی کو پروان چڑھا رہا تھا۔ جس کا فائدہ صرف امیروں کو پہنچتا تھا۔ اس لیے معاشرے کے

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

امیر افراد مالی فوائد کے لیے معاویہ کی طرف مائل ہو رہے تھے) کیونکہ پیغمبر اسلام کی رحلت کے بعد جب عراق، شام اور دوسرے علاقوں میں اسلامی حکومت قائم ہوئی تو اس وقت کے مسلمان حکمران اس قبائلی نظام کو ختم نہ کر سکے۔ جو ان علاقوں میں رائج تھا بلکہ پورا نظام اپنی حالت پر باقی رہا۔ اور ہر قبیلے کا سردار ہی قوم اور حاکم کے درمیان رابطے کا فریضہ انجام دیتا رہا۔ اور چونکہ ان سرداروں نے نہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوری طرح کسب فیض کیا تھا نہ ان کی صحیح طریقے سے اسلامی تربیت ہوئی تھی۔ اس لیے ان سرداروں کے اندر حکمرانوں سے قربت حاصل کرنے کا ایک خاص مزاج پیدا ہو گیا اور پھر مختلف مفادات، متعدد خواہشات اور ان گنت تمناؤں نے انھیں قومی مفاد سے ہٹ کر ایک خاص اسلوب کا خوگر بنا دیا جس کے نتیجے میں ان کی نظروں میں دنیاوی فوائد ہی سب کچھ قرار پا گئے)

مسلمانوں کی اس اندرونی حالت کا اندازہ کیجیے جو سابقہ خلافتوں کے دوران پیدا ہو گئی تھی جس میں ہر قبیلہ سیاسی اور قومی سطح پر ایک چھوٹی سی حکومت بنا ہوا تھا اور اس کا سردار حکمرانوں سے تقرب حاصل کر کے قوم اور حاکم کے درمیان رابطہ کا فریضہ انجام دیتا تھا ان سرداروں کو حسب ضرورت اور حسب موقع رشوت دے کر اپنا حامی بنانا بہت آسان تھا۔ ——— چنانچہ جناب امیرؑ کے علاوہ تمام حکمرانوں نے اس طریقہ کار کو اپنایا اور امیر شام نے اس سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔

اور یہ گزشتہ ۲۵ سالہ تاریخ کا پیدا کردہ وہ خطرناک طرز عمل تھا جس نے قدم قدم پر حضرت علی علیہ السلام کے لیے مشکلات پیدا کیں۔ اور ہر مرحلہ پر امیر شام نے

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

اس نے اس قدر فائدہ اٹھایا کہ ـــــــــــ

اگر حضرت علی علیہ السلام کی ذاتی عظمت وجلالت ان کی شخصیت کی درخشندگی و تابناکی اور عہد پیغمبرؐ میں آپ کی جلیل القدر خدمات کا تمام علاقوں کے اندر اثر و رسوخ نہ ہوتا تو ۴ ـ ۵ برس بھی آپ کے لیے حکومت کرنا ممکن نہ تھا۔

❋

مذکورہ بالا گفتگو سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے کس قدر مشکل حالات میں زمام اقتدار سنبھالی اور اس کے فوراً ہی بعد آپؑ کی حکومت کو ختم کرنے کے لیے کتنے وسیع پیمانے پر سازش شروع ہو گئی ـــــــــــ

دشمن نے کیسے کیسے ہتھکنڈوں سے کام لیا۔ لیکن اس کے باوجود آپؑ کس عظیم تدبر کے ساتھ مسلمانوں کو ان کی عظیم تر ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلاتے رہے۔ تاکہ اسلام کے مالیات ـــــ اقتصادیات ـــــ اجتماعیات ـــــ قومیات ـــــ اور حکومتی اداروں میں جہاں جہاں انحراف پیدا ہو گیا ہے اس کی تطہیر کی جا سکے۔

اور ظاہر ہے کہ اس ہمہ گیر انقلاب کے لیے مسلسل جدوجہد اور مجاہدانہ اقدامات کی ضرورت تھی۔ چنانچہ آپؑ نے لوگوں کو جہاد کی طرف دعوت دی اور انھیں ساتھ لے کر دشمنوں کی سرکوبی کے لیے نکلے۔

❋

ہم نے گزشتہ نکات میں یہ بات واضح کرنے کی کوشش کی کہ اس وقت کے حالات آپ کے لیے کیسے تھے اور امیر شام کو کیسے کیسے مواقع حاصل تھے۔

اب ہم اگلی سطور میں یہ بھی واضح کرنا چاہیں گے کہ اس وقت کے عام مسلمانوں کی ذہنی روش کیا تھی اور حضرت علیؑ سے امیر شام کی عداوت کو کس رنگ سے دیکھا جا رہا تھا ـــــــــــ؟

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

چونکہ ابتدائی طور پر اس عداوت کے بارے میں اکثر مسلمانوں کا نظریہ یہی تھا کہ حضرت علیؑ خلیفۂ راشد ہیں جو دین و شریعت کی محافظت کر رہے ہیں اور اسلامی معاشرے کو قرآنی تعلیمات کے مطابق چلانا چاہتے ہیں۔

جب کہ امیرِ شام حکومت پر غاصبانہ قبضہ کر کے اس پورے نظام کو تباہ کرنا چاہتا تھا ——————

امیرالمومنینؑ کا موقف اتنا واضح تھا کہ نامساعد حالات کے باوجود سوائے شام کے تمام اسلامی علاقوں میں اس بات کو صحیح طور پر سمجھا جا رہا تھا، جس کا نتیجہ تھا کہ جب معاویہ نے حضرت علیؑ سے جنگ چھیڑی تو اسے حق و باطل کا ہی معرکہ سمجھا گیا۔ اور دو شخصیتوں یا دو لیڈروں کی جنگ کے بجائے نظریات کا تصادم اور اسلام اور جاہلیت کی معرکہ آرائی قرار دیا گیا۔

جس میں ایک طرف حق کا پاسبان، اسلامی اصول و قوانین کی حفاظت کر رہا تھا ——————؛

دوسری طرف زمانۂ جاہلیت کے اندازِ انتقام کے طور پر اسے اس کے حق سے محروم کرنے کی کوشش کی جا رہی تھی۔

البتہ افسوسناک صورتِ حال اس وقت پیدا ہوئی جب مسلمانوں کے درمیان اس شک و شبہ نے سر ابھارا کہ کیا واقعاً معاویہ زمانۂ جاہلیت کے ماحول کے مطابق انتقامی کارروائی کر رہا ہے ——————؟

یہ بات انتہائی تعجب خیز ضرور ہے کہ جب ایک طرف ایسا امام برحق جو زہد و ورع و تقویٰ و تقدس اور عدالت و پارسائی میں دنیا بھر سے زیادہ ممتاز تھا اور دوسری طرف ایک ایسا مجرم جو زمانۂ جاہلیت کی نشانی بھی تھا اور حضرت رسول خداؐ

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

سے بدترین عداوت کا مظاہرہ بھی کر چکا تھا۔

تو پھر کسی شخص کو اس بات میں کیسے شک و شبہ ہو سکتا تھا کہ یہ معرکہ حق و باطل کا معرکہ ہے ——————؟؟

لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ بعض ذہنوں میں اس قسم کے خیالات سر ابھار رہے تھے ——————

اور جن لوگوں کے اذہان میں یہ خیالات سر ابھار رہے تھے وہ اسی امت مسلمہ کا حصہ تھے جسے خیر الامم قرار دیا گیا ہے اور جنھوں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ زندگی بھی گزاری تھی لیکن جیسا کہ ہم نے اس کے قبل عرض کیا تھا ان کے اندر ادراک و شعور کی پختگی بہت کم تھی۔ جوش و جذبہ کی وارفتگی زیادہ تھی۔

جس کی فطرت یہ ہے کہ وقت کے ساتھ ساتھ یہ وارفتگی کم ہوتی چلی جاتی ہے چنانچہ امت مسلمہ کے جوش و جذبہ میں بھی وقت گزرنے کے ساتھ کمی آتی گئی۔ حتیٰ کہ اس کی آخری رمق بھی ختم ہونے لگی۔ اور جو باقی رہ گئی تھی وہ متعدد قسم کے اختلاف و انتشار کا شکار ہو گئی۔

یہی وجہ ہے کہ جب ہم آگے بڑھ کر اس عہد کے لوگوں پر نگاہ ڈالتے ہیں۔ جب جناب امیر المومنینؑ کی شہادت کے بعد امیر معاویہ تمام اسلامی علاقوں کا حاکم بن چکا تھا تو یہ منظر دکھائی دیتا ہے کہ وہ زمام حکومت سنبھالنے کے بعد شہر کوفہ میں داخل ہوا۔

جس منبر پر حضرت علی بن ابی طالب خطبہ دیا کرتے تھے اس پر جا کر بیٹھا اور کہنے لگا ——————

"لوگو! میں تم سے اس لیے نہیں لڑ رہا تھا کہ تم نماز پڑھنے لگو، روزہ رکھنے لگو، (اور دیگر فرائض مذہبی کو انجام دینے لگو۔ مجھے اس سے کیا غرض کہ تم دین کی پابندی کرتے ہو یا نہیں)

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

میں تو اس لیے تم سے لڑ رہا تھا کہ مجھے حاکم تسلیم کر لو۔"

جب اس نے پوری بے شرمی کے ساتھ اپنے ہوس اقتدار کا اعلان کیا اور خون عثمان کے قصاص کا کہیں بھی اس کی زبان پر ذکر نہیں آیا (جبکہ اسی کو بہانہ بنا کر وہ پوری قوم کو ورغلا رہا تھا) تو جناب عثمان کے بیٹے امیر معاویہ کے پاس آئے اور اس سے مطالبہ کیا کہ

"اب جبکہ آپ کو حکومت مل گئی ہے میرے باپ کے قاتلوں کو گرفتار کیجیے۔"

تو معاویہ نے جواب دیا کہ ـــــــ

(کیسا انتقام اور کیسی قاتلوں کی گرفتاری) کیا یہ کافی نہیں ہے کہ تم لوگوں کو حکومت مل گئی۔

❋ ❋

وہ معاویہ جس نے بدترین جرائم کا ارتکاب کیا۔ شریعت کے احکام کو بدلا، سنت رسولؐ کو مٹایا۔ اپنے بعد کے لیے یزید کو ولی عہد بنایا۔ سینکڑوں ہزاروں نیک اور متقی و پرہیزگار اشخاص کو بے جرم و خطا قتل کرایا۔ اور امت مسلمہ کے درمیان ہر قسم کے جرائم کو پروان چڑھایا لیکن ـــــــ سقیفہ کی کارروائی کے تحت بننے والی حکومت نے شروع ہی سے معاویہ کی خصوصی ناز برداری کو اپنا شعار بنایا ہوا تھا۔ وفات پیغمبرؐ کے تھوڑے ہی عرصہ بعد وہ مکہ سے مدینہ پہنچا۔ پھر وہاں سے اسے پورے عزت و احترام کے ساتھ شام بھیج دیا گیا۔ جہاں اپنے بھائی کے مرنے کے بعد وہ ایک مطلق العنان حکمران کی حیثیت سے زندگی گزارنے لگا۔

اور خلیفۂ وقت کی طرف سے اس کی ناز برداری کا یہ عالم تھا کہ دوسرے صاحب جو اپنے تمام گورنروں پر سختی کرنے میں مشہور تھے۔ امیر شام کو کچھ نہیں کہتے تھے سب کو تادیب کرتے تھے مگر ان کو مستثنیٰ قرار دیتے تھے۔ حتیٰ کہ جب اپنے تمام گورنروں

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

سے آمدنی واخراجات کا حساب مانگتے تھے۔ تب بھی امیر شام سے کوئی سوال نہیں کرتے تھے کہ انھوں نے کتنی رقم کہاں سے حاصل کی اور کس طرح خرچ کی۔ (سوال یہ ہے کہ یہ نازبرداریاں آخر کیوں تھیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ کسی خاص مقصد کے لیے ان کی اہلبیت کو نمایاں کیا جارہا ہو)

پھر تیسرے صاحب کے دور میں تو ہر طرف بنی امیہ کی حکمرانی نظر ہی آنے لگی اور معاویہ کے اقتدار میں مزید وسعت دی گئی کہ شام کے ملحقہ علاقوں کو بھی ان کے زیرنگیں قرار دے دیا گیا۔

سوال یہ ہے کہ جب عام لوگ یہ دیکھتے ہوں گے کہ ہر جگہ تبدیلی آرہی ہے مگر یہاں کوئی تبدیلی نہیں آتی۔ ہر جگہ گورنر سے بازپرس ہوتی ہے۔ یہاں کوئی بازپرس نہیں ہوتی۔ حتیٰ کہ دوسرے خلیفہ جو بعض معاملات میں اتنے سخت تھے کہ ان کے بیٹے نے شراب پی لی تو اسے اتنے کوڑے مارے کہ مرگیا لیکن انھوں نے بھی نہ امیر شام کو کبھی سزا دی نہ کوئی بازپرس کی۔ نہ ان کے معاملات میں دخل دیا ــــــــــــ

تو انھیں لازمی طور پر یہ خیال پیدا ہوتا ہوگا کہ یہ کوئی خاص شخص ہے جب ہی اس کی اتنی عزت کی جارہی ہے۔

چنانچہ ان نازبرداریوں نے امیر شام کے اندر یہ جرأت پیدا کردی کہ وہ رسولؐ کے خلیفہ برحق اور مسلمانوں کے خلیفہ راشد امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام کے خلاف علم بغاوت بلند کر کے میدان میں آگیا۔ اور قصاص عثمان کا ڈھونگ رچا کر اپنی بغاوت میں مذہبی رنگ کی آمیزش کردی۔

جس کی وجہ سے بہت سے ناعاقبت اندیش لوگ دھوکہ کھا گئے۔ اور جب امیر شام نے یہ اعلان کیا کہ ــــــــــــ

ہمارا خلیفہ مظلومیت کے ساتھ قتل کردیا گیا ہے ــــــ!

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

توان لوگوں نے حالات اور واقعات کو سمجھنے اور پرکھنے کے بجائے اس کی آواز پر لبیک کہنا شروع کر دیا ـــــــ

اور کوئی شخص ان لوگوں کو یہ سمجھانے والا نہیں نظر آتا کہ وہ کن حالات کے تحت قتل ہوئے ـــــــ بس ایک شور سا مچ گیا کہ ـــــــ

"عثمان مظلومیت سے قتل کیے گئے ہیں لہٰذا ان کا قصاص لینا چاہیے ـــــــ !"

اور حضرت علیؑ سے یہ مطالبہ زور و شور سے کیا جانے لگا کہ ـــــــ

"اگر آپؑ ان کے قاتلوں کو گرفتار کرتے ہیں تو ہمارے حوالے کر دیجیے ورنہ حکومت چھوڑ دیجیے ـ"

ظاہری صورت حال ایسی تھی کہ حضرت علی علیہ السلام کے لیے یہ کہنے کی تو گنجائش ہی نہیں تھی کہ وہ اس کے مستحق تھے ـ ورنہ جو لوگ آپؑ سے یہ مطالبہ کر رہے تھے کہ قاتلوں کو گرفتار کر کے ہمارے حوالے کیجیے وہ بلاتکلف یہ کہنے لگتے کہ:

"آپ ہی نے ان کو قتل کیا ہے ـ !"

اس طرح صورتِ حال اور بھی خطرناک ہو جاتی ـــــــ !!

اسی کے ساتھ ہمیں یہ بات بھی پیش نظر رکھنی چاہیے کہ جو لوگ حضرت علیؑ کے ساتھ قربانیاں پیش کر رہے تھے، ان کی نفسیاتی کیفیت کیا ہوگی ؟

معلوم نہیں ہم میں سے کسی کو اس نفسیاتی پہلو کا تجربہ ہے یا نہیں کہ جب مشکلات پے در پے پیش آ رہی ہوں اور مطلوبہ نتائج حاصل ہونا دشوار نظر آ رہا ہو تو مختلف قسم کے شکوک و شبہات اس کے ذہن میں پیدا ہونے لگتے ہیں ـ مثال کے طور پر اگر "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" کے فریضہ کو انجام

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

دینا انسان اپنے لیے دشوار سمجھ رہا ہو تو (اپنی کمزوری کا اعتراف کرنے کے بجائے) اس کے دل میں یہ وسوسہ پیدا ہونے لگتا ہے کہ :

معلوم نہیں وہ شخص واقعاً غلط کام کر رہا ہے یا نہیں (جس کو میں نصیحت کرنا چاہتا ہوں) ______؟

پتہ نہیں میں اس فریضہ کو انجام دے سکوں گا یا نہیں ______؟

معلوم نہیں "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" کے جو شرائط ہیں وہ پوری طرح موجود ہیں یا نہیں ______؟ وغیرہ وغیرہ۔

لیکن ظاہر ہے کہ اس قسم کے وسوسے (زیادہ تر) اس لیے پیدا ہوتے ہیں کہ انسان خود کو اس ذمہ داری سے بری الذمہ قرار دینا چاہتا ہے۔ فرض کو ادا نہیں کرنا چاہتا اور چین و سکون اور راحت و آرام کی زندگی گزارنے کا شیدا ہوتا ہے۔

تو اگر کوئی ایسی بڑی مہم درپیش ہو جائے (جس میں مشقت نظر آ رہی ہو) تو انسان شکوک و شبہات میں مبتلا ہونے لگتا ہے ______ لیکن ان شکوک و شبہات کی وجہ زیادہ تر خود انسان کا اپنا نفس ہوتا ہے، وہ قصداً شک میں پڑنا چاہتا ہے، کیونکہ یہ شک اسے اپنے مفاد کے مطابق نظر آتا ہے۔

کچھ اسی قسم کی کیفیت حضرت امیرالمومنینؑ کے ساتھیوں کی نظر آتی ہے جنھوں نے (جمل و صفین و نہروان) کی تین جنگوں میں کافی قربانیاں پیش کیں ہزاروں عراقی شہید ہوئے ______ بکثرت بچے یتیم ہوئے ______ عورتیں بیوہ ہوئیں ______ گھر برباد ہوئے ______ معاویہ کے آدمیوں نے ہزاروں بستیوں کو تاراج کر دیا ______ اور برسوں ان لوگوں نے نہایت پر مشقت زندگی گزاری۔

لیکن نتیجہ کیا نکلا ______؟

کیا ان کے مال و دولت میں اضافہ ہوا ______؟

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

نہیں ــــــــــ ،

معاشی و معاشرتی حیثیت بلند ہو گئی ــــــــ؟ نہیں ،

اور کوئی دنیاوی فائدہ انھیں حاصل ہوا ــــــــ؟ نہیں ،

بلکہ یہ ساری مشقت صرف دین کی سربلندی ، حق کی حمایت ، امتِ مسلمہ کے

مجموعی مفاد ، قوم کی شیرازہ بندی اور اختلافات کے خاتمہ کے لیے برداشت کرنی پڑی۔

اور یہ یقیناً ایسے فوائد ہیں جو ہر قسم کے دنیاوی اور مادی فوائد سے

بدرجہا افضل و برتر ہیں ــــــــ ،

لیکن یہ لوگ ان تمام قربانیوں کے بعد، اپنے ذاتی مفادات کی بنا پر

شکوک و شبہات کا شکار ہوتے گئے ــــــ

یہاں تک کہ ایک ایسا وقت بھی آیا کہ امامؑ انھیں بلاتے ہیں اور وہ

لبیک نہیں کہتے ، امامؑ اُن کے اندر حرکتِ عمل پیدا کرنا چاہتے ہیں ــــــ مگر

وہ متحرک نہیں ہوتے۔

کیونکہ مصلحتوں کے پیش نظر وہ نے طریقے سوچنے لگے تھے۔ وہ

اب اسے لیڈر شپ کا مسئلہ قرار دیتے ہوئے یہ کہنے لگے تھے کہ :

"کیا فرق ہے کہ یہ حاکم ہوں یا وہ ــــــ! ہم لوگوں

کو الگ تھلگ رہنا چاہیے اور گوشہ نشین ہو جانا چاہیے

چاہے حالات ان کا ساتھ دیں یا ان کا ــــــ!"

اس طرزِ فکر نے ان کی حرارتِ عمل کو خاموش کر دیا اور از سرِ نو جد و جہد کا آغاز

کرنے کے بجائے انھیں عزلت نشینی کی راہ دکھا دی۔

مفاد پرستوں کے اس طرزِ عمل نے جنابِ امیرؑ کو سخت رنج پہنچایا۔

جس کے بعد آپؑ منبر پر جا کر اپنے ان ساتھیوں کو بہت یاد کرنے تھے جو دنیا سے گزر گئے

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

اور جنھوں نے ساری زندگی ایک لمحہ بھی نہ سستی دکھائی نہ شکوک و شبہات میں گرفتار ہوئے جیسے عمار یاسر اور اُن جیسے مخلص اور باوفا اصحاب!

عمار کے اخلاص عمل کا یہ عالم تھا کہ صفین کے میدان میں جب اُترے تو اپنی تلوار ہاتھ میں لے کر اس کی نوک اپنے پیٹ پر رکھی اور کہنے لگے:

"قسم بخدا، اگر آپؑ پسند کریں تو میں اپنی تلوار کو خود اپنے جسم میں اس طرح اتار دوں کہ پیٹ سے لے کر پشت تک آر پار ہو جائے۔ لیکن مجھے معلوم ہے اور آپؑ بھی جانتے ہیں کہ رضائے الٰہی اسی میں ہے کہ ان باغیوں اور مجرموں سے جنگ کروں جو آپؑ سے برسرِ پیکار ہیں۔"

چنانچہ عمار جیسے مخلص و باوفا اصحاب کی شہادت کے بعد جناب امیرؑ رو رو کر ان لوگوں کو یاد کرتے تھے، کیونکہ یہ وہ باوفا اشخاص تھے جن کی زندگی ہر قسم کے شکوک و شبہات سے پاک تھی ——————

جو دینی مصلحت کے مقابلے میں اپنے ذاتی مفاد کو کوئی چیز نہیں سمجھتے تھے ——————— جو اسلام کی حفاظت، شریعت کی پاسبانی، امتِ مسلمہ کی شیرازہ بندی، قوم کے اتحاد و اتفاق اور دین کی عظمت و شوکت کے مقابلے میں کسی بھی چیز کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔

❋

لیکن اب جو لوگ آپؑ کے ساتھ تھے وہ امت کے وسیع تر مفاد پر نظر رکھنے کے بجائے اپنے شخصی اور محدود مفادات کے بارے میں سوچتے تھے۔ جس کے نتیجہ میں ان میں مداہنت پیدا ہو چکی تھی۔

لیکن ہمارے لیے یہ بھی مشکل بات ہے کہ ان لوگوں کا شکوہ کریں، کیونکہ

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

ہو سکتا ہے کہ امتحان و آزمائش کے وقت ہم ان سے بھی بدتر ثابت ہوں۔

وہ اگرچہ اب ہزیمت کا شکار تھے مگر انھوں نے ایک وقت تو بلند ہمتی کا ثبوت دیا تھا ——

ہو سکتا ہے کہ ہم پر ایسا وقت پڑے تو ہم یکسر بلند ہمتی کا ثبوت نہ دے سکیں —— وہ لوگ تو ایسے تھے جنھوں نے دینِ خدا کی خاطر —— —— گھر بار کو چھوڑا، اہل و عیال سے جُدا ہوئے اور مصائب برداشت کیے اور اگرچہ بعد میں ان پر شیطان غالب آگیا، لیکن کچھ عرصہ تک تو انھوں نے استقامت کا مظاہرہ کیا —— !

ہم تو اپنے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتے، کیا پتہ کوئی ایسا وقت آئے تو ہم حالات کا بالکل ہی مقابلہ نہ کر سکیں —— !

اس لیے ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ یہ لوگ عمار یاسر اور ان جیسے مخلص اصحاب کے مانند نہیں تھے۔ استقامت سے محروم ہو گئے، شکوک و شبہات نے انھیں گھیر لیا اور ایسی بے وفائی کرنے لگے کہ جناب امیرؑ کو سخت صدمہ پہنچا، یہاں تک کہ آپؑ اپنے خطبوں میں برملا تمنائے موت ظاہر کرنے لگے —— ؛

کیونکہ یہ لوگ آپؑ کی بات سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کرتے تھے، نہ دین کے وسیع تر مفاد کا ادراک رکھتے تھے۔

اور کسی حکمراں یا قائد کے لیے یہ کس قدر مشکل بات ہے کہ وہ ایسی قوم کے ساتھ زندگی گزارے جو نہ اس کی بات مانتی ہے نہ اس کے مشن کو سمجھتی ہے نہ قوم کے اجتماعی مفاد کا ادراک رکھتی ہے۔

ایک طرف قائد ہے جو اس قوم کی فلاح و بہبود کے لیے اپنی جان کو ہتھیلی پر لیے ہوئے ہے، دوسری طرف قوم ہے جسے اس بات کا احساس ہی نہیں کہ یہ

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

سب کچھ اسی کی بہتری کے لیے کیا جا رہا ہے۔ بلکہ شکوک وشبہات میں گھرے ہوئے ہیں۔ اور سازشی گروہ کے مقاصد کی تکمیل کر رہے ہیں۔

آپ کی زندگی کا یہ انتہائی سخت دور تھا جو آپؑ نے اس قوم کے ساتھ گزارا۔ لیکن مشکلات کے باوجود آپؑ آخری لمحے تک اس بات کے لیے جدوجہد کرتے رہے کہ امت کے اندر اسلام کی آفاقی روح پھونک دیں اور انھیں حق کو پہچاننے اور اس کو قبول کرنے کا شعور عطا کر دیں ——————

اور آپؑ کی یہ جدوجہد زندگی کے آخری لمحات تک جاری رہی۔ یہاں تک کہ محرابِ مسجد کوفہ آپؑ کے خون سے رنگین ہو گئی اور جبریل نے سدرۃ المنتہیٰ سے آواز دی کہ لقد تہدمت واللہ ارکان الھدیٰ۔ قسم بخدا ہدایت کا ستون منہدم ہو گیا۔

اللھم اجعلنا ممن ینتصر لدینک

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

⑨

امام حسنؑ امام حسینؑ
اور
امام زین العابدینؑ کا زمانہ

ہم نے ابتدا میں عرض کیا تھا کہ حضرات ائمہ طاہرین علیہم السلام کے پورے عہد کو تین مرحلوں پر تقسیم کیا جا سکتا ہے جس کے پہلے مرحلے میں چار اماموں کا زمانہ گزرا ہے۔

حضرت علیؑ، امام حسنؑ، امام حسینؑ اور امام زین العابدین علیہ السلام۔

① —— پہلا مرحلہ وہ ہے جو قوم کے انحراف کے بعد اہلبیت کرام کی خدا کاریوں کا نقطۂ آغاز ہے کیونکہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے فوراً ہی بعد ائمہ طاہرینؑ کو قوم کے ایسے انحراف اور امت کی ایسی باغیانہ روش کا سامنا کرنا پڑا۔ جس کا اگر اہلبیت کرامؑ پوری بصیرت واستقامت سے مقابلہ نہ کرتے تو اسلام اور

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

امتِ مسلمہ کا کوئی وجود باقی نہ رہتا۔ اور تاریخ کے صفحات پر اس کا تذکرہ بھی انھیں اقوام کی فہرست میں شامل ہوتا جو زمانے کے ہاتھوں مٹ گئیں۔

لیکن حضرات ائمہ طاہرین علیہم السلام نے اس انحراف کے غمگین نتائج کو برداشت کرتے ہوئے امت مسلمہ کے تحفظ کی ہر ممکن کوشش کی اور دین کے بنیادی ارکان کی اس طرح حفاظت کی کہ ہر قسم کے مصائب و آلام کو اپنی ذات پر برداشت کر کے اسلام کو بچا لیا۔

یہ پہلا مرحلہ حضرت علی بن ابی طالبؑ سے شروع ہوتا ہے اور حضرت علی بن الحسینؑ (امام زین العابدینؑ) کے زمانہ تک محیط ہے۔

۞

(۲) ——— دوسرا مرحلہ وہ ہے جس کا نقطہ آغاز حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی حیات طیبہ میں نظر آتا ہے۔ اور اگرچہ یہ مرحلہ بھی پہلے مرحلے سے مشابہ ہے۔ البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپؑ کی زندگی میں پہلا مرحلہ اختتام پذیر ہو رہا تھا اور دوسرے مرحلے کا آغاز ہو رہا تھا اور تاریخ اسلام کے نئے ابواب کھل رہے تھے۔

یہ دوسرا مرحلہ وہ ہے کہ دین کے بنیادی ارکان کے بھرپور تحفظ اور قوم کے انحراف سے اسے بچانے کے لیے عظیم الشان قربانیاں پیش کرنے کے بعد اس کی اساسی تعلیمات کی ازسرِ نو نشر و اشاعت شروع کی۔

چنانچہ امام زین العابدینؑ کے آخری زمانے سے امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ کے عہد تک ایک ایسا گروہ ابھر کر سامنے آیا جو اسلام کی تعلیمات سے مکمل طور پر آشنا ہو کر پرچم اہلبیتؑ کو اپنے ہاتھوں

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

میں اٹھائے ہوئے تھا اور اپنے عزم و ارادے میں بہت بلند نظر آ
رہا تھا ــــــــ

اور ہم نے جو اسے دوسرا مرحلہ قرار دیا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں
ہے کہ پہلے مرحلے میں جس عمل کا سنگ بنیاد رکھا گیا تھا وہ ختم ہو گیا۔
نہیں ــــــــ وہ عمل جاری ہے اور قوم کا انحراف بھی باقی ہے
البتہ گزشتہ چار ائمہ کرام علیہم السلام کے دور میں اتنی عظیم قربانیاں
پیش کی جا چکی ہیں کہ اب دینی تعلیمات کی نشر و اشاعت میں جو خطرات
تھے وہ کم ہو چکے ہیں۔ جس کے بعد حتمی بات تھی کہ ائمہ کرامؑ نے تبلیغ دین
کی ذمہ داریوں کو از سر نو بھرپور انداز سے شروع کیا۔ اور اپنے حلقہ
بگوش افراد کی اس طرح تربیت فرمائی کہ وہ حفاظت دین کا فریضہ
انجام دینے کے قابل ہو جائیں جس کے لیے ضروری تھا کہ امت
کے افراد میں سے ان لوگوں کا انتخاب کیا جائے جو ذہنی شعور و
ادراک کے لحاظ سے اعلیٰ فہم و فراست کے مالک ہوں، تاکہ مستقبل
میں شریعتِ مصطفیٰؐ کی نشر و اشاعت، پاسبانی اور ترویج دین کی
ذمہ داریوں کو احسن طریقے سے ادا کر سکیں۔

اس ہمہ گیر دینی تربیت کا بڑے پیمانے پر آغاز حضرت امام محمد باقر
علیہ السلام کے زمانے میں ہوا۔ ارتقا و تکامل حضرت امام جعفر صادقؑ
کے عہد تک اور یہ سلسلہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے دور تک باقی رہا۔

(۳) ــــــــ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے بعد تیسرے مرحلے کا آغاز ہوا۔
یہ مرحلہ سیاسی مبارزات کا مرحلہ ہے۔ یاد رہے کہ اس کا مقصد یہ نہیں کہ

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

اس دور کے ائمہ نے اس مرحلہ کا آغاز کیا بلکہ حکمرانوں کا ائمہ اطہارؑ کے ساتھ سخت و درشت رویہ اور پہلے دونوں مراحل میں ہونے والی پیش رفت کا منطقی نتیجہ تھا۔

کیونکہ جس عظیم الشان دینی تربیت کو دوسرے مرحلے میں انتہائی ترقی حاصل ہوئی اس کا آغاز پہلے مرحلے ہی میں ہو چکا تھا۔ پھر دوسرے مرحلے میں جب وہ نمو پاکر تناور درخت بن گئی اور اطراف و اکناف عالم میں اس کی عظمتوں کا چرچا پھیلنے لگا تو حکمرانوں کو تشویش لاحق ہوئی کہ اہلبیتؑ کے ماننے والوں کو ہر طرف اثر و رسوخ حاصل ہو رہا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ لوگ اس طرح ان کی حمایت پر کمربستہ ہو جائیں کہ حکومت کا تختہ الٹ دیں۔

چنانچہ اس اندیشے کے پیش نظر حکمرانوں نے ایک بار پھر اہلبیت کرامؑ کے ماننے والوں پر عرصۂ حیات تنگ کرنا شروع کر دیا۔ (اور اتنی اذیتیں پہنچائیں کہ ضمیر انسانیت چیخ اٹھا)

مذکورہ بالا تین مراحل کے بارے میں ہم آگے تاریخی نقطۂ نظر سے مزید گفتگو کریں گے جس میں اس اہم ترین مرحلے کی منفرد خصوصیت یہ ہے کہ حکمرانوں کے انحراف اور باغیانہ سرگرمیوں کے باوجود ہمارے چارؑ ائمہ کرام علیہم السلام نے اسلامی تہذیب و تمدن کی مضبوط بنیادیں استوار کر دیں ——————

اور اس زمانے کے ارباب اقتدار کی چیرہ دستیوں کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ ہمارے ائمہ کرام نے انتہائی مشکل حالات میں کتنی اہم ذمہ داریاں پوری کیں۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

زمانے کی ان تمام نیرنگیوں اور حکمرانوں کی چیرہ دستیوں کو اگر سمیٹ کر اس کے ابتدائی نقطہ پر لایا جائے تو اس کا بنیادی سبب یہی نظر آئے گا کہ ——

وفاتِ پیغمبرؐ کے بعد زمام اقتدار حضرت علیؑ کے علاوہ کسی اور نے سنبھالی جو بعد میں مسلمانوں کا بادشاہ بن بیٹھا۔

یہ بات دیکھنے میں بہت مختصر نظر آتی ہے لیکن درحقیقت تمام مصائب و آلام کی بنیاد بھی یہی ہے اور امت مسلمہ کے درمیان جو اختلاف و انتشار پیدا ہوا اس کا سبب بھی ——

یہی وجہ ہے کہ اسے ہم صرف حضرت علیؑ یا اہلبیت طاہرینؑ کے ساتھ ظلم و ستم نہیں قرار دیتے نہ فقط حضرت علیؑ کی حق تلفی کی بات ہے بلکہ پوری شریعت کے خلاف سازش قرار دیتے ہیں ——

کیونکہ اگر صرف ایک ذات کے خلاف عداوت کا مظاہرہ ہوتا تو اس کا اثر اسلامی نظامِ حیات کے تمام پہلوؤں پر نہ ہوتا۔ اور اس صورت میں یہ مسئلہ عقیدہ و دین کا مسئلہ نہیں اور نہ یہ مسئلہ دو افراد کی خلافت و حکومت کا مسئلہ ہے ——

بلکہ اسلامی خلافت کو اس کے اہل کے سپرد نہ کرنا ایک ایسا مسئلہ ہے جو تجربہ اسلامی کو ناکام بنانے اور امت اسلامی کو ہمیشہ کے لیے انتشار و افتراق کا شکار رکھنے کا مسئلہ ہے۔

بات صرف اس حد تک رہتی کہ ایک شخص کو اس کے حق سے محروم کر کے دوسرا شخص مسلط ہو گیا۔ لیکن صورتِ حال یہ نہیں تھی بلکہ حضرت علیؑ کو ان کے حق سے محروم کرنے کی اصل غرض ہی یہ تھی کہ دین کی آفاقی تعلیمات اور اسلام کے ملکوتی نظامِ حیات کی بنیادوں کو اس طرح ڈھا دیا جائے کہ کوئی اس کا نام لیوا باقی نہ رہے۔

اب رہا یہ سوال کہ کیوں اسلام اس سازش کے باوجود باقی و قائم ہے؟

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ائمہ طاہرین دین کی حفاظت و بچاؤ کے لیے کوشش نہ کرتے تو اسلام یقیناً ختم ہو چکا ہوتا ——————

اب رہی یہ بات کہ ایک حاکم کے بدلنے سے اس قدر بڑی تبدیلی کیونکر آسکتی ہے کہ پورا نظامِ شریعت بدل جائے اور وہ نظامِ شریعت اور روحِ اسلام کیا ہے جس کی روشنی میں ہم اس خطرے کی گہرائی و گیرائی کو سمجھ سکیں۔

اسی کے ساتھ ان اقدامات کو سمجھنے کی بھی کوشش کرنی چاہیے جو ائمہ طاہرین علیہم السلام نے ان خطرات کے مقابلے کے لیے کیے۔

ان دونوں باتوں کی وضاحت کے لیے ان دو بنیادی نظریات کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے جو کائنات اور انسان کے تصورِ کائنات کے بارے میں پائے جاتے ہیں۔

پہلا نظریہ

پہلا نظریہ یہ ہے کہ اس پوری کائنات کا مالک ایک ایسا قادرِ مطلق ہے جو ہمارے ہر عمل کی نگرانی کر رہا ہے لیکن وہ خود ہماری نظروں سے پوشیدہ ہے۔ یہ نظریہ کائنات کے بارے میں انسان کے موقف کی حد بندی بھی کرتا ہے اور لازمی طور پر انسان کو اس شعور سے مالا مال کرتا ہے کہ ——————

کائنات کے اندر انسان کا وجود ایک امین و پاسبان اور نیابتِ الٰہی کی حیثیت رکھتا ہے تاکہ انسان اپنی حد سے تجاوز نہ کرے اور خود کو دنیا کا مالک نہ سمجھنے لگے۔

چونکہ پوری کائنات جس کے اندر خود انسان بھی شامل ہے ایک عظیم و بلند تر ذات کی ملکیت ہے جو ہر ایک کے عمل کی پوری نگرانی کر رہا ہے۔

امانتداری اور نیابتِ الٰہی کا یہ احساس انسان کے اندر ان ذمہ داریوں کی تکمیل کا جذبہ پیدا کرتا ہے جس کے لیے حضرت آدمؑ کو زمین پر بھیجا گیا اور جسے اولادِ آدمؑ

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

میں سے صالح افراد ہر دور میں انجام دیتے رہے۔

اسی کے ساتھ یہ احساسِ امانتداری ایک اور حقیقت کی طرف بھی توجہ دلاتا ہے اور وہ یہ کہ جب ہماری حیثیت اس مالک کے امین کی ہے تو پھر ہر قسم کے احکام، قوانین نظم وضبط کے اصول اور دساتیر اسی مالکِ حقیقی کی طرف سے نافذ ہونے چاہئیں۔ کیونکہ جسے کسی شئے کا نائب امین بنایا گیا ہو اس کی ذمہ داری ہے کہ ——— مالک کے کام کو اس کے منشا کے مطابق انجام دیدے۔

اور مذکورہ بالا نظریہ کا دوسرا جزء یعنی یہ کہ کائنات کا مالک وہ ہے جو پردۂ غیب میں رہتے ہوئے اس طرح ہمارے امور کا جائزہ لے رہا ہے کہ وہ کبھی ہمارے سامنے نہیں آتا اور نہ کسی کے گناہ کرتے ہی فوراً اس کو سزا دیتا ہے۔ (بلکہ اس نے جزا وسزا کے لیے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے)

انسان کو حساب ومواخذہ کی گرفت اور آخرت کی منازل کا احساس دلاتا ہے۔ جہاں انسان کی پوری کارکردگی کے نتائج سامنے آجائیں گے اور جب انسان کے دل میں آخرت کا احساس بیدار ہوجائے تو حساب وکتاب اور بلندتر مقاصد حیات کا شعور بھی پیدا ہونے لگتا ہے۔

پھر انسان اپنی توانائیوں کو صرف دنیا کی مختصر زندگی تک محدود نہیں رکھتا بلکہ اس کے ماوراء سوچنا شروع کرتا ہے اور جیسے جیسے اس کے افکار میں وسعت پیدا ہوتی ہے ویسے ویسے مقاصد میں بلندی ورفعت پیدا ہونے لگتی ہے ———

یہاں تک کہ اس کی نگاہ میں انسانی زندگی کے مقاصد اتنے زیادہ بلند ہو جاتے ہیں کہ اس کے مقابلے میں اپنی عمر انتہائی کوتاہ نظر آنے لگتی ہے۔

لیکن اگر انسان کا نقطۂ نظر محدود ہوگا تو وہ ان بلندتر مقاصد کی ذمہ داری کو اٹھا ہی نہیں سکے گا۔ نتیجۃً وہ بلندتر مقاصد تعطل کا شکار ہوں گے اور

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

لوگ چھوٹی چھوٹی مادی منفعتوں میں الجھے رہیں گے۔
کبھی فرد کا فرد سے یا گروہ کا دوسرے گروہ سے، ایک طبقہ کا دوسرے طبقہ سے یا ایک قوم کا دوسری قوم سے تصادم ہوتا رہے گا۔
لیکن اگر بنی نوع انسان اپنی نگاہوں میں وسعت پیدا کریں اور بلند تر مقاصد کے حصول کی جستجو میں لگ جائیں اور اس محدود دنیاوی زندگی سے ماورا سوچنا شروع کریں تب وہ اس مقصد حیات کی تکمیل کے قابل ہوسکتے ہیں، جس کے لیے پیدا ہوئے۔ (حدیث میں ہے کہ)

"من خرج من بيته مهاجراً في سبيل الله فمات، وقع اجره على الله"

(جو شخص اللہ کی راہ میں ہجرت کی غرض سے اپنے وطن سے نکلے پھر اسی راہ میں اس کی موت واقع ہوجائے تو اس کا اجر اللہ کے نزدیک ثابت ہے)

کتنے ہی ایسے اشخاص ہیں جو تحصیل علم کے لیے گھر سے نکلے اور مقصد تک پہنچنے سے پہلے ہی دنیا سے رخصت ہوگئے۔ ہزاروں مجاہدین راہِ خدا میں جنگ کرنے کے لیے نکلتے ہیں لیکن قبل اس کے کہ فتح و نصرت قدم چومے وہ شہید ہوجاتے ہیں'
ہزاروں اہلِ علم اپنی علمی تحقیقات کے دوران ان گنت قسم کی اذیتیں ظلم و ستم اور اہانتیں برداشت کرتے ہیں اور اپنی تحقیقات کا مزا چکھنے سے پہلے ہی راہیٔ ملکِ عدم ہوجاتے ہیں۔
لیکن چونکہ یہ سب لوگ اپنے اپنے گھروں سے خوشنودیٔ خدا کی خاطر نکلے۔ اسی کے راستے میں چلتے ہوئے اثنارِ راہ موت سے ہم آغوش ہوگئے ——— تو اب ان کا اجر و ثواب اللہ کے نزدیک ثابت ہے۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

لہٰذا انسان جو ایک مختصر سی عمر لے کر دنیا میں آیا ہے۔ اس کے لیے اس کی کوئی اہمیت نہیں ہونی چاہیے کہ وہ راہِ حق میں پہلا قدم اٹھانے پر موت سے ہمکنار ہوا، یا دوسرا، یا تیسرا ـــــــ؟

بلکہ اہمیت یہ ہے کہ وہ مقصدِ حیات کی تکمیل کی طرف صحیح قدم بڑھا رہا ہو ـــــــ! تو اب چاہے جس مرحلے پر بھی اسے موت آئے اس کا اجر و ثواب ثابت ہے ـــــــ!!

یہاں سے بلند مقاصد کی قدر و قیمت بھی واضح ہوتی ہے اور یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ اخلاقی اقدار کی بھی اس وقت تک کوئی قیمت معین نہیں کی جاسکتی جب تک کہ وہ انسان کے عظیم مقصدِ حیات کے مطابق نہ ہوں۔ اور اس بلند و بالا ثواب و عقاب کے نظریے سے ہم آہنگ نہ ہوں جو لگاہوں سے پوشیدہ ہیں۔

کیونکہ ایثار و قربانی، اخلاص و فداکاری اور محبت و مودّتِ الٰہی جیسی عظیم اخلاقی اقدار کی قدر و قیمت اس میں تو ہے کہ یہ سب چیزیں خوشنودیٔ خدا کے اسباب ہیں اور جو شخص بھی ان راہوں پر چلتا ہوا اپنی زندگی اور اس کی لذتوں سے محروم ہو جائے گا۔ اس کا اجر و ثواب خدا کے ذمہ ثابت ہے۔

اسی طرح جو شخص بھی راہِ خدا میں کوئی قربانی پیش کرے اور دنیا میں اسے اس کا کوئی عوض نہ ملے۔ اس کا اجر بھی خدا کے ذمہ ہے۔

نیز اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص کی کوئی خدمت انجام دے اور اسے معاوضہ وصلہ نہ ملے، وہ بھی پیشِ پروردگار اجر و ثواب کا حقدار ہوگا۔

کیونکہ یہ سب اس حدیث کے وسیع تر مفہوم کے دائرے میں شامل ہو جاتے ہیں جس کا اوپر ذکر کیا گیا۔

یہ ایک ایسا بنیادی نظریہ ہے جس سے یہ تمام نتائج برآمد ہوتے ہیں۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

اور یہی وہ نتائج ہیں جو تکامل شکل میں ایک اسلامی تمدن کی تعبیر کرتے ہیں۔ کیوں کہ اسلامی تمدّن اس اساسی طرزِ حیات کا نام ہے جس میں زندگی کی تمام مصروفیات کا منتہائے مقصود خداوند عالم کی ذاتِ والا صفات ہو، اور انسان اسی کی خوشنودی کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اپنے کاموں کو انجام دے۔

دوسرا نظریہ

جیسا کہ ہم نے گزشتہ صفحات پر وضاحت کی، زندگی اور کائنات کا ایک نظریہ تو وہ ہے جس کے مطابق انسان پوری کائنات کا مالک حقیقی خداوند عالم کو تسلیم کرتا ہے اور اپنے آپ کو اس کی بارگاہ میں جواب دہ محسوس کرتا ہے اور اس کے مقابلہ پر دوسرا نظریہ یہ ہے کہ ——

انسان اپنے آپ ہی کو اس دنیا کا مالکِ حقیقی سمجھنے لگے اور یہ تصور قائم کرے کہ اس کائنات پر کسی ایسی ذات کی حکمرانی نہیں ہے جو ہماری نگاہوں سے مخفی اور ہمارے امور کی نگراں ہو۔

تو ظاہر ہے کہ جب ذہن میں یہ تصور واضح ہو جائے گا تو جوابدہی، ذمہ داری کا احساس بھی قائم نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ جب ہم کسی کے سامنے جوابدہ ہی نہیں ہیں —— تو پھر ذمہ داری کیسی اور اس کی ادائیگی کا کیا سوال ——

اس صورت میں تو صرف اپنی ذات پیشِ نظر ہوگی اور اس کے مفادات!!

اور بجائے اس کے کہ وہ یہ محسوس کرتا کہ کوئی اس کے اعمال کا نگراں ہے جو دیکھ رہا ہے کہ ہم عظیم تر مقاصد حیات کی تکمیل کر رہے ہیں یا نہیں ——؟ —— جس کے نتیجے میں ثواب یا عقاب کے مستحق ہوں۔

اپنے لیے خود ہی ذمہ داریاں ایجاد کرتا ہے۔ اور جب وہ خود ہی ذمہ داریاں

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

ایجاد کرے گا تو ظاہر ہے کہ وہ اس کی داخلی کیفیات ، خواہشات ، شہوات اور تمناؤں ہی کا پرتو ہوں گی ——

اور چونکہ انسان کے تصورات محدود ہیں اور اس کی خواہشات مادی فوائد میں جکڑی ہوئی ہیں اس لیے وہ اپنے لیے جو ذمہ داریاں ایجاد کرے گا ان میں بھی اسی کی خواہشات ہی کا عکس ہو گا جس کے بعد ان اخلاقی اقدار کا خود بخود خاتمہ ہو جائے گا جو خوشنودیٔ خدا کے لیے ایثار و قربانی کا جذبہ پیدا کرتی ہیں۔

اور بنی نوع انسان اپنے اپنے مادی اور گروہی مفادات میں الجھ کر رہ جائیں گے اور یہ سراسر غیر اسلامی نظریہ ہے۔

اسلام کی آمد کا مقصد

اسلام کی آمد کا مقصد یہی تھا کہ بنی نوع انسان کی اس طرح تربیت کی جائے کہ وہ پہلے نظریے کے مطابق زندگی گزارنے لگیں۔ اسے صرف ایک نظریے کے طور پر اپنی کتابوں میں لکھ کر نہ رکھ لیں ——

بلکہ بنی نوع انسان کی اس نظریے کے مطابق ایسی تربیت کی جائے کہ یہ نظریہ ان کے رگ و پے میں سرایت کر جائے۔ اور اس کا اثر زندگی کے تمام تصورات و خیالات ، جذبات و احساسات ، بارگاہ معبود میں عجز و نیاز اور بندگان خدا کے ساتھ رفتار و گفتار میں ظاہر ہو۔

اور جب یہ دین بنی نوع انسان کی تربیت کے لیے آیا ہے ——

تو اس کے لیے ضروری ہے کہ یہ بنی نوع انسان کی تمام صلاحیتوں اور اس کی جملہ مصروفیات کی نگرانی بھی کرے ، کیونکہ اگر تربیت کرنے والا بھرپور نگرانی نہ کرے تو تربیت بھی نہیں کر سکتا۔ صرف ایک استاد کی طرح شاگرد کے سامنے کسی مفہوم کو

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

واضح کر سکے گا ——

کیونکہ اُستاد اور تربیت کنندہ میں بنیادی فرق یہی ہے کہ اُستاد کسی بھی علمی گتھی کو سلجھا دیتا ہے، اس کے مفہوم کو آشکار کر دیتا ہے۔ چاہے شاگرد اُسے قبول کر کے اپنی زندگی میں اپنا لے یا انکار کر دے۔

لیکن تربیت کنندہ وہ ہوتا ہے جو اس مفہوم کو شخصیت کے اندر راسخ کر دیتا ہے ——

(مثال کے طور پہ) ایک باپ اگر اپنے بیٹے کی (صحیح) تربیت کرنا چاہتا ہے تو اسے اس کی نگرانی بھی کرنی ہوگی اور یہ نگرانی جتنی اچھی ہوگی۔ تربیت کے نتائج بھی اتنے ہی بہتر ہوں گے ——

اسی طرح اگر وہ نگرانی میں کمی کرے تو اس کے نتائج بھی خراب نکلیں گے۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے والدین اپنی اولاد کی صحیح تربیت کرنے سے عاجز رہتے ہیں جس کی بنیادی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اولاد کی صحیح نگرانی نہیں کی گئی۔

"بیٹا" اگرچہ اپنے باپ کا فرزند ہے لیکن وہ اس معاشرے کا ایک جز بھی ہے جس میں زندگی گزار رہا ہے۔ لہٰذا اس پر اثر انداز بھی ہو سکتا ہے —— اس کے اثر کو قبول بھی کر سکتا ہے ——

کیونکہ جب افکار و خیالات کا تبادلہ ہوگا تو اخلاقی، اجتماعی، سیاسی، اقتصادی اور زندگی کے دیگر شعبوں میں اس معاشرے کے جو تصورات ہوں گے اس سے اس "بیٹے" کا متاثر ہونا لازمی ہے۔

کیونکہ جس طرح وہ اپنے باپ کے جسم کا ایک حصّہ ہے اسی طرح معاشرے کا بھی ایک جز ہے۔ خونی رشتہ ایک ابدی حقیقت ہے لیکن ماحول کا اثر اتنا زیادہ قوی ہے کہ اکثر و بیشتر بیٹے کی تربیت پر وہی حاوی ہو جاتا ہے۔ جس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

اگر ماحول خراب ہو تو اکثر والدین اپنے بیٹے کی صحیح تربیت کرنے سے قاصر رہتے ہیں اور کتنے ہی والدین کی زبان پر یہ شکوہ نظر آتا ہے کہ :

"ماحول نے ہمارے بچوں کو تباہ و برباد کر رکھا ہے "

یا یہ کہ ــــــــــــــ

"ہم لوگ بچوں کو اس ماحول سے کیسے بچائیں ــــــ؟"

اسی بنا پر یہ کہنا غلط نہیں ہے کہ :

انسان جس طرح اپنے ماں باپ کا ایک جزء ہے اسی طرح ماحول اور معاشرے کا بھی ایک حصّہ ہے !

کامل تربیت کا اسلوب

کسی شخص کی تربیت بھی اس وقت تک کامل انداز میں نہیں ہو سکتی جب تک کہ تربیت کرنے والے کی بھرپور نگرانی نہ ہو. تاکہ جس کی تربیت مقصود ہے اس کے لوگوں سے تعلقات ، نشست و برخاست اور رفتار و گفتار پر اس طرح نظر رکھی جائے کہ اس کی پوری شخصیت پر تربیت کنندہ حاوی ہو جائے۔

مثلاً بیٹے کے لیے اس کا باپ' اس کی شخصیت پر اس طرح اثر انداز ہو کہ وہ جو کچھ سیکھے باپ ہی سے سیکھے. (یا یہ کہ جس سے بھی سیکھے باپ کے چشم و ابرو کے اشارے کے مطابق سیکھے) ــــــــ

جب ہی باپ اسے اپنا نمونہ بنا سکتا ہے ــــــــــــــ

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انداز تربیت یہی تھا کہ وہ لوگوں کے تمام اجتماعی روابط پر نظر رکھتے تھے ، جس معاشرے کو آپ ایجاد کرنا چاہتے تھے اس

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

کی خود ہی نگرانی بھی فرماتے تھے،

اس معاشرے کے اندرونی روابط، لوگوں کے ایک دوسرے سے تعلقات اپنے پروردگار سے ان کے تقرب، گھر والوں سے ان کے رشتے اور بنی نوع انسان کے ساتھ ان کی وابستگی ——————

غرض یہ کہ تمام انفرادی و اجتماعی امور میں آپ کامل رہنمائی فرماتے تھے۔ اور اس لحاظ سے آپ کی رہبری میں تربیت کامل کے جملہ شرائط بھرپور طریقے سے موجود تھے ——

اگر آپؐ کی مدتِ حیات اور طولانی ہوتی، یا یہ کہ امتِ مسلمہ پیغمبرِ اسلام کے بعد انھیں لوگوں کے راستے پر چلتی جن کے لیے خود پیغمبر اکرمؐ نے ہدایت فرمائی تھی، یعنی حضرت علی اور اولادِ علیؑ کی رہنمائی کے مطابق زندگی گزارتی۔ تو آج عالم اسلام کی حالت کچھ اور ہی ہوتی۔

اور احادیث میں جو محیر العقول حالات اس وقت کے بارے میں نظر آتے ہیں جب حضرت قائم آلِ محمدؐ ظہور فرمائیں گے اور وہ امور جو معجزات و کرامات نظر آتے ہیں (جیسے ساری دنیا میں امن و امان قائم ہو جانا، کہیں ظلم و جور نہ ہونا وغیرہ) اور صرف آپ سے وابستہ قرار دیے جاتے ہیں۔ ان کا نقشہ ائمہ طاہرین علیہم السلام کی زندگی ہی میں نظر آجاتا۔ کیونکہ پورے معاشرے کو اسی انداز سے تربیت ملتی۔

(بعض اذہان میں یہ جو سوال پیدا ہوتا ہے کہ) کیا یہ ممکن ہے کہ انسانی معاشرے میں اس قدر باہمی تعاون پیدا ہو جائے اور لوگوں کی فکری و ذہنی سطح اتنی بلند ہو جائے کہ کوئی کسی پر نہ اعتراض کرے نہ تنقید (نہ کوئی کسی کا حق چھیننا چاہے نہ عدل کی حدود سے تجاوز کرے) ؟

احادیث میں مذکور ہے کہ حضرت قائم آلِ محمدؐ کے دورِ حکومت میں ایسا ہی ہوگا۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

اور یہ درحقیقت نتیجہ ہوگا اس اندازِ تربیت کا جو حضرت رسول خداؐ اور ان کے بعد حضرات ائمہ طاہرین علیہم السلام اپنانا چاہتے تھے۔ (لیکن جابر حکمرانوں نے انھیں ایسا کرنے نہ دیا) ورنہ اگر اسلامی معاشرے کی تربیت میں ایک کامل تربیت کے تینوں پہلو موجود ہوتے یعنی : ———

(۱) ——— تربیت کرنے والے (امام معصوم) کو پوری آزادی کے ساتھ کام کرنے دیا جاتا۔

(۲) ——— شریعت کے تمام قوانین کی مکمل پاسداری کی جاتی۔ اور

(۳) ——— امت مسلمہ جس کی تربیت کرنی تھی وہ مکمل اطاعت کرتی۔

تو ایک ایسی قوم دنیا کے سامنے ابھرتی جس کے کارنامے محیر العقول ہوتے لیکن افسوس! پیغمبرؐ کی وفات کے بعد ہر پہلو مجروح کر دیا گیا۔

حضرت پیغمبر اکرمؐ جو درحقیقت امتِ مسلمہ کے معمار اعظم تھے۔ ان کی رحلت (اور ان کے معصوم جانشین کو ان کے منصب سے محروم کرنے) کی وجہ سے ان تین پہلوؤں میں سے اہم ترین پہلو تو منہدم ہی ہوگیا۔ جس کے ساتھ وہ پورا سلسلہ منہدم ہوگیا جو ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام کی شکل میں نظر آتا ہے ———

اور اس ایک پہلو کا منہدم ہونا اتنا المناک تھا کہ باقی دونوں پہلو بھی اس کے ساتھ ہی منہدم ہو گئے (کیونکہ کسی عمارت کا اگر مرکزی ستون ہی گر جائے تو پوری عمارت ختم ہونے میں دیر نہیں لگتی)

پتہ نہیں اس وقت کے مسلمانوں کو[لے] کیا ہوگیا تھا کہ انھوں نے ان گہرائیوں

[لے] یہاں وہ مسلمان مقصود نہیں ہیں جنھوں نے اہلبیتؑ کا حق غصب کیا بلکہ وہ ناسمجھ مسلمان مراد ہیں جو وقت کے دھارے کے ساتھ بہہ گئے۔ (مترجم)

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

کو سمجھنے کی کوئی کوشش نہیں کی ———— !؟

شاید یہی کہنا چاہیئے کہ انھوں نے سمجھا ہی نہیں ۔ زیادہ سے زیادہ یہ خیال انھیں ہوا کہ خداوندِ عالم کے ایک حکم کو تبدیل کیا جارہا ہے کہ اس نے حضرت علیؑ کو رسول مقبولؐ کا خلیفہ مقرر کیا تھا ————

اور یہ لوگ " فلاں صاحب " کو معین کر رہے ہیں ! لیکن دین و مذہب کے باقی تمام پہلو محفوظ ہیں ۔ ———— نمازیں پڑھی جارہی ہیں ———— زکوٰۃ وصول کرکے فقراء کے درمیان تقسیم کی جارہی ہے ———— مسجدوں میں قرآن مجید کی تلاوت جاری ہے ———— ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر کے وقت نمازِ جماعت کا اہتمام بھی ہوتا ہے ———— خانۂ خدا کا حج کرنے کے لیے ہر سال ہزاروں اشخاص آتے ہیں ———— ممالک کی فتوحات بھی جاری ہیں ———— شہر پر شہر فتح ہو رہے ہیں ————

اس طرح گویا صرف ایک تبدیلی آئی ہے کہ حضرت علی علیہ السلام جو علم و معرفت اور صداقت و عدالت (نیز دیگر کمالات) میں " فلاں صاحب " سے افضل تھے ان کو منصب حکومت سے محروم کر دیا گیا اور خواہشاتِ نفسانی کے پیروکاروں اور سازشی اذہان نے ان کی جگہ کسی اور کو حاکم بنا دیا ۔ جیسا کہ ہم آگے چل کر بھی اس کا تذکرہ کریں گے ۔

(ہوسکتا ہے کہ دیہاتی اور کم فہم) مسلمانوں کے ذہنوں میں یہی رہا ہو ۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ مسئلہ اتنا مختصر نہیں تھا بلکہ حضرت علی علیہ السلام کو منصب اقتدار سے ہٹانا ، امت مسلمہ کی بدنصیبی کا نقطۂ آغاز تھا ۔ ان کو منصب سے محروم کرکے ایک ایسے شخص کو لانا جو غیر معصوم ہونے کے ساتھ ساتھ تمام شرائط قیادت و رہبری سے بھی خالی تھا ————

اور اگر برادران اہلسنت کے نقطۂ نظر سے بھی دیکھا جائے تب بھی اتنا تو

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

کہا ہی جاسکتا ہے کہ اس شخص کو نہ اس منصب کے تقاضوں کے لحاظ سے پروان چڑھایا گیا تھا نہ مامور کیا گیا تھا ——————

بلکہ ایک ایسا انسان جس کے ذہن میں ہر طرح کے افکار و خیالات ہو سکتے ہیں، جو نہ فکری اعتبار سے خطاء سے پاک تھا نہ عملی اعتبار سے، اسے امام معصوم کی جگہ اس منصب پر بٹھانا، جبکہ ابھی اکثر مسلمان، اسلامی تربیت کے بالکل ابتدائی مرحلے میں ہوں، کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔

غور کیجیے، کہ حضرت علی علیہ السلام کی جگہ جسے حکمران تسلیم کیا گیا وہ کون ہے ——؟

ایک ایسا شخص جو زمانہ قبل بعثت کے آثار کا حامل ہے۔ جاہلیت کے ماحول میں پروان چڑھا اور بوڑھا ہونے کے بعد حلقہ بگوش اسلام ہوا ——————

تو ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ اس کی شخصیت، مختلف افکار و تصورات کا مجموعہ ہو گی، اس طرح اگر اس کی شخصیت پر اسلامی افکار پچاس فیصد تک بھی اثر انداز ہوئے ہوں تو باقی پچاس فیصد حصہ تو غیر اسلامی تصورات کے زیر اثر رہا ہے۔ (کیونکہ اسی میں زندگی کا بیشتر حصہ گزرا ہے) ——————

تو اگر بالفرض برادران اہلسنت کے نقطۂ نظر کو سامنے رکھتے ہوئے پچاس فیصد حصہ کو اسلامی مان بھی لیا جائے تب بھی پچاس فیصد تو غیر اسلامی افکار سے متاثر ہے۔ جس کی وجہ سے انحراف پیدا ہو سکتا ہے ——————

ایسی صورت میں کون اس بات کا ضامن ہے جو انحراف سے روکے؟

کیا امت روک سکتی ہے ——؟

ظاہر ہے کہ امت خود ہی غیر تربیت یافتہ، اور خاطی انسانوں کا مجموعہ ہے تو وہ غیر معصوم حکمران کو غلطی سے کیونکر روک سکتی ہے؟

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

ہاں اگر حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک لمبے عرصے تک قوم کی بھرپور تربیت کا پرسکون عرصہ نصیب ہوتا ،

یا آپؐ کے بعد آپؐ کے معصوم جانشینوں کو زمامِ کار سنبھالنے کا موقع دیا گیا ہوتا تو مسلسل اور بھرپور تربیت کے نتیجے میں اس بات کا پورا امکان تھا کہ امت اجتماعی امور میں لغزش سے پاک ہو جاتی ۔ اور اس وقت وہ اس قابل ہو سکتی تھی کہ ـــــــــ اپنے سماجی و معاشرتی امور کی ذمہ داریوں کو خود ہی سنبھال لیتی ۔

لیکن جب صورت حال یہ ہو کہ قوم بھی لغزش سے پاک نہیں ہے ، اور رسول مقبولؐ کے بعد قیادت بھی غیر معصوم کے ہاتھ میں ہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہی نکلنا تھا کہ دینِ اسلام کے دیگر مبادی و احکام اور بنیادی نظریات بھی خطرات سے دوچار ہو جائیں اور اسلام کے اساسی مصادر ، قرآن و حدیث کی تدوین ، ترتیب ، تفسیر اور تشریح بھی اختلافات کی آماجگاہ بن جائے ۔

کیونکہ جس وقت حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رحلت فرمائی ہے اس وقت تک قرآن جمع نہیں ہوا تھا ۔ اور نہ مسلمانوں کا ابدی دستورِ حیات کتاب کی شکل میں اس طرح مرتب اور مدون موجود تھا کہ اس کا آغاز و اختتام معین ہو ۔ (بلکہ مختلف لوگوں کے پاس مختلف مسودے موجود تھے جنھیں بعد میں اکٹھا کیا گیا)

اسی طرح احادیث کا بھی کسی قسم کا کوئی مجموعہ کتابی شکل میں موجود نہیں تھا ۔ بلکہ جو کچھ لوگوں نے پیغمبرِ اسلام سے سُنا تھا وہ ان کے سینوں کے اندر محفوظ تھا ۔ (اور کافی عرصہ گزرنے کے بعد انھیں احادیث کے مجموعے کے طور پر کتابی شکل دی گئی)

اب سوچیے ! کہ ایسی حالت میں جب ایک غیر معصوم شخص کو لوگ اپنی مرضی سے اس منصب پر بٹھا دیں گے جس کے سامنے نہ قرآن کتابی شکل میں موجود ہو اور نہ حدیث کا کوئی مجموعہ موجود ہو ۔ تو وہ ان دونوں چیزوں سے استفادہ کیونکر کرے گا ۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

اور ان کی حفاظت کا فریضہ کیسے انجام دے گا، جبکہ وہ ان اہلبیتِ کرامؑ سے بھی کوئی فیض حاصل نہیں کر رہا ہے۔ جو معدنِ وحی و رسالت ہیں۔ اور جن کے پاس پیغمبرؐ کی ایک ایک بات پوری تشریح کے ساتھ موجود ہے!؟

مذکورہ حالات کا لازمی و منطقی نتیجہ یہی تھا کہ شریعت کے احکام اضمحلال اور اختلاف و انتشار کا شکار ہوں۔ اور اسلام کا نظریۂ حیات بھی رفتہ رفتہ اس قدر تبدیل ہو جائے کہ اس کی شکل بھی پہچانی نہ جا سکے۔ بلکہ ایک ایسی نئی شکل بن جائے جو زمانۂ جاہلیت کے تصورات سے بہت زیادہ مختلف اور ممتاز نہ نظر آئے۔

کیونکہ جب اسلام کے بنیادی مصادر، کتاب و سنت کے اساسی قوانین ہی عام مسلمانوں کی دسترس سے دور ہوں تو اگر ان کے خلاف معاندانہ روش نہ بھی اپنائی جائے تب بھی جو افکار و نظریات صرف کتابوں کے اندر موجود ہوں اور عملی زندگی میں حقیقی صورت میں جلوہ گر نہ ہوں وہ بقار اور ارتقار سے محروم رہیں گے۔

کیونکہ عام لوگ عقل و منطق سے اتنے متاثر نہیں ہوتے جتنے محسوس مشاہدات سے متاثر ہوتے ہیں، وہ اپنے اردگرد جو کچھ دیکھتے ہیں اسی کو اپناتے ہیں، کتاب پڑھ کر راہ حیات نہیں معین کرتے۔

پیغمبر اکرمؐ کی رحلت کے بعد جو حکومتیں قائم ہوئیں، انھوں نے جس طرز کو اختیار کیا اور جس انحراف کو اپنایا، عام لوگوں نے اسی کا مشاہدہ کیا، وہ انحراف اس حد تک آگے بڑھا کہ ——————

اسلام کے بدترین دشمن ابوسفیان اور بنی امیہ ہی شریعت کے سیاہ و سفید کے مالک بن گئے۔ تو اس دور میں عام مسلمانوں نے جو کچھ مشاہدہ کیا وہ انحراف، اور اس کی ترقی یافتہ شکلیں ہی تھیں۔

پھر وہ اس سے کیونکر متاثر نہ ہوتے جبکہ اس کے مدمقابل کوئی ایسا طرز حیات

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

بھی موجود نہ تھا جس تک ان کی رسائی ممکن ہو (کیونکہ اہل بیت کے در پر حاضر ہونا تو لوگوں کے لیے انتہائی سنگین جرم قرار دے دیا گیا تھا)

نتیجہ یہ ہوا کہ جب اسلام کے بنیادی افکار ——

—— عمل —— خارجی —— اور اجتماعی زندگی سے دور کر دیے گئے تو پھر وہ، اپنی طاقتِ مقاومت سے محروم ہو جانے کے سبب، اذہان و افکار سے بھی دور ہوتے چلے گئے۔

اور اس کے بعد تو بس یہی منزل باقی رہ جاتی ہے کہ خود امت کا فکری وجود ہی معدومی کا شکار ہو جائے ——

کیونکہ جب وہ دین کے بنیادی مصادر سے بھی دور ہے ——

اسلامی افکار کی شکل بھی اس کے سامنے اتنی بدل چکی ہے کہ پہچان نہ جائے ——

اور حکمرانوں کا انحراف بھی اس حد تک بڑھ چکا ہے کہ انھیں بس اپنی کرسی و حکومت کی فکر ہے ——

قوم کے اجتماعی مفادات نگاہوں سے اوجھل ہو چکے ہیں ——

تو اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ امت ظلم و ستم، فتنہ و فساد، اور باہمی جنگ و جدال کی آماجگاہ بن کر رہ جائے۔ کیونکہ صاحبان اقتدار جب اُس کے حقیقی مفاد اور اجتماعی مصالح کی حفاظت نہ کر سکیں تو وہ قوم بربادی و رسوائی کا شکار ہو کر رہ جائے گی۔ نہ اس کے اندر عزیمت رہے گی نہ احساس ذمہ داری باقی رہے گا۔ اور جب اسی انداز پر ایک لمبی مدت گزر جائے گی تو باہمی خلفشار میں اضافہ بھی ہو گا اور احساس و شعور کا خاتمہ بھی۔ اور کسی نہ کسی دن امت کا ابتدائی انحراف اس کی مکمل بربادی کا سبب بن جائے گا اور اگرچہ وہ نام کے اعتبار سے امت اسلامیہ ہی کہے جاتے ہوں مگر جب اسلامی افکار کے

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

بجائے دوسرے لادین نظریات کی آماجگاہ بن جائیں گے، اور دوسرے افکار و خیالات ان پر پوری طرح مسلط ہو جائیں گے۔ تو وہ کفر و لادینیت کے مقابلے میں کوئی مقاومت کرنے کے قابل نہ ہوں گے۔

پھر ملحدانہ خیالات ان پر اس طرح حاوی ہو جائیں گے کہ نہ شریعت کا تشخص باقی رہ سکے نہ امتِ مسلمہ کا وجود برقرار رہے۔

اور یہی وہ خطرناک نتائج ہیں جو سقیفہ کی کارروائی، اور قوم کے عمومی انحراف سے رونما ہونے والے تھے اور اسی لیے ہم اس دن کو تاریخ اسلام بلکہ دنیائے انسانیت کا سب سے تاریک اور اندوہ ناک دن سمجھتے ہیں۔ جس دن اس انحراف کی بنیاد رکھی گئی اور امت مسلمہ کو حضرت رسول اکرم کے مقرر کردہ راستے سے ہٹانے کی سازش کی گئی ــــ !!)

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

١٠

انحراف و اختلاف کی ابتدا

اور

اس کے نتائج

ہم چاہتے تھے کہ حضرات ائمہ کرامؑ کے دور، اہلبیت طاہرینؑ سے وابستہ مخلص افراد، اور اس زمانہ کے بیدار مغز مسلمانوں کی ان خدمات کا بھی محدود پیمانہ پر ذکر کریں جو انھوں نے اسلام کی حمایت میں انجام دیں اور حضرت رسول اکرمؐ کی وفات کے بعد رونما ہونے والے انحراف کے ردّ عمل کا بھی تذکرہ کریں۔

کیونکہ شریعت اسلامیہ کی تصریحات کے لحاظ سے قوانین اسلامی کے نفاذ میں ائمہ کرامؑ کا ایک معین مرتبہ اور مقرر فریضہ ہے جس کا تعلق دین اسلام اور اس اسلامی معاشرے کی حفاظت سے ہے ـــــــ ؛

جس کا نبیٔ اکرمؐ نے آغاز کیا تھا ـــــــ ؛

اور پھر ائمہ اثنا عشر علیہم السلام کو یکے بعد دیگرے اس کی حفاظت بھی کرنی تھی اور قیادت بھی۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

لیکن فی الحال ہم صرف نفاذِ قانون، اس کے دلائل اور مجوزات ہی کے

بارے میں گفتگو کرتے ہیں ———،

اور ائمہ کرام علیہم السلام کی زندگانی سے متعلق (قوم کے) عبرت انگیز پہلوؤں پر

بحث نہیں کرتے ———؛

اور یہ سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں کہ حضرات ائمہ کرامؑ کو جب اسلامی معاشرے

کی قیادت اور منصبِ حکومت سے محروم کر دیا گیا تو ———

اُن کا طرزِ حیات کیا تھا ——— ؟

کیونکہ یہ وہ پہلو ہے جو ہمارے موجودہ حالات پر بھی منطبق ہے اور اس

کی روشنی میں ہم یہ سمجھ سکتے ہیں کہ موجودہ مسائل اور اہداف کے لحاظ سے ہمارے تصورات

اور ہمارا اسلامی موقف کیا ہونا چاہیے۔

چنانچہ وہ فارمولا جسے میں گزشتہ چند ایام میں پیش کرتا رہا ہوں اسے از سرِ نو

چند مختصر کلمات میں پیش کرتا ہوں جس کے بعد اس کی تطبیق پر گفتگو کروں گا۔

❋

حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات حسرت آیات کے بعد اس نظامِ

شریعت کو بہت سخت انحراف کا سامنا کرنا پڑا جس کا اسلامی معاشرے اور امتِ مسلمہ کے لیے

پیغمبرِ اکرمؐ نے آغاز فرمایا تھا۔

یہ انحراف قوم کے اجتماعی نظام میں بھی پیدا ہوا اور اسلامی حکومت کے قومی و

سیاسی معاملات میں بھی۔ جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ تدریجاً وسیع تر اور عمیق تر

ہوتا چلا گیا ———!

کیونکہ انحراف اپنے ابتدائی مرحلہ میں ایک بیج کی حیثیت رکھتا ہے جو شگفتہ

ہوا اور اس سے ایک ننھا سا پودا نمودار ہوا ——— پھر یہ پودا وقت کے ساتھ

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

ساتھ بڑھتا جاتا ہے اور جیسے جیسے انحراف کا یہ پودا بڑھے گا ویسے ویسے اس میں وسعت و ہمہ گیری بھی پیدا ہوتی جائے گی یہاں تک کہ پوری قوم ہی اصلی روش سے ہٹ جائے، سیدھا راستہ باقی ہی نہ رہے، اور پھر زیادہ زمانہ گزرنے کے بعد ایک ایسی خطرناک منزل آجائے کہ اسلامی معاشرہ اور اسلامی حکومت ہر جہت اور ہر پہلو سے اختلاف و انتشار کی آماجگاہ بن جائے ــــــــ

جس کے بعد نہ قوم کے مفادات کا تحفظ ممکن ہو نہ دشمنوں کی یلغار کا دفاع۔ بلکہ ذہنی افلاس اس حد تک بڑھ جائے کہ امت کے چھوٹے چھوٹے مسائل اور شریعت کے بنیادی قوانین کا تحفظ بھی ممکن نہ رہے۔

جب انحراف ایک طرف وسعت پذیر ہوتا جا رہا ہو، دوسری طرف قوم کو انحطاط و زوال کا شکار بنا رہا ہو تو افکار و حوادث کے فطری نظام اور تسلسل کی روشنی میں یہ بات اچھی طرح سمجھی جا سکتی ہے کہ ایک طولانی مدت گزرنے کے بعد اسلامی حکومت، اسلامی معاشرہ اور وہ اسلامی تمدن جو معاشرے کو آگے بڑھانے کا ذمہ دار ہے سب مکمل انتشار کا شکار ہو جائیں گے ــــــــ

کیونکہ جب نظام شریعت باہمی اختلافات کا شکار ہو جائے اور اپنے بنیادی فرائض کی انجام دہی کے قابل نہ رہے، تو پھر وہ اپنی حفاظت بھی نہیں کر سکتا ــــــــ

اور تاریخ کے صفحات یہی بتاتے ہیں کہ اس نظام نے اپنی بقا و استمرار کی صلاحیت ہی ضائع کر دی اور امت بھی اس کی حفاظت سے قاصر ہے۔

کیونکہ اس نے نظام سے جو نیک تمنائیں وابستہ کر رکھی تھیں جب وہ پوری نہیں ہوئیں اور نہ یہ نظام اس کی آرزوؤں کی تکمیل کا سامان فراہم کر سکا، تو پھر امت کی زندگی کا اس سے حقیقی رابطہ بھی کیونکر برقرار رہ سکتا ہے ــــ؟

جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ نظام کمزور

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

ہوتے ہوتے، آخری مرحلے پر بالکل ہی بے اثر اور بے حیثیت ہو کر رہ جائے، کیونکہ
انحراف کو اگر پھلنے پھولنے کا موقع دیا جائے تو ـــــــ
اس کا یہی نتیجہ برآمد ہوتا ہے ـــــــ !

اسلامی حکومت کے بے اثر ہو جانے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اسلامی تمدن ختم ہو جائے اور معاشرے کی رہنمائی کی صلاحیت سے محروم ہو جائے،
اور جب اسلامی معاشرہ انتشار کا شکار ہو جائے، تو مسلمان تو باقی رہتے ہیں مگر دین کی حکمرانی معاشرے پر ختم ہو جاتی ہے۔
لیکن مسلمان قوم بھی اس طرح باقی رہتی ہے کہ انتشار و اضمحلال کا شکار ہو کر کسی بھی جارحیت کا مقابلہ کرنے سے قاصر ہو جاتی ہے۔
جیسا کہ خلافت عباسیہ کے آخری حکمران کے دور میں نظر آتا ہے کہ ـــــــ
جب تاتاریوں نے بغداد پر حملہ کر دیا تو مسلمان جو باہمی اختلاف و انتشار کا شکار تھے وہ کسی قسم کی مقاومت نہ کر سکے اور شکستِ فاش سے دوچار ہوئے۔
یہ حقیقت ہے کہ اگر امت باقی رہے لیکن اس کے فلسفۂ حیات کا عمل دخل اس کی نجی زندگی میں باقی نہ رہے تو وقت گزرنے کے ساتھ رفتہ رفتہ اس کا نظامِ حیات بھی انحطاط کا شکار ہو جائے گا۔ اور امت مسلمان رہتے ہوئے، اسلام کا کلمہ پڑھتے ہوئے اور دین کے بعض واجبات پر عمل کرتے ہوئے بھی بربادی کا نشانہ بن جائے گی۔
کیونکہ اس امت کو اس کامل دین کی صحیح اور مکمل رہنمائی صرف تھوڑے ہی دنوں حاصل رہی، یعنی وہ عرصہ جس میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم موجود تھے،
لیکن جب آپؐ کی رحلت کے ساتھ ہی امت نے انحراف کی راہ اختیار کی تو وہ اس نظامِ شریعت کی گہرائی کو کب سمجھ سکتی تھی۔ اور اس کی پائیداری و استحکام کے

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

سلسلے میں اپنی ذمہ داریوں کا ایسا شعور کیونکر پیدا کر سکتی تھی کہ اس نظام کو اتنا ٹھوس بنادے جس کے بعد نئی تہذیب اور افکارِ جدید کی جو طغیانیاں عالمِ اسلام پر حملہ آور ہونے والی تھیں، ان کا مقابلہ کر سکے ـــــــــــ

کیونکہ یہ طغیانیاں تو اس پورے نظام، اسلامی معاشرے، اور اسلام کی حکمرانی کو ختم کرنے کے لیے نئی تہذیب اور جدید ثقافت کے ایسے ہتھیاروں کے ساتھ میدان میں اتری ہیں جو اس امت مسلمہ پر اثر انداز ہو سکیں جس کے پاس اسلام کی کامل معرفت بھی موجود نہیں ہے۔

اور جب اس منحرف قوم کے انحراف کی انتہا یہ ہو کہ وہ اپنے مجد و کرامت کو خود ہی ختم کر دے ـــــــــــ

اپنی داستانِ عزیمت کو خود ہی مٹا دے، غلط قسم کے حکمرانوں کو اپنے آپ پر مسلط کر کے اپنے ہاتھ خود ہی شل کرے اور اپنی حقیقی روحانیت کی متاعِ گراں بہا لٹا دے۔ وہ نظام کی تباہی کے بعد اپنی ذات کو نہیں بچا سکتی۔ بلکہ جس طرح نظام تباہ ہوا، قوم بھی تباہ ہو جائے گی۔

کیونکہ جب کفار کی سرکش فوجیں طغیانیوں کے ساتھ داخل ہوں اور مسلمانوں کے باہمی انتشار و انحراف نے وہ شکل اختیار کر لی ہو کہ بے بسی سے ان فوجوں کے آگے ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہوں تو نہ وہ اپنے عقیدے و تفریعے کا تحفظ کر سکتے ہیں نہ قومیت کا ـــ جس کا لازمی نتیجہ یہ نظر آتا ہے کہ وہ امتِ مسلمہ جو میدانِ عمل میں ایک زندہ حقیقت تھی، تاریخ کا ایک حصہ بن جائے۔ اور نظامِ شریعت ایک قصۂ پارینہ کی شکل اختیار کر لے ـــــــــــ !

اگر حضرات ائمۂ طاہرین علیہم السلام کی مسلسل قربانیوں سے قطع نظر کرتے ہوئے مسلمانوں کے انحراف کو تاریخی تسلسل اور منطقی نتائج کی روشنی میں دیکھا جائے تو

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

یہی دکھائی دیتا ہے کہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد قوم نے انحراف کے جس پودے کی آبیاری کی وہ بتدریج بڑھا، تناور ہوا ـــــ اور ـــــ رفتہ رفتہ وسعت پیدا کرتا گیا جس کی وجہ سے نظامِ شریعت اضمحلال وانحطاط کا شکار ہوتا گیا۔

یہاں تک کہ وہ وقت بھی آیا کہ وہ نظامِ شریعت خود اپنے کو بچانے سے بھی قاصر ہو گیا اور امت بھی اس کی حفاظت کے قابل نہ رہی ـــــ!

اور جب ایسی صورت پیدا ہو جائے تو باہر سے اٹھنے والا کوئی بھی طوفان اسے شکست وریخت سے دوچار کر سکتا ہے۔ جس کے بعد قوم کی اجتماعی شکل تو باقی نہیں رہ سکتی، البتہ کچھ ایسے افرادِ بشر باقی رہ سکتے ہیں جو پژمردہ، مضمحل، آفت زدہ، بے شعور اور اپنے مقصدِ حیات اور فلسفۂ زندگی سے غافل ہوں۔

اور ظاہر ہے کہ ایسی قوم تاریخ کے صفحات پر زیادہ عرصے تک باقی نہیں رہتی بلکہ فلسفۂ حیات کے گم ہونے کے بعد وہ قوم بھی گم ہو جاتی ہے۔!!!

❋ ❋ ❋

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

۱۱

حضرات ائمہ طاہرین علیہم السلام کا طریقۂ کار

(اور فداکاریاں)

مسلمانوں کے عمومی انحراف کے زمانے میں حضرات ائمہ طاہرین علیہم السلام کے اسلوب عمل کو اختصار کے ساتھ دو نکتوں میں سمیٹا جا سکتا ہے:

۱۔ ائمہ طاہرینؑ نے زندگی بھر اس بات کی کوشش کی کہ نظام شریعت جس انحراف کا شکار ہوا ہے اسے دور کیا جائے اور اسے اس کے فطری راستے پر لایا جائے، اور اس مقصد کے لیے آپ حضراتؑ نے لمبی مدت تک لوگوں کو دینی تربیت دی اور اسلامی معاشرے کے لیے سازگار ماحول اور حالات پیدا کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ تاکہ جب بھی حالات مناسب ہوں اور انحراف ختم ہو، وہ نظام شریعت کو اس کے بنیادی تقاضوں کے مطابق چلا سکیں۔ جیسا کہ حضرت امیر المومنینؑ نے عہدۂ حکومت و خلافت قبول کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ:

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

"خداوندِ عالم کا یہ عہد و پیمان ہے کہ جب ناصر و مددگار
موجود ہوں (جن کے ذریعہ ظلم کو مٹایا جا سکے) تو پھر
ظلم کو برداشت نہیں کرنا چاہیے ......"[1]

اب جبکہ مددگار (ظاہری طور پر) موجود ہیں (مجھے ظلم کو مٹانے کے لیے اٹھنا چاہیے) ... اور اس لفظ "ناصر" کے مفہوم میں وہ تمام حالات و مواقع بھی شامل ہیں کہ جو انسان کو ھدف تک پہنچانے میں مددگار ہوں (جن کا کچھ ذکر سابق میں ہو چکا ہے کچھ بعد میں آئے گا) اور جو نظامِ شریعت کو اس کی فطری شکل اور کامل تصویر کے ساتھ رائج کرنے کی غرض سے امام معصومؑ کے لیے ضروری ہیں۔

(۲) —— جس دور میں یہ بالکل واضح تھا کہ ابھی ایسے حالات پیدا نہیں ہوئے ہیں کہ امام معصومؑ کے ہاتھ میں زمامِ اقتدار آسکے اور وہ نظامِ شریعت کو اس کے بنیادی تقاضوں کے مطابق چلا سکیں، اس وقت بھی جناب امیرؑ اور دیگر ائمہ کرام علیہم السلام (بالکل ہی لاتعلق نہیں ہو گئے تھے، بلکہ انھوں) نے امت کے شعور میں پیغامِ رسالت، اس کے افکار، اس کی روحانیت اور اس کی قیادت کا احساس بیدار رکھنے کی بھرپور کوشش کی، تاکہ امتِ مسلمہ کی صفوں میں، دین کی پاسبانی کا ایسا احساس موجود رہے جو اس کے تحفظ اور شریعت کو تباہی سے بچانے کے سلسلے میں موثر کردار ادا کر سکے —————— کیونکہ جب وفاتِ پیغمبرؐ کے بعد امتِ مسلمہ کو اس صحیح اور کامل قیادت سے محروم کر دیا گیا

---

[1] نقل بالمعنیٰ

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

جسے پیغمبرؐ نے حیات اسلامی کی بقا اور ارتقاء کے لیے منتخب کیا تھا
تو یہ بات نہایت ضروری ہو گئی کہ امت کی صحیح رہنمائی کے لیے
اسے صحیح طریقے سے ایمانی غذا فراہم کی جائے۔ جس سے اس کے روحانی
فکری، اجتماعی اور سیاسی پہلوؤں کی صحیح تربیت ہو سکے۔ اور اسلام کا
آفاقی نظامِ حیات ان کی شخصیت پر حاوی ہو سکے۔

ہماری اس گفتگو میں "امت" سے مقصود پوری امتِ مسلمہ نہیں ہے، کیونکہ پوری قوم کو ایمانی غذا فراہم کرنا اس وقت تک ممکن ہی نہیں جب تک زمامِ اقتدار اور منصب حکومت اپنے قبضہ میں نہ ہو۔

"امت کو ایمانی غذا فراہم کرنے" سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ ائمہ طاہرینؑ نے ایک گروہ (جو امت کو راہِ راست کی جانب رہنمائی کرنے والا ہراول دستہ ہو) کے اندر شریعت کے قوانین کو راسخ کرنے، ان کے دلوں میں دین کی روح پھونکنے، اور شریعت کے بارے میں احساسات کو بیدار رکھنے کی بھرپور کوشش فرمائی ——

اور اگرچہ حضرات ائمہ کرامؑ کو معلوم تھا کہ ان کے جس منصب کو چھینا جا چکا ہے وہ اس زمانے میں انھیں واپس ملنے والا نہیں ہے ——

لیکن اس کے باوجود انھوں نے امتِ مسلمہ کے مستقبل کو بچانے، تباہی سے محفوظ رکھنے، اور مکمل انتشار و انحطاط کے قبضہ میں جانے سے بچانے کے لیے مسلسل جدوجہد فرمائی تاکہ اس قوم کو ایک ایسا تحفظ مل جائے جو اس کی سالمیت کا امین ہو۔

جیسا کہ اس کی مزید تشریح آگے آرہی ہے لیکن سابق میں جو گفتگو کی جا چکی ہے اس کے خلاصہ کے طور پر مختصر الفاظ میں اس اسلوب کو ہم نے پیش کیا۔

کیونکہ انحراف تو آنحضرتؐ کی وفات کے فوراً بعد ہی ظاہر ہو گیا تھا، اور یہ انحراف درحقیقت بہت خطرناک (قومی، مذہبی) اور سیاسی انحراف تھا۔ اور اگرچہ ابتدائی

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

طور پر، یہ نظر آرہا تھا کہ بظاہر اسلام کے مختلف شعبوں میں سے صرف ایک شعبہ میں (پیغمبر اسلام کے مقصد کی) خلاف ورزی کی گئی ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ بہت سے (سادہ لوح دیہاتی) لوگوں نے یہ سمجھا ہو کہ ———

اس انحراف کے نتیجہ میں صرف یہ فرق ہوا ہے کہ پیغمبر اسلامؐ نے خداوند عالم کے حکم سے جس شخص کو اپنی جگہ منتخب کیا تھا اسے منصب حکومت سے محروم کر کے، اس کا حق غصب کر کے، ایک اور شخص کو اس کی جگہ بٹھا دیا گیا ہے ———

جو ممکن ہے کہ انھیں کے فرائض کو انجام دے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ ———

یہ انحراف، محض ایک ذات سے انحراف نہیں تھا، اور نہ اس کے نتائج کو معمولی سمجھنا چاہیے۔ کیونکہ جیسا کہ ہم نے اس کے قبل بھی عرض کیا۔

اسلام انسانی تربیت کا ایک الٰہی نظام ہے جو انسانیت کی تعمیر نو کے لیے دنیا میں بھیجا گیا۔ اور یہ تربیت اسی وقت مکمل ہو سکتی ہے جب معمار انسانیت معاشرہ کی پوری نگرانی کر سکے۔

لیکن اگر اس کے ہاتھ میں زمام اقتدار نہ ہو تو وہ نہ ہر پہلو سے نگرانی کر سکتا ہے اور نہ ایسی کامل تربیت دے سکتا ہے جو مردِ مسلمان کو دوسرے افراد اور زمانۂ قبل اسلام کے انسان سے مکمل طور پر منفرد اور ممتاز بنا دے۔

کیونکہ ایسی انفرادیت اور امتیاز پیدا کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ تربیت کنندہ کو اتنا اختیار حاصل ہو کہ وہ جس کی تربیت کرنا چاہتا ہے اس کی رفتار و گفتار، خداوند عالم کی بارگاہ میں اس کی مناجات، اہل خاندان کے ساتھ اس کے روابط، دوسرے لوگوں کے ساتھ اس کے تعلقات اور اجتماعی زندگی میں حصہ لینے والوں کے ساتھ اس کے رسم و راہ کی نگرانی کر سکے ———

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

کیونکہ اگر ان میں سے کسی ایک پہلو کو نظر انداز کر دیا تو وہ پہلو تربیت
نہ پا سکے گا اور چونکہ وہ بھی اسی انسان کا ایک حصہ ہے اس لیے نتیجہ یہ نکلے گا کہ ——
—— انسان کی تربیت مکمل نہ ہو سکے گی۔

کیونکہ انسان کا واسطہ ان تمام پہلوؤں سے بہر حال پڑتا ہے۔ لہٰذا سب
کی نگرانی بھی ضروری ہے۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے والدین اپنی اولاد کی صحیح تربیت سے اسی
لیے قاصر رہتے ہیں کہ اس کی زندگی کے تمام پہلوؤں کی خود نگرانی نہیں کر پاتے۔

بیٹا کچھ باتیں اپنے ہم جماعت لڑکوں سے سیکھتا ہے —— کچھ اپنے
مختلف قسم کے اساتذہ سے، —— کچھ محلے کے ساتھیوں سے ——
کچھ اس معاشرے کے افراد سے جن سے اس کا کبھی کبھی ملنا ہوتا ہے —— اور کچھ
اس ماحول سے جس سے اسے روزانہ سابقہ پڑتا ہے ——

اور یہ تمام باتیں ایسی ہیں جو اس کی تربیت کے سلسلے میں بھرپور اثر ڈالتی ہیں۔

اس لیے کسی انسان کی مکمل تربیت تو اسی وقت ممکن ہے جب ان تمام پہلوؤں کو پیش نظر رکھا
جائے اور ہر پہلو کے لیے واضح ہدایت دے کر ان پر پوری طرح عمل کا پابند بنایا جائے۔
جس کے بعد ہی یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ ——

وہ ایک بہتر انسان بنے گا —— !

یہی وجہ ہے کہ دین اسلام نے بنی نوع انسان کی زندگی کے تمام معاملات کی نگرانی
کو اپنا بنیادی فرض قرار دیا ہے۔ جس میں اس کے اجتماعی معاملات کو سرِ فہرست رکھا گیا ہے
کیونکہ اسلام کے مبادی و احکام، اور اعلیٰ مثالوں کے لیے اسے بنیادی حیثیت حاصل ہے

اسی لیے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے بہت ضروری تھا کہ
آپؐ مسلمانوں کے جملہ معاملات کی پوری نگرانی فرماتے اور ہر مرحلے کے لیے واضح ہدایات نافذ فرماتے۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

وہ صرف کسی مسجد کے واعظ ـــــ یا ـــــ محض کسی درسگاہ کے
اُستاد تو تھے نہیں ـــــــ ،
بلکہ بیک وقت مسجد کے واعظ بھی تھے ـــــ عالمی درسگاہ کے
استادِ عالیقدر بھی تھے ـــــ معاشرے کے نگرانِ اعلیٰ بھی تھے ـــــ تمام
بنی نوعِ انسان کے حاکم و فرمانروا بھی تھے ـــــ انسانی زندگی کے جتنے شعبے ہو
سکتے ہیں سب کے پاسبان بھی تھے ـــــ عالمِ انسانیت کے لیے مقنن قوانین بھی
تھے ـــــ اور تمام انسانی برادری کو نظم و ضبط کے دائرہ میں رکھنے کے ذمہ دار و امین بھی!!
اور چونکہ دینِ اسلام، انسانی زندگی کے ان تمام پہلوؤں کو ٹھوس
بنیادوں پر مستحکم کرنا چاہتا ہے اس لیے نبیٔ اکرمؐ ان تمام پہلوؤں کے نگرانِ اعلیٰ تھے (اور
آپؐ کا یہ فرض تھا کہ آپؐ دنیا سے رخصت ہونے سے پہلے یہ واضح کردیں کہ آپؐ کے بعد
بنی نوع انسان کا رہنما و پاسبان کون ہوگا ـــــ اور اس فرض کو آپؐ نے غدیرِ خم
کے موقع پر لاکھوں کے مجمع میں ادا کیا)۔

اب اگر آپؐ کی کوئی حدیث ایسی ملتی ہے جس میں یہ کہا گیا ہو کہ:

"من مات ولم یعرف امام زمانه
مات میتة جاهلیة"

(جو شخص اس حالت میں مرے کہ وہ اپنے زمانہ کے امامؑ
کو نہ پہچانتا ہو، وہ جاہلیت کی موت مرا)

تو اس میں کوئی قابلِ تعجب بات نہیں ہے کیونکہ (پیغمبرؐ کے بعد) امامؑ
اور رہنمائے کائنات سے رابطہ رکھنا، بنی نوعِ انسان کی صحیح تربیت کے لیے انتہائی
ضروری ہے ـــــــ!
اور امتِ مسلمہ کی اجتماعی زندگی کی بقا، اسلامی انقلاب کی کامیابی اور

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

فرد واجتماع نیز قوم کی ایسی تربیت کے لیے جو منشائے پروردگار کے عین مطابق ہو۔ ایک امام اور رہنما کا وجود لازمی ہے۔

اور اس بنا پر ہم سمجھ سکتے ہیں کہ اسلامی معاشرے کی قیادت و رہنمائی کے سلسلہ میں جو انحراف بھی رونما ہوگا، وہ درحقیقت پورے نظام کی بربادی کا پیش خیمہ ثابت ہوگا۔ کیونکہ اس انحراف کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ معاشرے پر اسلامی اقدار کی بالادستی ختم ہو جائے۔

اور اگر معاشرے پر اسلام کی بالادستی ختم ہو جائے تو انسانی زندگی کے بہت سے پہلو، دین کی نگرانی و پاسبانی سے دور ہو جائیں گے۔ اور چونکہ انسانی زندگی کے تمام پہلو ایک دوسرے سے مربوط وہم آہنگ ہیں، اس لیے انجام کار کے طور پر پوری انسانی زندگی سے اسلام کی بالادستی ختم ہو جائے گی۔

اسی بنا پر ہم نے اس بات کو بار بار دہرایا ہے کہ پیغمبر اسلامؐ کی رحلت کے بعد جو انحراف ظاہر ہوا اس کا منطقی نتیجہ محض یہ نہیں تھا کہ ایک انسان کی بجائے دوسرے انسان کو حاکم بنا لیا گیا۔

بلکہ یہ درحقیقت پورے نظام شریعت میں تبدیلی کا باعث بنا جس کی وجہ سے بنی نوع انسان کی ویسی تربیت ممکن نہ رہی جیسی خدا اور اس کے رسولؐ چاہتے تھے اس لحاظ سے دیکھا جائے تو اس انحراف نے پورے عالم انسانیت کو ابدی نقصان پہنچایا۔

اس انحراف کی بظاہر ابتدائی شکل تو یہ تھی کہ اصحاب رسولؐ میں سے ایک گروہ نے رسولؐ کی وفات کے بعد حضرت علیؑ کو منصب حکومت پر نہ بیٹھنے دیا ——————

بلکہ حضرت ابوبکر و عمر و عثمان یکے بعد دیگرے منصب حکومت پر بیٹھے، ——

ان حضرات کے بارے میں شیعوں کا جو مخصوص نقطۂ نظر ہے، اس پر ہم فی الحال گفتگو نہیں کرتے۔ شیعہ حضرات ان لوگوں کے بارے میں جو رائے رکھتے ہیں وہ متفقہ ہے

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

اور ان میں آپس میں اس کے بارے میں کوئی اختلاف بھی نہیں ہے۔

لیکن اس وقت ہم اس نقطۂ نظر سے دیکھنے کے بجائے، اس مسئلہ کو عام سطحی نگاہ سے دیکھتے ہیں تب بھی یہ بات واضح ہے کہ امت مسلمہ کے درمیان انحراف و اختلاف کا نقطۂ آغاز یہی ہے۔

اسی کے سبب خود مسلمانوں کے درمیان، اندرونی سطح پر، حق و باطل کی معرکہ آرائی ہوئی ——— اسی کے سبب نظامِ شریعت میں باطل کو اثر و رسوخ پیدا کرنے کا موقع ملا اور اسی کے سبب باطل کے دائرۂ اثر کو پھیلنے اور پنپنے کا موقع ملا۔ جس کی متعدد وجوہ ہیں:

(۱) ——— وہ صحابہ جنھوں نے وفاتِ پیغمبرؐ کے بعد اقتدار سنبھالا، اگر ان کے بارے میں شیعہ نقطۂ نظر سے ہٹ کر بھی سوچا جائے تو تاریخ کی گواہی یہی ہے کہ ان لوگوں کی زندگی کا بیشتر حصہ زمانۂ جاہلیت میں کفر و شرک میں گزرا۔ جو ان کے افکار و خیالات، گفتار، کردار، احساسات، اہداف اور نظریات کا محور تھا۔

طلوعِ اسلام سے قبل ان کی زندگی دورِ جاہلیت کا بھرپور نمونہ تھی بعد میں یہ لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوئے،

یہاں ایک بار پھر ہم اس تفصیل میں نہیں جاتے کہ ان لوگوں کے اسلام لانے کی کیا کیفیت تھی، اور یہ فرض کر لیتے ہیں کہ یہ لوگ اسلام لانے کے بعد پیغمبر اسلامؐ کے ساتھ خوب رہے، لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ زمانۂ جاہلیت کا پورا پورا اثر ان کے اندر موجود تھا۔ کیونکہ پیغمبر اسلامؐ کے ساتھ رہنے، اور آپؐ سے قربت کے دعوے کے باوجود یہ لوگ مختلف مواقع پر زمانۂ جاہلیت کے رسوم و آداب کا

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

اظہار کرتے رہتے تھے،

مثال کے طور پر خلیفہ ثانی کی طرف سے حج و عمرہ کے درمیان احرام کھولنے کی ممانعت!

یہ واضح بات ہے کہ "حج" عبادات میں سے ایک اہم رکن ہے جس کا دنیاوی مفادات سے کوئی تعلق نہیں۔ اس لیے انسان اپنی دنیاوی عقل سے یہ طے نہیں کر سکتا کہ عمرہ کا احرام باندھنے کے بعد حج کرنے تک ایک ہی احرام میں رہنا بہتر ہے، یا یہ کہ عمرہ کرنے کے بعد احرام کھولنا اور حج کے لیے دوبارہ احرام باندھنا افضل ہے۔ (خدا و رسولؐ ہی بہتر جانتے ہیں کہ کون سی صورت بہتر ہے)

لیکن جناب خلیفہ ثانی نے حکم نافذ کر دیا کہ کوئی شخص بھی عمرہ کرنے کے بعد احرام نہ کھولے، بلکہ حج کرنے تک اسی حالت میں رہے، جس کی وجہ یہی نظر آتی ہے کہ موصوف زمانۂ جاہلیت کے رسم و رواج سے زیادہ متاثر تھے اور اسلام سے قبل یہی دستور تھا کہ عمرہ کرنے کے بعد حج کرنے تک احرام نہیں کھولا جاتا تھا۔

یہ دستور آپ کے دل میں اتنا راسخ تھا کہ آپ نے اپنے عہد حکومت میں پیغمبر اسلام کی ہدایت کی صریح خلاف ورزی کرتے ہوئے، اسی دستور کو رائج کرنے کا حکم دیا۔

اور اس قسم کی مثالیں بہت ہیں ——————

اگر ہم یہ نہ بھی کہنا چاہیں کہ ان لوگوں کے باطن میں کفر چھپا ہوا تھا۔ جیسا کہ ہم نے گزشتہ صفحات میں وعدہ کیا ہے کہ اس موضوع پر کچھ نہیں کہیں گے۔ اور برادران اہلسنت کے نقطۂ نگاہ ہی سے انھیں دیکھیں،

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

تب بھی یہ بات واضح ہے کہ جس جاہلیت کے ماحول میں ان لوگوں کی زندگی کا کم از کم ۳۰ فیصد، ۴۰ فیصد یا ۵۰ فیصد حصہ گزرا تھا وہ ان کے احساسات پر غالب تھی ......

اسی طرح سقیفہ کی کارروائی کے موقع پر صحابہ کی زبان پر جو یہ جملہ نظر آتا ہے کہ "...محمدؐ کی سلطنت کے بارے میں کون ہم سے جھگڑا کر سکتا ہے؟" ......

گویا آنحضرتؐ بھی ایک قبیلے کے سردار تھے جن کی سرداری کو باقی سرداروں نے قبول کیا ہوا تھا۔ اب جبکہ وہ دنیا سے رخصت ہو گئے تو دوسرے سرداران کی حکومت سنبھالیں گے۔

"ان کی سلطنت کے بارے میں کون جھگڑا کر سکتا ہے؟" یہ انداز فکر بھی زمانۂ جاہلیت ہی کا ہے۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ ..... صحابہ کی زندگی کی تمام مصروفیات میں زمانہ جاہلیت کا اثر غالب رہتا تھا، نہیں بعض اوقات وہ لوگ اس سے منزہ بھی رہتے تھے اور اسلامی طرز فکر غالب رہتا تھا لیکن چونکہ وہ اسی ماحول میں پروان چڑھے تھے، اس لیے اس کے اثرات موجود تھے۔ جس کا پرتو ان کی سیاسی و اجتماعی زندگی میں نظر آتا رہتا تھا، اور یہ بات نمایاں ہو جاتی تھی کہ زمانۂ قبل اسلام کی ہر بات ان کے دل و دماغ سے پوری طرح محو نہیں ہوتی ہے۔ بلکہ محسوس طریقہ پر ان کے اندر راسخ ہے جو گاہے بگاہے اپنی جلوہ سامانی دکھاتی رہتی ہے۔ اور جب یہی حضرات نظام شریعت کے نگہبان و پاسبان بن جائیں تو ان افکار و احساسات کے ساتھ جو حکمرانی ہوگی

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

اس میں ۳۰، ۴۰ یا ۵۰ فیصد زمانۂ جاہلیت کے رسم و رواج کا اثر بھی ہو سکتا ہے، جس کا منطقی نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ نظامِ شریعت جو زمانۂ جاہلیت کے آثار کو بیخ و بُن سے ختم کرنے آیا تھا اور پرانے رسم و رواج کو مٹا کر ایک نئے انسان کی تعمیر کرنا چاہتا تھا۔ اس کے قوانین پر بھی زمانۂ جاہلیت کی چھاپ لگ جائے۔ اور وہ شریک حکم بن جائے۔

۲ زمانہ جاہلیت کے باقیات سے قطع نظر بھی اگر کر لیا جائے تو یہ حضرات وہ ہیں جنھیں نظامِ شریعت چلانے کی کوئی تربیت ملی ہی نہیں تھی۔ اسلامی حکومت کو جنگ و جدال کا سامنا تھا، ایک طرف مشرکین حملہ آور تھے، تو دوسری طرف یہودی نبرد آزما تھے اور تیسری طرف دیگر عرب قبائل اسلام کے مدِ مقابل تھے۔

اس لیے پیغمبر اسلامؐ کے ساتھی زیادہ تر ان ہی حالات سے دوچار رہے اور اسلامی حکومت کی سیاسی و فوجی مشکلات پر قابو پانے کی کوشش کرتے رہے، ان حالات میں ان کے لیے ہر وقت جس بات کی فکر ہونی چاہیے تھی وہ اس حکومت کی حمایت و نصرت اور دشمن کی جارحیت کا دفاع تھا۔ کیونکہ پیغمبر اسلامؐ کو ایک مختصر سے عرصے میں بیسیوں جنگوں میں حصہ لینا پڑا۔

کبھی خونریزی کی نوبت آئی، کبھی نہیں آئی۔ لیکن پریشان کن حالات تقریباً ہمیشہ ہی رہے اور ہر طرف سے مشرکین و منافقین کی یورش رہی جس کا آپؐ کو مقابلہ کرنا پڑا۔ ان جنگوں کے بعد پیغمبر اسلامؐ کو

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

اتنا وقت ہی نہیں ملا کہ وہ تمام کلمہ گو حضرات کی مکمل تربیت کے فریضہ کو انجام دے سکتے۔ یقیناً آپ کی خواہش اور کوشش یہی تھی کہ ایک ایسی قوم تیار ہو جائے جو شعور و ادراک کی بیداری سے مالامال ہو، لیکن ظاہر ہے کہ آپؐ ان لوگوں کی تربیت اس نہج پر نہیں کر رہے تھے کہ یہی لوگ آپؐ کے منصب کو سنبھال لیں۔

چنانچہ خلیفۂ ثانی کے حالات میں یہ بات نمایاں ہے کہ جب وہ کسی مسئلہ میں فتویٰ بیان کرنے سے عاجز رہتے تھے تو کہا کرتے تھے کہ:

"رسول خداؐ کے زمانہ میں اتنی زیادہ مصروفیات تھیں کہ ہم لوگ یہ احکام سیکھ ہی نہیں سکے"

تو جب موصوف خود ہی اعتراف فرما رہے ہیں کہ "مصروفیات کی وجہ سے احکامِ شریعت نہ سیکھ سکے" تو انھیں اسلام کے طرزِ جہانبانی اور اس کے عسکری اور تدبیرِ مملکت کے رموز کہاں سے حاصل ہو سکتے تھے۔

اور یہ تاریخی حقیقت ہے کہ پہلے اور دوسرے خلیفہ سیدھے سادے شرعی احکام کے حدود اربعہ سے بھی قاصر رہا کرتے تھے۔ کیونکہ وہ اس کی تعلیم نہیں حاصل کر سکے تھے۔

اسی سلسلہ کی ایک اور مثال جو میں نے سابق میں بھی کبھی ذکر کی تھی[1] کہ حضرت رسولِ خداؐ نمازِ میت تو تمام مسلمانوں کے سامنے پڑھا کرتے تھے، اور تقریباً روزانہ ہی اس کی ضرورت پیش آتی تھی، (بعض اوقات

---

[1]: صاحبِ کتاب حضرت شہید صدر مرحوم کا اشارہ اپنی بعض تقریروں کی طرف ہے جو وہ اپنے حلقۂ درس میں فرمایا کرتے تھے۔ (مترجم)

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

روزانہ (اور بعض اوقات) مہینے میں کئی بار مسلمان دنیا سے رخصت ہوتے تھے جن کی نمازِ جنازہ آپؐ پڑھا کرتے تھے لیکن اس کے باوجود مسلمانوں میں، اور خود ان لوگوں میں جنھوں نے پیغمبرؐ کے بعد زمامِ اقتدار سنبھالی، یہ اختلاف رہا کہ پیغمبرِ اسلامؐ نمازِ میت میں کتنی تکبیریں کہتے تھے،

اس کا مطلب یہی تو ہے کہ یہ لوگ بس پیغمبرؐ کا ساتھ دیا کرتے تھے جب پیغمبرؐ نے ہاتھ اٹھایا تو انھوں نے بھی اٹھا دیا اور انھیں یہ شعور و احساس بھی نہیں ہوتا تھا کہ پیغمبرؐ نے کتنی مرتبہ تکبیر کہی، یہ پہلی تکبیر ہے یا دوسری —— ؟ تیسری ہے یا چوتھی —— ؟ تاکہ انھیں یہ یاد رہتا کہ نمازِ میت میں ۴ تکبیریں ہوتی ہیں یا ۵ ؟

تو جن مسلمانوں نے پیغمبرِ اسلامؐ کے ساتھ ساری زندگی (نہ جانے کتنے جنازوں میں شرکت کی ہو اور) نمازِ جنازہ پڑھی ہو، اس کے باوجود انھیں یہ یاد نہ ہو کہ آنحضرتؐ نمازِ میت میں چار تکبیریں کہتے تھے یا پانچ ؟ ان کے بارے میں یہ توقع کیسے کی جا سکتی ہے کہ وہ پورے نظامِ شریعت کی ذمہ داریوں کو سنبھال سکیں ! ؟

❋

(۳) —— اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہدِ حیات میں زندگی گزارنے ہی سے دینی قیادت سنبھالنے کی پوری صلاحیت پیدا ہو سکتی ہے تب بھی یہ تو تسلیم کرنا ہی پڑے گا کہ آنحضرتؐ کی حیاتِ طیبہ اور اس کے بعد کے عہد میں بہت بڑا فرق (خود آنحضرتؐ جیسی شخصیت کے ظاہری طور پر موجود ہونے اور نہ ہونے کا) ہے۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

اسی کے ساتھ یہ بھی پیش نظر رکھنا چاہیے کہ آپؐ کی رحلت کے بعد بہت بڑی سماجی و سیاسی تبدیلی یہ بھی پیدا ہوئی کہ (فتوحات کے نتیجہ میں) عالمِ اسلام کے جغرافیائی حدود پھیلنے لگے، اور اگرچہ آنحضرتؐ نے اپنی زندگی ہی میں دنیا بھر کے حکمرانوں، کسریٰ و قیصر جیسے بادشاہوں اور حبشہ وغیرہ کے سلاطین کو اسلام کی دعوت دی تھی اور آپ تمام بنی نوع انسان کو دین اسلام قبول کرنے کی دعوت دے رہے تھے۔ کیونکہ اسلام میں نہ طبقات کی کوئی گنجائش ہے نہ ایک قومیت کو دوسری قومیت پر (تقویٰ کے بغیر) کوئی امتیاز حاصل ہے لیکن جن لوگوں نے آپؐ کی دعوت پر لبیک کہی اور حلقہ بگوش اسلام ہوئے وہ جزیرہ نمائے عرب کی حدود میں ہی رہتے تھے جن کے اندر دین و مذہب کی بنیاد پر عالمی اخوت کے جذبات واحساسات بھی موجود تھے۔ اور حضورِ اکرمؐ ایک ایسا ہی معاشرہ ایجاد کرنا چاہتے تھے جس میں عرب، فارسی، ترکی، ہندی اور دوسری قومیتوں کی کوئی تفریق نہ ہو اور ظاہر ہے کہ یہ ایک مشکل لیکن نہایت ضروری مہم تھی اور پیغمبر اسلامؐ کی رحلت کے بعد جب فتوحات شروع ہوئیں تو وہ حالات یکسر تبدیل ہو گئے جو آنحضرتؐ کی زندگی میں تھے۔ اسلام کے طرز جہانبانی اور پوری دنیا کو رشتۂ اخوت میں منسلک رکھنے کی مہم کا تقاضہ یہ تھا کہ زمامِ اقتدار ان لوگوں کے ہاتھوں میں ہوتی جن کے افکار و خیالات اور نظریات واحساسات صد فیصد اسلامی ہوتے اور جن کی زندگی میں زمانۂ جاہلیت کے افکار و خیالات اور جذبات واحساسات کا کوئی شائبہ بھی نہ ہوتا۔ لیکن

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

حضرت رسولِ خدا کی رحلت کے بعد منصبِ اقتدار پر بیٹھنے والے... حضرات ایک عالمی برادری ایجاد کرنے کی قطعی ذمہ داریوں کی اساس بنیاد ثابت نہیں ہو سکتے تھے۔

یہی وجہ ہے کہ آج تک پورے عالمِ اسلام کے اندر وہ عالمگیر طرزِ فکر نہیں پیدا ہوا کہ جس کی روشنی میں تمام انسان اس طرح برابر نظر آئیں جیسے کنگھی کے دندانے برابر ہوتے ہیں، جہاں عربی و عجمی کا فرق اور اس قسم کے دوسرے تمام امتیازات مٹ جائیں۔

اس تعلیم کو ان لوگوں نے حضرت رسولِ خدا سے سنا ضرور تھا لیکن عملی طور سے عرب و عجم کو اکٹھا زندگی گزارتے دیکھا نہیں تھا "تاکہ اس خاکہ کو بعد کے مراحل میں نظامِ شریعت میں جلوہ گر کرنے کی نوبت آتی۔ بلکہ اس کے برخلاف ان لوگوں کے لاشعور میں ابھی زمانۂ ماقبل کے کچھ ایسے افکار و خیالات موجود تھے جو عالمگیر طرزِ فکر پیدا ہونے میں رکاوٹ بنتے تھے۔

ہو سکتا ہے کہ کسی مرحلہ پر یہ رکاوٹ معمولی ہی رہی ہو لیکن بسا اوقات اس نے بہت شر پھیلایا اور بہت بڑی بڑی بلائیں نازل کیں جس کے تاریخ کے صفحات پر بکثرت شواہد موجود ہیں۔

مثال کے طور پر: ——————

عراق میں جو عرب انصار آئے ہوئے تھے انھیں خلیفۂ دوم نے جزیہ کی پابندی سے معاف کر دیا جبکہ وہ لوگ جو پہلے سے وہاں موجود تھے انھیں جزیہ دینا ہوتا تھا۔ چنانچہ ان مقامی لوگوں نے احتجاج کیا کہ ہم بھی عرب ہیں، ہم سے کیوں جزیہ لیا جا رہا ہے؟ اس میں

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

ہماری توہین ہے۔

ان کے احتجاج پر خلیفہ نے حکم دیا کہ جزیہ نہیں دیتے تو زکوٰۃ دیں۔ اور اپنے کارندوں کو حکم دیا کہ ان سے زکوٰۃ وصول کریں۔ زکوٰۃ اور جزیہ میں مالی اعتبار سے زیادہ فرق نہیں ہے۔ اور زکوٰۃ کے طور پر جو مال دیا جاتا ہے وہ جزیہ سے کوئی کم نہیں ہوتا۔ بس اس میں فارمولے کا فرق ہے کہ زکوٰۃ مسلمانوں سے لی جاتی ہے اور جزیہ غیر مسلموں سے۔

اس لیے عراق کے مسلمانوں پر جب جزیہ لگایا گیا تو ان لوگوں نے اسے اپنی توہین سمجھا، جس پر احتجاج ہوا اور خلیفۂ وقت نے حکم نافذ کیا کہ ان لوگوں سے جزیہ کے عوض زکوٰۃ لی جائے۔

یہ بظاہر ایک مختصری مثال ہے اور اس قانون سے انصار کے صرف ایک خاندان کو فائدہ پہنچا تھا، لیکن درحقیقت بُری مثال قائم ہوگئی جس کے بہت خطرناک نتائج برآمد ہوئے۔ قومیت و علاقائیت کی ایک ایسی بُری رسم پڑ گئی جس نے اسلام کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا اور عالمِ اسلام کے اندر عربی قومیت، فارسی قومیت، ترکی قومیت، ہندی قومیت اور دوسری قومیتوں نے اس طرح سر اٹھایا کہ دینِ اسلام کی آفاقیت کو تہ و بالا کر دیا۔

مذکورہ بالا مثال کو پیش کرنے کا مقصد صرف یہ واضح کرنا ہے کہ ایک عالمی معاشرہ ایجاد کرنے (اور اسلام کی عالمگیر تحریک کو عام کرنے) کے لیے جس اعلیٰ قیادت اور ذوقِ سلیم کی ضرورت ہے، وہ ان "حضرات" میں موجود نہ تھا جن کے ہاتھوں میں اقتدار تھا۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

(۲) ان لوگوں کے لاشعور میں یہ بات بھی پوشیدہ تھی کہ ان لوگوں نے زیادتی کی ہے۔ جب ان لوگوں کو یہ احساس ہوتا ہوگا کہ انھوں نے حضرت علیؑ پر ظلم کیا ہے، ان کا حق غصب کیا ہے اور پیغمبر اسلامؐ کے انتخاب کو پسِ پشت ڈالا ہے تو یہ احساسِ جرم بھی پاؤں میں زنجیریں ڈال سکتا ہے، لیکن اغلب یہ ہے کہ انھیں ایسا کوئی احساسِ جرم نہیں ہوگا کہ وہ دین کو نقصان پہنچا رہے ہیں اور اسلام کے وجود کو خطرہ میں ڈال رہے ہیں،

کیونکہ ایسی باریک بینی، واقعات پر ایسی گہری نظر اور تاریخی تسلسل کے منطقی نتائج کا ان لوگوں کو اتنا شعور نہیں تھا کہ وہ یہ اندازہ کر سکیں کہ (ان کے موجودہ انحراف کے منطقی نتیجہ کے طور پر) وفاتِ رسولؐ کے پچاس برس بعد ایک ایسا شخص جو خود کو خلیفۂ رسول کہلواتا ہوا اپنے گھر، دربار اور محل میں علانیہ شراب نوشی کرنے لگے گا.......

اگر ابتدائی مسلمانوں اور صحابیوں کو حالات کی سنگینی کا اتنا احساس نہ بھی ہو تب بھی یہ احساس تو ہونا ہی چاہیے کہ انھوں نے حضرت علیؑ کا حق غصب کیا ہے اور حضرت رسولِ مقبولؐ نے ان کو جو منصب عطا کیا تھا اس سے محروم کر دیا ہے،

چنانچہ "عذرِ گناہ" کے طور پر بعض اوقات وہ لوگ ایسی بات کہتے تھے جو احساسِ جرم کی نشان دہی کرتی تھی، مثال کے طور پر:۔

حضرت عمر فرمایا کرتے تھے:

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

"حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوشش تو یہی تھی کہ حضرت علیؑ کو اپنا جانشین بنائیں مگر میں نے احتیاطاً ایسا نہیں ہونے دیا۔"

مذکورہ بالا جملہ اگر ایک طرف ان لوگوں کے احساسِ جرم کو آشکار کرتا ہے تو دوسری طرف اس خطرناک روش کی بھی نشاندہی کرتا ہے کہ یہ لوگ پیغمبرِ اسلامؐ کی کوششوں میں رکاوٹ ڈالتے تھے..... اور جب ایک دفعہ انھوں نے قوم کے سامنے یہ اعتراف کر لیا کہ انھوں نے خود ہی کوشش کی کہ پیغمبرؐ کا منشا پورا نہ ہو تو پھر مزید جرأت وبے باکی کا دروازہ بھی کھل گیا۔ اور پھر موصوف کو یہ کہنے میں بھی کوئی جھجک نہیں رہی کہ:

"متعتان کانتا علی عہد رسول اللہؐ وانا احرمہما واعاقب علیہما۔"

(دو متعے پیغمبرؐ کے زمانہ میں جائز تھے۔ میں دونوں کو حرام قرار دیتا ہوں اور دونوں پر سزا دوں گا)[1]

پیغمبرِ اسلام کی صریح مخالفت کرتے ہوئے انھیں کوئی جھجک اس لیے محسوس نہیں ہوئی کہ لوگ رفتہ رفتہ ان انحرافات کے عادی ہوتے جا رہے تھے، چنانچہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بڑی بڑی بدعتوں کے دروازے بھی اسی بنا پر کھلتے گئے، اور انتہائی نامعقول اور غلط قسم کے

---

[1] (ملاحظہ ہو تفسیر کبیر فخر الدین رازی) مترجم

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

اعلانات بھی سنے جانے لگے۔

مذکورہ بالا چار نکات وہ ہیں جنھیں نظامِ شریعت کے تار و پود بکھیرنے میں اہم حیثیت حاصل ہے۔

اور ان سب کی بنیاد یہ ہے کہ ——————

اہلِ بیت کرامؑ جو پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے برحق جانشین تھے، ان کے ہاتھ میں زمامِ اقتدار نہ رہنے دی گئی۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

۱۲

حضرات ائمۂ طاہرینؑ کا عہد

اس باب میں، ائمہ کرام علیہم السلام کے عہدِ حیات کی ایک مستقیم جہت اور مقررہ نہج کے بارے میں گفتگو کرنا مقصود ہے۔

(اختصارِ کلام کے پیشِ نظر) اتنی گنجائش تو نہ ہوگی کہ اس مقررہ نہج اور معین روش کے تمام خدوخال واضح کیے جاسکیں، البتہ یہ کوشش ضرور ہوگی کہ اس کا رُخ واضح کردیا جائے اور عہدِ ائمہ طاہرینؑ کے بعض نقوش کی طرف توجہ دلائی جائے۔

اور یہ وہ رُخ ہے جو تمام ائمہ کرامؑ کی زندگانی میں نمایاں طور پر نظر آتا ہے اور ہم اس پر عمومی سطح پر گفتگو کریں گے۔ اور ایک ایک امامؑ کے عہد کا الگ جائزہ لینے کے بجائے ان کے اہداف کے عمومی نقوش، مشترک مقاصد اور بنیادی وصف کو پیشِ نظر رکھیں گے۔ تاکہ ان کے اقدامات کی ہم آہنگی واضح ہوسکے اور نتیجتاً یہ بات بھی سمجھی جاسکے کہ اسلام کی عمومی تاریخ میں حضرات ائمہ کرام کا مجموعی طرزِ عمل کیا تھا ——؟

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

اس گفتگو سے ہمارا مقصد یہ نہیں ہے کہ ایک ایک امامؑ کے دورِ حیات پر الگ الگ گفتگو کی اہمیت کو کم کریں، ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ ہر امامؑ کے دورِ حیات کا مستقل مطالعہ اور اس کے جزئیات کو سمجھنا انتہائی ضروری ہے،

کیونکہ ان کے مجموعی ادوار کو صحیح طور پر سمجھنے کے لیے ہر امامؑ کے تفصیل حالاتِ زندگی سے باخبر ہونا لازمی ہے۔ تاکہ ان کے دور کی خصوصیات، اہداف اور نقوش ہمارے سامنے اتنے واضح ہو جائیں کہ ان کے مجموعی ادوار کے مشترک اہداف کو سمجھنا آسان ہو جائے۔

الگ الگ دور کا مطالعہ یہ بتائے گا کہ ہر امامؑ کے زمانے کے حالات جدا جدا تھے۔ اور اسی اعتبار سے امامؑ کو لائحۂ عمل اختیار کرنا تھا،

مثال کے طور پر امام حسن علیہ السلام کے دور کے حالات ایسے تھے کہ آپؑ کو صلح کرنا پڑی۔ جبکہ امام حسین علیہ السلام کے زمانہ میں حالات کا رخ ایسا تھا کہ آپؑ جنگ پر مجبور ہوئے۔

پھر امام زین العابدینؑ کا دور ایسا آیا جس میں صرف دعا و مناجات کی گنجائش تھی لیکن اس کے بعد امام محمد باقرؑ کو ایسا زمانہ ملا جس میں فقہ اور حدیث وغیرہ کی نشر و اشاعت میں آسانی نصیب ہوئی۔۔۔۔

اسی طرح اگر ایک ایک امامؑ کے زمانہ کو دیکھا جائے تو وہ ایک دوسرے سے مختلف نظر آتا ہے۔

لیکن جب ہم حضرات اہل بیتؑ کے مجموعی لائحۂ عمل کا مطالعہ کرتے ہیں تو پھر ان تمام مختلف حالات سے ہٹ کر دیکھنا پڑتا ہے۔ اور اس میں ائمہ کرامؑ کی مساعیٔ جمیلہ اس طرح متحد و متفق نظر آتی ہیں جیسے ایک مفہوم کی ادائیگی کے لیے مختلف تعبیریں،

کیونکہ ہر امامؑ کو جو زمانہ ملا وہ دوسرے امامؑ کے زمانہ سے مختلف تھا۔ اور شیعیان اہلبیتؑ ان حالات سے دوچار رہے جو اس زمانہ میں پیدا ہو چکے تھے۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

اس لیے ہم جزئی مشاہدات کے بجائے ایک ایسا نظریہ اپنانا چاہتے ہیں جو سب کا نچوڑ بھی ہو اور سب کے لیے جامع بھی۔ تاکہ ہمیں اس دور کی تمام کڑیوں کو باہم مربوط کر کے نتیجہ اخذ کرنے میں آسانی ہو۔

مثال کے طور پر، جناب امیرالمومنینؑ کے حالات میں یہ بات ملتی ہے کہ آپؑ نے اصحاب کو جمع کر کے امامت کے بارے میں ان سے گواہی طلب کی جسے بہت سے تابعین نے مشاہدہ کیا۔

اور ان اصحاب سے آپؑ نے مطالبہ کیا کہ آنحضرتؐ نے آپؑ کے بارے میں اور اہل بیت طاہرینؑ کے بارے میں جو فضائل و مناقب بیان فرمائے ہیں، انھیں ذکر کریں ——————

اسی قسم کی بات جناب امام محمد باقرؑ کے حالات میں بھی ملتی ہے کہ آپؑ نے تابعین اور تبع تابعین کو جمع کر کے فضائل اہلبیتؑ پر گواہی دلوائی۔

اب اگر پورے دور کو ایک دوسرے سے مربوط کر کے دیکھا جائے اور اس حقیقت کو پیش نظر رکھا جائے کہ مذکورہ بالا دونوں مواقع پر ۳-۴ نسلیں جمع ہوگئیں اور پیغمبر اسلامؐ کی ان احادیث کو یکجا کرنے کا موقع فراہم کر دیا گیا جو نسلاً بعد نسل محفوظ چلی آرہی تھیں۔ اور پھر آنے والی نسلوں کے لیے راہ عمل بھی واضح کر دی گئی۔ تاکہ فضائل اہل بیتؑ کو چھپانے کی جو سازشیں ہوتی رہی ہیں وہ طشت از بام ہو جائیں اور یہ فضائل و مناقب گھر گھر پہنچ جائیں۔

(یہ ایک مختصر سی مثال تھی، اس کے علاوہ ہر شعبۂ حیات میں آپ حضرات کے اقدامات اسی طرح ایک دوسرے سے ہم آہنگ نظر آتے ہیں)

اور میرا پختہ یقین ہے کہ وہ مشترک اقدام جو تمام ائمہ کرامؑ نے راہ عمل کو واضح کرنے کے لیے فرمایا ہے محض ایک مفروضہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ بلکہ وہ ایک

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

دینی فریضہ اور منصب امامت کی ذمہ داریوں میں سے اہم ترین ذمہ داری تھی۔

کیونکہ سلسلۂ امامت تو ایک ہی ہے لہٰذا اس کے تقاضے اور فرائض بھی ایک جیسے ہیں، جس کا عکس ہر امامؑ کی زندگی میں لازمی طور سے نظر آئے گا۔ البتہ ماحول اور حالات کی نیرنگی کے سبب ان کے اقدامات کو سمجھنے میں لوگوں نے غلطی کی اور اسی لیے ہم یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ تمام ائمہ کرامؑ کے ادوار کو ایک سلسلے کی مختلف کڑیاں سمجھ کر مطالعہ کرنے کی اہمیت پر زور دیا جائے۔

ائمہ کرام کا مشترکہ عہد

جیسے سابقہ بیانات کی روشنی میں اچھی طرح سمجھا جا سکتا ہے، اور میں سمجھتا ہوں کہ اس مسئلے میں بحث کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ رسالتؐ کی امنگوں سے امامتؑ کی تجلیاں کس قدر مربوط و ہم آہنگ ہیں۔

ہم سب اس بات سے واقف ہیں کہ اسلام کے آفاقی طرز حیات کے اندر خود اس کے تحفظ کے اصول موجود ہیں۔ جس کی وجہ سے زمانہ گزرتا رہے یہ اصول زندہ رہیں گے اور حضرات ائمہ کرام علیہم السلام ہی اس آفاقی طرز حیات کے پاسبان و نگہبان مقرر کیے گئے تھے ــــــــــــ،

کیونکہ وہ معصوم تھے ــــ!

ان کی زندگی ہر قسم کے سہو و نسیان اور لغزش و عصیان سے پاک اور منزہ تھی ــــ!

اور ہم جو ائمہ کرامؑ کے مشترک عہد کی بات کرتے ہیں تو ہمارے ذہن میں محض اس کا خیالی خاکہ نہیں ہے۔ کیونکہ ہماری نظر ان تمام حالات پر بھی ہے جو وفاتِ پیغمبرؐ کے بعد پیش آئے۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

ائمۂ کرام کو اُن کے منصب سے محروم کر دیا گیا ——

زمامِ اقتدار دوسرے لوگوں نے اپنے ہاتھوں میں لے لی۔ جس کی وجہ پورے نظامِ فکر و عمل میں بدترین انحراف پیدا ہو گیا۔

تو اب جو ہم ائمۂ کرامؑ کے عہدِ مشترک کا تصور قائم کرنا چاہتے ہیں وہ اس عمومی موقف کے نقطۂ نگاہ سے ہے جو آپؑ حضرات نے زمانہ کی نیرنگیوں کے باوجود، اسلام کے تحفظ اور پیغامِ رسالتؐ کی بقا کے لیے اختیار کیا۔

بہت سے لوگوں کے ذہنوں میں یہ خیال پایا جاتا ہے کہ ——

چونکہ ائمۂ کرام علیہم السلام سے ان کا منصب چھین لیا گیا۔ انھیں اقتدار نہ ملنے دیا گیا، ان پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے گئے،

اس لیے ان حضراتؑ کے اقدامات میں ان محرومیوں کا ردِ عمل نظر آتا ہے۔ جیسے کسی شخص سے اس کا گھر چھین لیا جائے اور وہ اس کو واپس حاصل کرنے کی سعی کرتا رہے ——

لیکن یہ خیال نہ صرف تاریخی لحاظ سے غلط ہے، بلکہ بہت سے غلط افکار ایجاد کرنے کا سبب بھی ہے۔

اس لیے میں چاہتا ہوں کہ یہ بات واضح کر دوں کہ اس تصور سے جو نتائج اخذ کیے جائیں گے وہ سب بھی غلط ہوں گے۔

ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ ائمۂ طاہرین علیہم السلام کی حیاتِ طیبہ کا ایسا مطالعہ کیا جائے کہ ان کے اقدامات کے مثبت اور ثمر بار پہلو سامنے آئیں اور اسلام کی پاسبانی کے سلسلہ میں سب نے جو مشترکہ اقدام فرمائے وہ واضح ہو جائیں۔

❁

اگرچہ ائمہ طاہرین علیہم السلام کو ان کے منصب سے ہٹا دیا گیا مگر وہ

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

اپنی دینی ذمہ داریوں، اور اسلام کو تباہی سے بچانے کے سلسلے میں اپنے فرائض کو بھرپور طریقے سے ہر دور میں انجام دیتے رہے۔

یہی وجہ ہے کہ منافقین اور سازشی گروہوں نے اپنی چالیں بدلیں۔ نت نئے راستوں سے دین پر حملہ آور ہوئے، لیکن ائمہ کرامؑ دین کی حفاظت کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ اور جب بھی حکمران طبقہ کو کوئی ایسی دینی و مذہبی مشکل پیش آئی جس کو حل کرنے سے سب عاجز نظر آئے تو ایسے مواقع پر ائمہ طاہرینؑ ہی نے اسلام کی کشتی کو پار کرایا۔ اور قوم کو درپیش خطرات سے بچایا ——————

آپؑ حضرات مسلسل اس بات کے لیے کوشاں رہے کہ کہیں مسلمان اپنی غلطیوں کی بنا پر بالکل ہی نیست و نابود نہ ہو جائیں۔ بلکہ جس حد تک ممکن ہو انھیں اختلاف و انحراف سے باز رکھا جائے۔

چنانچہ روایت ہے کہ

جب خلیفۂ ثانی نے منبر پر جا کر یہ اعلان کیا کہ ——————

" اگر میں نیکی کے بجائے بُرائی کرنے کا حکم دوں "

تو امیرالمومنین نے بآواز بلند فرمایا کہ:

" ایسی صورت میں ہم تمھارا گلا کاٹ دیں گے۔"

یہ ایک نہایت واضح موقف تھا۔ انحراف و کج روی کو روکنے کے سلسلہ میں۔ اور مجاہد جو جذبۂ شہادت کے ساتھ میدان کارزار میں قدم رکھتا ہے وہ بھی اسی موقف کے اظہار کے لیے کہ گمراہی و بے دینی کو مٹانے کے سلسلہ میں اگر جان بھی دینی پڑے تو باعث سعادت ہے۔ جیسا کہ امام حسین علیہ السلام کے اقدام میں اس کی سب سے زیادہ نمایاں مثال موجود ہے۔

اسی طرح دیگر ائمہ کرام کے حالاتِ زندگی میں بھی یہ قدر مشترک نظر آئے گی۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

کہ دین کے تحفظ کے سلسلہ میں جب بھی ضرورت پیش آئی آپؑ نے قدم اٹھایا اور ایسے چھوٹے چھوٹے مسائل جن کو حل کرنے سے حکمراں عاجز رہتے تھے اور نتیجۃً اسلامی وقار پر آنچ آنے لگتی تھی تو ائمہ کرامؑ ایسی مناسب رہنمائی فرماتے تھے جو اسلام کے وقار کو بحال کرنے کا موجب بنے ــــــــــــ

جیسے اسلامی سکہ کے سلسلہ میں عبدالملک بن مروان کا استفسار اور امام زین العابدینؑ کی ہدایت۔

اسی طرح جب ہشام بن عبدالملک کو بادشاہ روم نے سوالات کے حصار میں اس طرح محصور کیا کہ اس سے جواب نہ دیا جا سکا تو امام محمد باقر علیہ السلام نے رہنمائی فرمائی ــــــــــ

اور ائمہ کرام علیہم السلام کی یہ ہدایات ایسی محکم ہوا کرتی تھیں کہ کوئی انھیں ہلا نہ سکے ــــــــــــ

اور ان اقدامات نے ہر مرحلہ پر اسلام کی آبرو بچائی۔ کیونکہ حکام جور دین کو انتہائی ناپسندیدہ شکل میں پیش کر رہے تھے۔ اس لیے ائمۂ اہلبیت علیہم السلام اسے اپنا فرض منصبی سمجھتے تھے کہ لوگوں کو دین کی صحیح تصویر دکھائی جائے اور اس سلسلہ میں آپ حضرات کو انتہائی ناگفتہ بہ مشکلات بھی برداشت کرنا پڑتی تھیں اور حکام کے ظلم وجور کا نشانہ بھی بننا پڑتا تھا۔

مثال کے طور پر تاریخوں میں ملتا ہے کہ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام پر قید خانوں میں اتنی مصیبتیں پڑیں کہ آپ کی صحت پر بہت بڑا اثر پڑا جسم انتہائی نحیف ہو گیا۔ یہاں تک کہ جب آپؑ سجدے میں جاتے تھے تو دور سے دیکھنے والے کو جانماز پر صرف ایک کپڑا پڑا ہوا نظر آتا تھا۔ آپؑ کا جسم محسوس نہیں ہوتا تھا۔ یہ منظر دیکھ کر حاکم کا نمائندہ آپؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ:

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

"خلیفۂ وقت آپؑ سے معذرت چاہتا ہے اور آپؑ کو آزاد
کرنا چاہتا ہے آپؑ اس سے ملاقات کرکے عذرخواہی
کریں......"

لیکن امامؑ صاف انکار کردیتے ہیں، جس کے نتیجہ میں ایک بار پھر زیادہ
شدت کے ساتھ آپؑ پر مصائب وآلام کی بارش شروع ہوجاتی ہے لیکن آپؑ کسی طرح
ان حکام جور کے باطل اور غلط طرز عمل کی تائید کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے۔

اسی کے ساتھ مثبت طریقہ سے آپ حضرات، لوگوں کو دین کے احکام ومعارف
سے آشنا کرتے رہتے ہیں اور ان کے فکر وشعور میں ایسی پختگی پیدا کردیتے ہیں کہ باطل کے
تمام افکار ونظریات کا مقابلہ کرسکیں۔

کیونکہ امامؑ کو پروردگار عالم کی طرف سے ایسا وسیع اور ہمہ گیر علم عطا ہوتا
ہے کہ وہ پیش آنے والے حالات کو سامنے رکھتے ہوئے اس کے مقابلے کے لیے لوگوں کی
تربیت فرماسکیں۔

چنانچہ جس زمانہ میں حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام مدینہ میں تھے،
آپؑ کو معلوم ہوا کہ عراق میں کندی نامی شخص، قرآن میں اختلافات تلاش کررہا ہے،
اور اس سلسلے میں کوئی کتاب لکھ رہا ہے۔ تو آپؑ نے اس کے پاس پیغام بھیجا اور اس کے
شکوک وشبہات کو دور کیا۔

یہ انداز بتا رہا ہے کہ ائمہ طاہرین علیہم السلام کو اگرچہ حکومت سے محروم رکھا
گیا مگر وہ امت کے مسائل سے کس قدر نزدیک تھے اور دین کی پاسبانی کے فریضہ کو
کتنے محکم انداز سے انجام دے رہے تھے۔

ظاہر ہے کہ امت کی یہ رہنمائی اچانک اور اتفاقاً ان کے حصہ میں نہیں
آئی تھی اور نہ صرف پیغمبر اسلامؐ سے خاندانی رشتہ کی بنا پر تھی بلکہ پروردگارِ عالم کی عطا

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

اور آپ حضراتؑ کے جہدِ مسلسل کی بنا پر تھی۔

کیونکہ قومی قیادت کے لیے عطیۂ پروردگار کے ساتھ قومی خدمت بھی ضروری ہے۔ اور انسان قوم کی خاطر قربانیاں دیے بغیر ان کے دلوں پر حکمرانی نہیں کر سکتا۔ قوم انھیں لوگوں کو اپنے دل میں جگہ دیتی ہے جن سے اس کی مشکلات حل ہوتی ہوں اور جو ان کے دستور و منشور کا پاسبان و محافظ ہو۔

اور چونکہ ائمۂ کرام علیہم السلام نے دینِ خدا کی حفاظت اور امتِ مسلمہ کو ہر قسم کی مشکلات سے بچانے کے لیے مسلسل قربانیاں بھی دیں اور بے مثال خدمات بھی انجام دیں۔ اس لیے ان کی حکومت بھی دلوں پر قائم رہی جس کی مثالیں وفاتِ پیغمبرؐ کے بعد عہدِ جنابِ امیرؑ میں بھی نظر آتی ہیں۔

جب لوگ خلیفۂ ثالث کو قتل کرنے کے بعد آپؑ سے شدید اصرار کرتے ہیں کہ بس اب آپؑ ہی زمامِ اقتدار سنبھالیں۔

اور آپؑ کے بعد دیگر ائمۂ کرامؑ کے ادوار میں بھی اس کی ان گنت مثالیں ملتی ہیں۔ جیسا کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے ہارون رشید کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ:

"تم جسم پر حکومت کرتے ہو، میں قلب و روح پر...."

اسی طرح جب عبداللہ بن حسن اپنے بیٹے محمد (نفس زکیہ) کی خلافت کے لیے لوگوں سے بیعت لینا چاہتے تھے اور انھوں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے التجا کی تھی کہ

"آپؑ بھی اس کی تائید کریں، کیونکہ آپؑ اگر قبول کر لیں تو قریش یا غیر قریش کے دو آدمی بھی مخالفت نہیں کریں گے۔"

یہ جملہ بتا رہا ہے کہ لوگوں کے دلوں میں ائمہ اہلبیتؑ کی کتنی عظمت تھی، اور ان کی دینی خدمات کے وہ لوگ کس درجہ قدر دان تھے۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

اسی کی تائید اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ جب ہشام بن عبدالملک جیسا بادشاہِ وقت طواف کے موقع پر حجر اسود کو بوسہ دینا چاہتا ہے اور لوگوں کے انبوہِ کثیر کی وجہ سے حجر اسود کو بوسہ دینے سے عاجز و محروم رہتا ہے ——— لیکن ——— اسی موقع پر جب حضرت امام زین العابدین علیہ السلام حرمِ مقدس میں تشریف لاتے ہیں تو سارا مجمع ان کے عزت و احترام کی بنا پر کائی کی طرح پھٹ جاتا ہے، امامؑ کے لیے راستہ کشادہ ہو جاتا ہے اور وہ پورے خضوع و خشوع کے ساتھ طواف بھی کرتے ہیں، حجرِ اسود کو بوسہ بھی دیتے ہیں اور (ہشام دور کھڑا ہو کر حسرت و یاس سے اس منظر کو دیکھتا رہتا ہے، اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹی رہ جاتی ہیں، امامؑ کی عظمت کے مقابلے میں جب اپنی بے بسی اور حجر اسود کے بوسہ سے محرومی کو دیکھتا ہے تو کچھ بس نہیں چلتا کیا کرے، تیوری چڑھا کر پوچھتا ہے: یہ کون شخص ہے جس کی اتنی عزت کی جا رہی ہے؟ اور) فرزدق اس کے اس سوال کے جواب میں ایک انتہائی مرصع قصیدہ کہہ کر امامؑ کی عظمت کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں۔

تو اس واقعہ میں بھی اہل بیت کرامؑ کی وہی محبوبیت اور عظمت پوشیدہ ہے جس کے بغیر دلوں پر حکمرانی نہیں کی جا سکتی تھی۔

اسی طرح مامون الرشید کے دورِ حکومت میں جب سلطانِ وقتؑ امام علی رضا علیہ السلام کو ناراض کرتا ہے تو سارا شہر غضب ناک ہو کر "قصرِ مامون" پر حملہ آور ہو جاتا ہے۔ اور آخر کار سلطان کو امامؑ ہی سے التجا کرنی پڑتی ہے کہ وہ اس کی مدد کریں اور اس کی جان بچائیں۔

اور آپؑ اسے تنبیہ کرتے ہیں کہ

"امتِ پیغمبرؐ کے بارے میں خدا سے ڈرو، مجھے تمہارے معاملات سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ تم نے مسلمانوں کے

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

حقوق کو پامال کیا ہے اور نامناسب فیصلہ ان پر مسلّط کرنے کی کوشش کی ہے ....."

یہ تمام مثالیں وہ ہیں جن سے ائمہ کرام علیہم السلام کی اس عظیم روحانی قیادت کا پتہ چلتا ہے جو ان حضرات کو ہر دور میں اپنے منفرد ایجابی اقدامات کی وجہ سے حاصل تھی اور پوری قوم کو اچھی طرح احساس تھا کہ دینِ اسلام کی کشتی پار لگانے والا گھرانہ یہی ہے۔

اسی بات کو اگر ذرا مختلف زاویۂ نگاہ سے دیکھا جائے تو یہ نظر آتا ہے کہ ہر دور کے حکمرانوں کے دل میں ائمہ طاہرین علیہم السلام کی جانب سے انتہائی خوف وہراس نظر آتا ہے۔ جو اس بات کی واضح علامت ہے کہ تمام حکمرانوں کو بھی یہ بات اچھی طرح معلوم تھی کہ ــــــــــــ،

دلوں پر حکمرانی اہل بیتؑ ہی کی ہے۔ جو نتیجہ ہے ان کی عظیم خدمات اور منفرد قربانیوں کا ــــــــــــ!

حکمرانوں کے دلوں میں یہ خوف بعض اوقات اتنا شدید ہوجاتا تھا کہ ان پر ایک دہشت سی طاری ہوجاتی تھی۔ جس کے ردِ عمل کے طور پر کبھی امامؑ کو پابندِ سلاسل کرتے تھے، نظر بند کرتے تھے، گھر کی نگرانی کراتے تھے، قوم سے ان کا رابطہ منقطع کرنے کی بھرپور کوشش کرتے تھے، اور جب یہ تمام حربے بے کار ثابت ہوتے تھے تو انھیں قتل کرنے کی سازشیں کرنے لگتے تھے۔

اور یہ صورتِ حال ہر دور میں ایسے تسلسل سے نظر آتی ہے کہ کوئی ذی ہوش انسان اسے وقتی بات یا اتفاقی چیز نہیں قرار دے سکتا۔ بلکہ یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ ہر دور کے حکمرانوں کو اس بات کا بھرپور احساس رہا ہے کہ اہلبیت کرامؑ کی ایسی شاندار دینی خدمات ہیں اور قلوبِ انسانی پر ان کی ایسی حکمرانی ہے کہ

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

وہ جس وقت بھی چاہیں ہماری حکومت کا تختہ الٹ سکتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ کیا ائمہ کرامؑ کی ایجابی اس حد تک تھیں کہ حکامِ جور سے اقتدار چھین لیا جائے یا یہ کہ ان کا دائرۂ کار صرف اسلام کی حفاظت، اس کے پیغام کی نشر و اشاعت اور امت کی پاسبانی تک محدود تھا ——— ؟

اس اہم سوال کے مکمل جواب کے لیے ہمیں تفصیلی بحث میں جانا پڑے گا جس کی اب اس باب میں گنجائش نہیں رہی لیکن متعدد احادیث معصومین علیہم السلام کی روشنی میں جو بات نمایاں نظر آتی ہے اس کا ماحصل یہ ہے کہ ———

ائمہ کرام علیہم السلام اسلام کے عالمگیر نظام کے پائیدار قیام کے لیے صرف مسلح جد و جہد، جو وقتی و عارضی ہو، اسے کافی نہیں سمجھتے تھے۔

کیونکہ ان حضرات کے نزدیک لوگوں کے اذہان میں مذہب کی تعلیم کو راسخ کرنے کے لیے صرف عسکری قوت پر انحصار نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ اس کے لیے ایک ایسا پختہ یقین و ایمان رکھنے والے گروہ کا ایجاد کرنا بھی ضروری تھا جو امامؑ کی امامت و عصمت پر بھرپور یقین و ایمان رکھتا ہو ———،

ان کے فرامین کے مطابق زندگی گزارتا ہو ——— ان کے فرمودات کو عملی جامہ پہناتا ہو اور امت کے مصالح کی بھرپور پاسبانی کرتا ہو۔

چنانچہ جب وہ مردِ خراسانی حضرت امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہوا جس نے یہ پیش کش کی تھی کہ ———

"آپؑ اقدام کریں، ہم لشکر فراہم کریں گے"

تو امامؑ نے ابتداءً اس کے سوال کو ناقابلِ التفات قرار دیا، پھر اس کے اصرار پر حکم دیا کہ ———

"آگ میں کود پڑو ——— !"

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

اس نے انکار کیا۔

اسی اثنا امامؑ کے ایک مخلص صحابی آئے، امامؑ نے انھیں وہی حکم دیا اور وہ فوراً آگ میں کود پڑے۔ جس کے بعد امامؑ نے شخص خراسانی سے فرمایا کہ:

"اگر ان کے جیسے چالیس آدمی مل جائیں تو اقدام کر سکتا ہوں۔"

اور امیرالمومنینؑ کی خدمت میں جب مہاجرین وانصار اور تابعین نے انتہائی شدید اصرار کے ساتھ زمام اقتدار قبول کرنے کی درخواست کی، تو اسی مذکورہ بالا اصول پر آپؑ نے اسے قبول فرمایا تھا۔

ائمہ کرامؑ کے پورے دورِ ظہور پر نگاہ کی جائے تو قدرِ مشترک یہ نظر آتی ہے کہ آپ حضراتؑ نے وقت کے حکمرانوں کو ان کی بڑھتی ہوئی سرکشی سے روکنے کی حتی الامکان کوشش فرمائی اور امت کو مکمل تباہی وبربادی سے بچا لیا۔

یہ ایک پہلو تھا ــــــــ،

اور دوسرا پہلو وہ ہے جس کی طرف ہم نے اب تک اشارہ نہیں کیا اور وہ شیعوں کی حفاظت کا فریضہ ہے۔ کیونکہ یہی وہ گروہ تھا جو امامت کے منصب کو تسلیم کرتا تھا۔ اور ان کی نگرانی اس لحاظ سے بھی ضروری تھی کہ یہ لوگ آپؑ ہی حضرات سے وابستہ تھے،

ان کے لیے راہِ عمل کو واضح کرنا، ان کی حمایت ونصرت کرنا، ان کے شعور میں پختگی پیدا کرنا، مشکلات کا مقابلہ کرنے کے لیے ان میں حوصلہ پیدا کرنا، ان کی اصلاح کرکے انھیں ایک فکری لشکر اور باشعور طبقہ بنانا بھی آپ ہی حضرات کی ذمہ داری تھی، اور اس بات کی بہت سی مثالیں نظر آتی ہیں کہ ائمہ کرامؑ اپنے شیعوں کی بھرپور حفاظت ونگرانی فرماتے تھے، یہاں تک کہ ان کے افراد کے درمیان اگر باہمی چپقلش ہو جائے تو اسے دُور کرنے کے لیے مختلف تدابیر اختیار کرتے تھے۔ اور جیسا کہ معلی بن خنیس

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

(شاگرد امام جعفر صادقؑ) کی روایت سے پتہ چلتا ہے ، ائمہ کرام اپنے پاس سے رقم خرچ کر کے لوگوں کے باہمی اختلافات کو ختم کرادیا کرتے تھے۔

اس بنیاد کو سامنے رکھ کر ہم ان متعدد احادیث معصومینؑ کو بھی سمجھ سکتے ہیں جن میں ان لوگوں کو قوم کے تنظیمی قوانین کی تعلیم دی گئی ہے جو ان قومی امور کی نگرانی پر مامور ہوتے تھے ——————

ظاہر ہے کہ حالات اور ماحول کے مختلف ہونے کی بنا پر یہ قوانین بھی ہر دور میں جدا جدا ہوتے تھے۔

مذکورہ بالا معروضات وہ ہیں جنھیں میں نے اپنے دروس کے درمیان سامنے لانے کی کوشش کی اور آخر میں آرزومند ہوں کہ حضرات اہلبیت کرامؑ کی زندگی کے دوسرے پہلوؤں کو سمجھنے کے لیے یہ مشعلِ راہ ثابت ہوں۔ اور خداوند عالم سے میری التجا ہے کہ مجھے ان کے تابعین میں سے قرار دے اور ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین رب العالمین

(والسلام ۔ سید محمد باقر الصدر)

(مترجم: رضی جعفر نقوی ۱۹۸۷ء)

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

مسئلۂ فدک پر شہید سیّد محمد باقر الصدرؒ کی لافانی، اچھوتی
اور گراں مایہ تالیف

فدک

تاریخ کی روشنی میں

جس میں
دخترِ رسولؐ حضرت فاطمہ زہراؑ
کے موقف کے اثبات کے ساتھ ساتھ
اس مسئلہ کی سیاسی اہمیت اور فدک کی مفصل تاریخ
بیان کی گئی ہے

عمدہ طباعت	اعلیٰ کتابت	قیمت ۲۵ روپے

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

تیونس کے ایک اہلِ سُنّت عالمِ دین علامہ ڈاکٹر محمد تیجانی سماوی
کی تالیف۔ تحقیق و جستجو کا ثمرِ گراں مایہ!

"ثمّ اھتدیت"

کا

اردو ترجمہ

پھر میں ھدایت پاگیا

جو اب تک فارسی، انگریزی، ترکی اور فرانسیسی زبانوں میں ترجمہ ہو چکی ہے۔ اور جسے پاکستان میں پہلی مرتبہ اردو زبان میں طبع کیا گیا ہے

دیدہ زیب سرورق	عمدہ طباعت	قیمت ۳۰ روپے

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

تیونس کے سابق اہلِ سنت اسکالر

ڈاکٹر محمد تیجانی سماوی

کی

معرکۃ الآرا تالیف

"لأکُون مع الصّادقین"

کا اردو ترجمہ

ہو جاؤ سچّوں کے ساتھ

جو ثابت کرتی ہے کہ

مکتب اہلِ بیتؑ ہی وہ واحد مکتب ہے جس کی حقانیت عقل و منطق اور آیات و روایات سے ثابت ہے

مسلمانوں کے درمیان معتبر کتب احادیث اور متفقہ تواریخ سب ہی شیعیت کی حقانیت کا منہ بولتا ثبوت ہیں

بہترین کتابت	اعلیٰ طباعت	عمدہ کاغذ	تقریباً ۴۰۰ صفحات

قیمت صرف ۴۰ روپے

ناشر

موسسہ اہلِ بیتؑ

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com